اشاعتِ خاص:

سیرتِ رسول

صلی اللہ علیہ وسلم

برصغیر کے نامور خطاط، جناب عبدالمجید (دہلوی)، حسن کاری و خطاطی کے امتزاج زیبا سے اس فن کی عظمت کو برقرار رکھنے اور حسن ترتیب و آرائش کے ایسے نمونے پیش کرنے میں مصروف رہتے ہیں جو بصیرت اور بصارت دونوں کے لئے سامان راحت مہیا کرتے ہیں۔ حضرت سعدیؒ کی اس مشہور رباعی کا یہ نقش جمیل پہلی بار یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔

جلد ۱۶ — **ماہِ نو** — شمارہ ۷-۸

اشاعتِ خاص بہ سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

مدیر: ظفر قریشی — جولائی و اگست ۱۹۶۳ء

"بگیر ایں ہم سامانِ نوبہار از ما"

سالانہ چندہ :	شائع کردہ :	اشاعت خاص :
پانچ روپے ۵۰ پیسہ	ادارۂ مطبوعات پاکستان، پوسٹ بکس ۱۸۳ کراچی	(سیرت رسول نمبر) دو روپے

حرفِ نیاز

آج ہمیں یہ سعادت عظمیٰ حاصل ہے کہ ہم "ماہِ نو" کا سیرت نمبر پیش کر رہے ہیں۔ جو برصغیر میں اپنی قسم کی واحد مہتم بالشان پیشکش ہے۔
یہ آنحضرت ﷺ ہی کی ذات قدسی صفات کی برکت ہے کہ ہمیں ایسا شمارہ پیش کرنے کی توفیق ہوئی ورنہ حقیقت یہ ہے کہ جن حالات میں اس کا آغاز کیا گیا تھا وہ ایسی پیشکش کے لئے ہرگز سازگار نہ تھے ــــ تھوڑے ہی عرصہ میں اتنا مواد فراہم ہو گیا کہ آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں کا گماں ہونے لگا یہ سلسلہ شمارہ کے مرتب ہونے کے بعد بھی جاری رہا۔ بلا مبالغہ اس شمارہ میں جس کثرت سے برصغیر کے علماء، فضلا، محقق، ادیب اور شاعر جمع ہوئے ہیں اور کسی میں نہیں ہوئے اور جس ذوق و شوق سے اہلِ قلم نے ہماری آواز پر لبیک کہا ہے، اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ جیسے یہ خاص و عام سب کا مشترکہ شمارہ ہو اور وہ اس میں حصہ لینا فرض خیال کرتے ہوں۔

اس سے ظاہر ہے کہ آنحضرتؐ کی ذات گرامی کس طرح ملت کے ہر ہر فرد کے دل و دماغ میں جاگزیں ہے۔ اور ان کے ساتھ دین اسلام بھی جس کے وہ داعی تھے۔ لہٰذا اسلام وہ چیز ہے جس پر ساری ملت خواہ وہ کہیں ہو متحد ہے۔ ابھی سولہ برس ہی کا عرصہ ہوا ہے کہ مسلمانانِ برصغیر نے اس کا عملی ثبوت فراہم کیا اور آج بھی وہ اس کے لئے جان و دل سے تیار ہیں۔ جس کا یہ شمارہ اپنی جگہ پر ایک شاہد خصوصی ہے۔ اس کے بعد ہم پورے اعتماد سے اسلام کی بنا پر وحدت کا دعوے کر سکتے ہیں۔ صرف مغربی پاکستان ہی نہیں، مشرقی و مغربی پاکستان دونوں کی مکمل ہم آہنگی، یکجہتی اور یگانگت کا اس سے بڑا موجب اور کیا ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہ اسلام اور اسلامی تہذیب و ثقافت کا تحفظ ہی تھا جس کے لئے پاکستان وجود میں آیا۔ اربابِ قلم کے والہانہ ذوق و شوق کا ایک خوش آئند نتیجہ سیرت نبویؐ کے گوناگوں پہلوؤں کا بڑی خوش اسلوبی سے احاطہ ہے اور قدیم و جدید ذوق، تصورات، اسالیب اور اصناف کی یکجائی ۔ یہ جامعیت جیسا کہ شروع ہی میں عرض کیا گیا ہے تقدیر سے ہے اور اتفاقات سے ہے یا ہستی مافوق التصور کا اعجاز جس نے اپنے حبیبؐ کی خاطر ہمیں اس پیشکش سے مشرف کیا۔
چونکہ اس شمارہ کی حیثیت دربار نبوی کی ہے اس لئے ہم نے بھی کسی قسم کی تفریق سے کام نہیں لیا اور اربابِ عقیدت کے حضوری کی سعادت سے بہرہ ور ہونے میں کوئی امتیاز روا نہیں رکھا۔

ہر کہ خواہد گو بیا و ہر کہ خواہد گو برو گیر و دار و حاجب و درباں دریں درگاہ نیست

چنانچہ نذرانہائے عقیدت کے انتخاب میں حاجب و درباں (مدیر و نگراں) نے مطلقاً احتساب سے کام نہیں لیا اور جو عقیدت پارے بھی موصول ہوئے انہیں حتی الامکان پیش کر دیا گیا ہے۔
ظاہر ہے کہ سرورِ کائنات کے حضور نذر و نیاز کا شرف گلہائے عقیدت کی فراوانی ہی میں مضمر تھا۔ اس لئے ہم نے "تمتع زہر گوشۂ یافتم ۔ زہر خرمنے خوشۂ یافتم" پر عمل کرتے ہوئے جملہ ذرائع سے استفادہ کیا ہے خواہ وہ مشرقی ہوں یا مغربی، اسلامی ہوں یا غیر اسلامی، پاکستانی ہوں یا ہندوستانی۔ چنانچہ اس شمارہ میں بعض ہندو اہل قلم کے نقوش بھی شامل ہیں۔ جہاں تک زبانوں کا تعلق ہے انگریزی، عربی، فارسی جیسی عالمی السنہ کے خراج ہائے تحسین کے علاوہ اپنے یہاں کی زبانوں۔ اردو (بشمول دکھنی)، پنجابی، سندھی، ملتانی، پشتو، کشمیری کے نعتیہ کلام کی چھان بین کر کے جواہر پارے فراہم کئے گئے اور ان پر سیر حاصل مضامین تحریر کرائے گئے۔ بعض کرم فرماؤں نے ہمیں شمارہ کے مادہ ہائے تاریخ اور رنگین و سادہ فنی و عکسی تصاویر بھی عنایت کیں جو اس شمارہ کی آب و تاب میں اضافہ کا باعث ہوئے ہیں ــــ ایسی پیشکش جس میں ہر قدم پر ادب و احترام کے تقاضے اور مصلحتیں دامنگیر ہوں، ادب و فن کا التزام جس سے شان جمال نمایاں ہو، بہت دشوار ہے لیکن ہمیں مسرت ہے کہ یہ شمارہ بھی حسن و کیف کی ان روایات کا آئینہ دار ہے جو "ماہِ نو" سے مخصوص ہیں چنانچہ اس میں ثقہ و سنجیدہ عالمانہ مضامین کے ساتھ ساتھ موضوع کے حسب حال شگفتہ و لطیف افسانوی نقوش اور گوناگوں شعری شہ پارے بھی ہیں جو اس میں آب و رنگ پیدا کرتے ہیں۔

اب جب کہ سولہ سال مسلسل نشو و نما اور بیش از بیش استحکام سے پاکستان کا استقلال اور بھی یقینی ہو چکا ہے یعنی قائد اعظمؒ کے الفاظ میں یہ چٹانوں کی طرح مضبوط ہے۔ یوم استقلال اور یوم میلاد کا ایک ہی مہینے میں وقوع پذیر ہونا ایک خداساز مناسبت ہے۔ کیونکہ پاکستان درحقیقت اسلام اور اس جذبہ حریت ہی کی پیداوار ہے جو حضرت رسالتمآبؐ کا فیضان ہے۔ بنا بریں "ماہِ نو" اور اس کے دیگر ہم چشموں "ماہِ نو" (بنگالی)، "نئین زندگی" (سندھی) اور "اباسین" (پشتو) جو ادارۂ ہذا ہی کے زیر اہتمام شائع ہوتے ہیں، کے سیرت آنحضرت صلعم سے متعلق خصوصی شماروں کی اشاعت اسی موقع پر موزوں و مناسب تھی۔ جو بیک وقت اس فیضان کا اعتراف بھی ہے اور تشکر بھی۔ ادارہ کو اس فریضہ کی بجا آوری پر مسرت ہے۔ "شکرم از زندگی خویش کہ کارے کردم"۔ گو ہماری تمنا تھی اور ہے کہ یہ فریضہ اور بھی خوش اسلوبی سے سر انجام پاتا۔ اس ضمن میں یہ عرض کر دینا مناسب ہے کہ ادارہ کا اہل قلم کی جملہ آرا اور نتائج تحقیق سے متفق ہونا ضروری نہیں۔
آخر میں یہ ہمارا خوش گوار فرض ہے کہ ہم ان تمام کرم فرماؤں کا شکریہ ادا کریں جنہوں نے اس عظیم ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے میں ہماری مدد کی اور ہمیں ہر ممکن تعاون سے مشرف کیا۔ خدا انہیں اس خلوص کی جزائے خیر دے! ــــ رفیق خاور ــــ نگراں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو مہربان ہے رحم والا

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۙ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ؕ اِیَّاكَ

تمام تعریف اللہ کے لئے ہے جو سارے جہان کا پروردگار ہے، مہربان ہے رحم والا قیامت کے دن کا مالک ہے ہم تیری ہی

نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ؕ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِیْنَ

عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں ہم کو سیدھا راستہ دکھا اُن لوگوں کا راستہ جن پر

اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ۙ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ○ اٰمِیْنَ ○

تو نے انعام کیا نہ اُن لوگوں کا راستہ جو (تیرے) غضب میں مبتلا ہوئے اور نہ گمراہوں کا، الٰہی قبول فرما،

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی

الٰہی حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آل پر رحمت بھیج جس طرح تو نے رحمت بھیجی حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اور حضرت

اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ○

ابراہیم (علیہ السلام) کی آل پر، بیشک تو تعریف کیا گیا ہے بزرگ ہے

"میں عاجز و کم نگاہ و فانی"

(حمدِ باری)

"لولاک لما ہے شانِ احمدؐ"

(مدحِ رسولؐ)

یوسف ظفر

اے خالقِ بے عدیل و یکتا — میں عرضِ عبودیت کروں کیا
صدیوں کی زباں ہے گنگ یارب! — دنیا ہے ازل سے مُہر بر لب
واماندہ ہے شہپرِ تخیّل — کیسے ہے ہر ایک جزو میں کُل!
سجدے میں قیاس کی جبیں ہے — کیا جانئے کیا ہے، کیا نہیں ہے
تجھ بِن کوئی رنگ و بو نہیں ہے — ہر چیز ہے تجھ سے "تُو" نہیں ہے
تاروں کا سکوت و نُور تجھ سے — میں تجھ سے، مرا شعور تجھ سے
ہر پیکرِ ہست و بُود تجھ سے — ہر حادثۂ وجود تجھ سے
جو ہے ترے حکم کی اذاں ہے — جُز تیرے یہاں کوئی کہاں ہے
منشائے حیات کیا ہے، تُو ہے — ہر قطرۂ آب، آبجُو ہے
شاخیں تری ان میں رس بھی تیرا — قیدی بھی ترا قفس بھی تیرا
حیرت کدۂ حیات تجھ سے — ہر ذرّۂ کائنات تجھ سے
ذرّے کی بساط کیا کہ چھانے — صحرائے وجود کے زمانے
ہر چند کہ آفتاب سے ہے — ذرّہ ہے تو کس حساب سے ہے!
میں سجدہ کسے کروں خدایا — تُو ہی رگِ جاں میں ہے سمایا
تُو نورِ دل و نگاہ و تخلیق — میں تیرا ثبوت، تیری تصدیق
آغوش میں ہے، مگر کہاں ہے؟ — دیکھے تجھے، وہ نظر کہاں ہے
میں عاجز و کم نگاہ و فانی — میری ہے زبانِ بے زبانی
پابندِ ہوس خیال میرا — ناقص ہوں، یہ ہے کمال میرا
دامانِ زباں ہے اس قدر تنگ — آتی ہے مجھے بیاں سے بھی ننگ

اے خالقِ نُور و حُسنِ بے حد
کر مجھ پہ کرم ز روئے احمدؐ

وہ مظہرِ ذات، تیرے محبوب — ہم جن کے وسیلے سے ہیں منسوب
رُکتی ہے زباں کہ نام لیجے — ہو دل ہی زباں تو کام لیجے
کیا شان ہے اُن کی اللہ اللہ — کونین تمام اُن کا صدقہ
یہ نور و ظہور اُن کی خاطر — منزل ہیں وہی، جہاں مسافر
اس طور سے تُو نگاہ میں ہے — خورشید کا نُور ماہ میں ہے
تُو خالقِ دو جہاں، وہ رحمت — تُو روحِ وجود ہے وہ صورت
افلاک پہ ہے درود خواں تُو — ہے جن و ملک کا ہمزباں تُو
یاں ہم ہیں ترے کرم کے مظہر — ہے صلِّ علیٰ وہ نام لب پر
وہ تیرے، تُو اُن کا رازداں ہے — اُن ہی کا وسیلہ درمیاں ہے
میں کیسے لکھوں، وہ ذات کیا ہے — تُو جانتا ہے، کہ تُو خدا ہے
کوثر کی شراب ہو تو لکھوں — اظہار کی تاب ہو تو لکھوں
آنکھوں میں ہو نورِ سرمۂ طُور — سینہ ہو تجلّیوں سے معمُور
حاصل ہو خیال کو رسائی — معدوم ہو میری بے نوائی
ہو جلوۂ طور اور میں ہوں — پھر ذکرِ حضورؐ اور میں ہوں
میں معجزۂ خود حضورؐ کا ہوں — ہوں پیکرِ خاک، بولتا ہوں
دل شمعِ صفت ہے اُن کے دم سے — لایا ہوں چراغ یہ حرم سے

لولاک لما ہے شانِ احمدؐ
قرآن ہے ترجمانِ احمدؐ

ظہورِ قدسی

علامہ شبلی نعمانی مرحوم

چمنستانِ دہر میں بارہا روح پرور بہاریں آچکی ہیں۔ چرخِ نادرہ کار نے کبھی کبھی بزمِ عالم اس سر و سامان سے سجائی کہ نگاہیں خیرہ ہو کر رہ گئی ہیں۔

لیکن آج کی تاریخ وہ تاریخ ہے جس کے انتظار میں پیرِ کہن سالِ دہر نے کروڑوں برس صرف کر دئیے سیارگانِ فلک اسی دن کے انتظار میں ازل سے چشم براہ تھے۔ چرخِ کہن مدت ہائے دراز سے اسی صبحِ جاں نواز کے لئے لیل و نہار کی کروٹیں بدل رہا تھا کارکنانِ قضا و قدر کی بزم آرائیاں، عناصر کی جدت طرازیاں، ماہ و خورشید کی فروغ انگیزیاں، ابر و باد کی تردستیاں، عالمِ قدس کے انفاسِ پاک، توحیدِ ابراہیمؑ، جمالِ یوسفؑ، معجز طرازیٔ موسیٰؑ، جاں نوازیٔ مسیحؑ ——— اسی لئے تھے کہ یہ متاع ہائے گراں ارزشا ہنشاہِ کونین، صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں کام آئیں گے۔

آج کی صبح وہ صبحِ جاں نواز، وہی ساعت ہمایوں وہی روز فرخ فال ہے۔ اربابِ سیر اپنے محدود پیرایۂ بیان میں لکھتے ہیں کہ آج کی رات ایوانِ کسریٰ کے ۱۴ کنگرے گر گئے آتشکدۂ فارس بجھ گیا۔ دریائے ساوہ خشک ہو گیا لیکن یہ سچ ہے کہ ایوانِ کسریٰ نہیں بلکہ شانِ عجم شوکتِ روم، اوجِ چین کے قصر ہائے فلک بوس گر پڑے۔ آتشِ فارس نہیں بلکہ جحیمِ شر، آتشکدۂ کفر، آذر کدۂ گمرہی سرد ہو کر رہ گئے۔ صنم خانوں میں خاک اڑنے لگی ——— بتکدے خاک میں مل گئے شیرازۂ مجوسیت بکھر گیا، نصرانیت کے اوراق خزاں دیدہ ایک ایک کر کے جھڑ گئے۔

توحید کا غلغلہ اٹھا چمنستانِ سعادت میں بہار آگئی، آفتابِ ہدایت کی شعاعیں ہر طرف پھیل گئیں۔ اخلاقِ انسانی کا آئینہ پرتوِ قدس سے چمک اٹھا۔

یعنی یتیمِ عبداللہ، جگر گوشۂ آمنہ، شاہِ حرم، حکمرانِ عرب، فرمانروائے عالم، شہنشاہِ کونین۔

تکیۂ نہ مسند ہفت اختراں
ختم رسل خاتم پیغمبراں
احمد مرسل کہ خرد خاک اوست
ہر دو جہاں بستۂ فتراکِ اوست
امی و گویا بہ زبانِ فصیح
از الف آدم و میم مسیح
رسم ترنج است کہ در روزگار
پیش دہد میوہ پس آرد بہار

عالمِ قدس سے عالمِ امکاں میں تشریف فرمائے عزت و اجلال ہوا۔

اللھم صل علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم

تاریخِ ولادت کے متعلق مصر کے مشہور ہیئت دان عالم محمود پاشا فلکی نے ایک رسالہ لکھا ہے جس میں انہوں نے دلائل ریاضی سے ثابت کیا ہے کہ آپ کی ولادت ۹ ربیع الاوّل روز دوشنبہ مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء میں ہوئی تھی۔ آپ کا نام محمدؐ رکھا گیا اور عام طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ عبدالمطلب نے یہ نام رکھا تھا۔

خسروؒ

نمی دانم چہ منزل بود شب جائے کہ من بودم
بہر سو رقص بسمل بود شب جائے کہ من بودم

پری پیکر نگارے، سرو قدے، لالہ رخسارے
سراپا آفتِ دل بود شب جائے کہ من بودم

رقیباں گوش بر آواز، او در ناز و من ترساں
سخن گفتن چہ مشکل بود شب جائے کہ من بودم

مرا از آتشِ عشق تو دامن سوخت اے خسرو
محمدؐ شمعِ محفل بود شب جائے کہ من بودم

قدسی

مرحبا سیدِ مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

منِ بیدل بجمالِ تو عجب حیرانم
اللہ اللہ، چہ جمالست بدیں بوالعجبی

چشمِ رحمت بکشا سوئے من انداز نظر
اے قریشی لقب و ہاشمی و مطلبی

نسبتے نیست بذات تو بنی آدم را
بہتر از آدم و عالم تو چہ عالی نسبی

ما ہمہ تشنہ لبانیم و توئی آبحیات
رحم فرما کہ ز حد می گذرد تشنہ لبی

نسبتِ خود بہ سگت کردم و بس منفعلم
زاں کہ نسبت بسگِ کوئے تو شد بے ادبی

عاصیانیم ز ما نیکی اعمال مپرس
سوئے ما روئے شفاعت بکن از بے سببی

سیدی انت حبیبی و طبیبِ قلبی
آمدہ سوئے تو قدسی پئے درماں طلبی

فیضی

آں مرکزِ دورِ ہفت جدول
گرداب نشینِ موجِ اوّل
چابک قدم بساطِ افلاک
والا گہرِ محیطِ لولاک
قدرش بزمانہ ماہ و اکلیل
نورش بہ فلک چراغ و قندیل
با شرع و کتاب، نورِ ساطع
با تیغ و زباں دلیلِ قاطع
خاکی و بر اوجِ عرش منزل
امّی و کتاب خانہ در دل
ہم مطلعِ اوّل سباعی
ہم مصرعِ آخرِ رباعی
یک نور و دو کون روشنائی
یک گوہر و صد جہاں روائی
اے شادر وانِ عشرتِ او
شاداب زبحرِ فطرتِ او
ظلمت ز بساطِ قربِ شاں دور
درخانہ ہزار شمع و یک نور
رضوان فدائے بر صحابہ
گنجینہ کشائے نہ خرابہ
ماندند بہ پیش گاہِ ایام
بر دوش و فالوائے اسلام
ہمدست جنود کبریا را
بردند بر آسماں لوا را
دینش بہ فروغ بخت بنگر
دیں روز فزوں درخت بنگر

شیخ غلام قادر گرامی (مرحوم)

بگیرم دامن آں سیّد لولاک در محشر
کہ محشر برنتابد تاب حسنِ بے حجابش را

شبے در خانۂ زیں آں امامِ انبیا آمد
قضا گیرد عنانش را قدر گیرد رکابش را

قضا گیرد قدر گیرد ازل گیرد ابد گیرد
رکابش را عنانش را عنانش را رکابش را

سوارِ برق شد ماہے فلک آمد عناں گیرش
رکابش بوسہ بر پا زد ملک بوسد رکابش را

گرامی در قیامت آں نگاہ مغفرت خواہد
کہ در آغوش گیرد جرم ہائے بے حسابش را

غالب

پرتوِ مہر

(ترجمہ: عاصمہ حسین)

حق جلوہ گر ز طرزِ بیان محمدؐ ست
آرے کلامِ حق بہ زبانِ محمدؐ ست
آئینہ دار پرتوِ مہرست ماہتاب
شانِ حق آشکار ز شانِ محمدؐ ست
تیرِ قضا ہر آئینہ در ترکشِ حق ست
امّا کشادِ آں ز کمانِ محمدؐ ست
دانی اگر بہ معنیٔ لولاک وارسی
خود ہر چہ از حق ست از آں محمدؐ ست
ہر کس قسم بدانچہ عزیز ست می خورد
سوگندِ کردگار بجانِ محمدؐ ست
واعظ حدیث سایۂ طوبے فرو گذار
کاینجا سخن ز سرو روانِ محمدؐ ست
بنگر دو نیمہ گشتنِ ماہِ تمام را
کاں نیمہ جنبشے ز بنانِ محمدؐ ست
غالبؔ ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمدؐ ست

حق جلوہ گر نبی کے ہے طرزِ بیان سے
بیشک کلام حق ہے انہی کی زبان سے
آئینہ دار پرتو خورشید ماہتاب
شانِ حق آشکار محمدؐ کی شان سے
تیر قضا تو ترکش حق ہی میں ہے مگر
اس کی کشاد ہے تو نبیؐ کی کمان سے
گر کوئی سمجھے معنیٔ لولاک، جان لے
سب کچھ خدا کا بہر نبیؐ ہے قرآن سے
کھاتا ہے ہر کوئی قسم اپنے عزیز کی
سوگندِ کردگار محمدؐ کی جان سے
واعظ حدیث سایۂ طوبیٰ کہاں تلک
یاں بات اور سرو کی ہے آن بان سے
دیکھو دو نیم ہونا وہ ماہِ تمام کا
وہ نیم جنبش ایک نبی کے بنان سے (انگلی)
غالبؔ ثنائے خواجہ کو یزداں پہ چھوڑیئے
آگاہ بس وہی ہے محمدؐ کی شان سے

"اُمّیٔ پاک از ہویٰ"

(اقبالؒ)

در دلِ مسلم مقامِ مصطفیٰؐ است
آبروئے ما ز نامِ مصطفیٰؐ است
طور موجے از غبارِ خانہ اش
کعبہ را بیت الحرم کاشانہ اش
کمتر از آنے ز اوقاتش ابد
کاسبِ افزایش از ذاتش ابد
بوریا ممنونِ خوابِ راحتش
تاجِ کسریٰ زیرِ پائے امتش
در شبستانِ حرا خلوت گزید
قوم و آئین و حکومت آفرید
ماند شبہا چشمِ او محرومِ نوم
تا بہ تختِ خسروی خوابیدہ قوم
وقتِ ہیجا تیغِ او آہن گداز
دیدۂ او اشکبار اندر نماز
در دعائے نصرت آمیں تیغِ او
قاطعِ نسلِ سلاطیں تیغِ او
در جہاں آئینِ نو آغاز کرد
مسندِ اقوامِ پیشیں در نورد
از کلیدِ دیں درِ دنیا کشاد
ہمچو او بطنِ امِ گیتی نزاد
در نگاہِ او یکے بالا و پست
با غلامِ خویش بر یک خواں نشست

★

روزِ محشر اعتبارِ ماست او
در جہاں ہم پردہ دارِ ماست او
لطف و قہرِ او سراپا رحمتے
آں بیاراں ایں باعدا رحمتے
آں کہ بر اعدا درِ رحمت کشاد
مکہ را پیغامِ لاتثریب داد

امتیازاتِ نسب را پاک سوخت
آتشِ او ایں خس و خاشاک سوخت

نسخۂ کونین را دیباچہ اوست
جملہ عالم بندگان و خواجہ اوست

اُمّیٔ پاک از ہویٰ گفتارِ او
شرحِ رمزِ ما غویٰ گفتارِ او
تا بدست آورد نبضِ کائنات
وانمود اسرارِ تقویمِ حیات
از قبائے لالہ ہائے ایں چمن
پاک شست آلودگیہائے کہن
در جہاں وابستۂ دینش حیات
نیست ممکن جز بآئینش حیات
اے کہ می داری کتابش در بغل
تیز تر نہ پا بہ میدانِ عمل

سلام بہ درگاہِ خیر الانام

ابوالاثر حفیظ

سلام اے آمنہؓ کے لال اے محبوبِ سبحانی
سلام اے فخرِ موجودات فخرِ نوعِ انسانی

سلام اے ظلِّ رحمانی سلام اے نورِ یزدانی
ترا نقشِ قدم ہے زندگی کی لوحِ پیشانی

سلام اے سرِّ وحدت اے سراجِ بزمِ ایمانی
زہے یہ عزّت افزائی، زہے تشریف ارزانی

ترے آنے سے رونق آگئی گلزارِ ہستی میں
شریکِ حالِ قسمت ہوگیا پھر فضلِ ربّانی

سلام اے صاحبِ خلقِ عظیم، انساں کو سکھلا دے
یہی اعمالِ پاکیزہ یہی اشغالِ روحانی

تری صورت، تری سیرت، ترا نقشہ، ترا جلوہ
تبسّم، گفتگو، بندہ نوازی، خندہ پیشانی

اگرچہ فقر و فخری رتبہ ہے تیری قناعت کا
مگر قدموں تلے ہے فرِّ کسرائی و خاقانی

زمانہ منتظر ہے اب نئی شیرازہ بندی کا
بہت کچھ ہو چکی اجزائے ہستی کی پریشانی

زمیں کا گوشہ گوشہ نور سے معمور ہو جائے
ترے پرتو سے مل جائے ہر اک ذرّے کو تابانی

حفیظ بے نوا بھی ہے گدائے کوچۂ الفت
عقیدت کی جبیں تیری مروّت سے ہے نورانی

ترا در ہو مرا سر ہو، مرا دل ہو ترا گھر ہو
تمنّا مختصر سی ہے مگر تمہید طولانی

سلام، اے آتشیں زنجیرِ باطل توڑنے والے!
سلام، اے خاک کے ٹوٹے ہوئے دل جوڑنے والے!

ہفت پیکر:

خورشیدِ تازہ

جعفر طاہر

صبح، اور وہ بھی خورشیدِ تازہ! آفتابِ رسالت خاصۂ خاصانِ رسل کے افقِ عرب پہ طلوع ہونے کی صبحِ درخشاں!

جواں سال جعفر طاہر۔ اس کی شعلہ نوائیوں سے کون واقف نہیں؟ — نے اپنے شاہکار "ہفت پیکر" میں (جس پر امسال آدمجی ادبی انعام بھی عطا ہوا ہے) اس کی بڑی آب و تاب سے عکاسی کی ہے۔ جس کی چند جھلکیاں تسکینِ ذوق کے لئے ذیل میں پیش کی جاتی ہیں۔ (ادارہ)

ڈھلنے لگی ہے شامِ فسونگر\
اے قلبِ مضطر اے قلبِ مضطر\
ڈوبے وہ ڈوبے گردوں پہ تارے\
چھپنے لگے ہیں وہ ماہ و اختر\
بجھنے لگی ہیں تاروں کی شمعیں\
سر در گریباں بیٹھا ہے آذر\
ہونے لگا ہے اب تو سویرا\
ابھرا وہ ابھرا مہرِ منور\
فاراں کا ماتھا چمکا وہ چمکا\
بدلا وہ بدلا صحرا کا منظر\
خورشیدِ تازہ، صبحِ درخشاں\
دیکھو تو یاراں نیرو نے نیر\
اس کی ضیائیں صحرا بہ صحرا\
اس کی تجلی کشور بہ کشور\
اس مہر کی ہیں پرنور کرنیں\
صدیقؓ و فاروقؓ عثمانؓ و حیدرؓ\
اس کی شعاعیں مقدادؓ و سلمانؓ\
اس کی ضیائیں عمارؓ و بوذرؓ\
آؤ سنو تو آؤ سنو تو\
بانگِ بلالی اللہ اکبر

حرفِ گزارش اب تو یہی ہے
اے ظلِ باری اے ظلِ داور
دن زندگی کے گزرے سو گزرے
کوئی شکایت، شکوہ نہ محشر
یہ بخت میرا یہ میری قسمت
تیری حضوری شادیٔ دیگر
حسان و محسن، جامی و قدسی
کتنے سخنور کتنے ثنا گر
تیرے جلو میں جب ہوں روانہ
محفل جمائیں بر حوضِ کوثر
یہ حکم دیں آپ روح الامیں کو
لاؤ کہاں ہے طاہر وہ جعفر
آ کر پڑھے تو اپنا قصیدہ
ہم بھی سنیں تو شعرِ قلندر

نئی سحر کی تجلیاں ریگ زارِ بطحا پہ لہلہائیں
دیارِ وحشت کے رہنے والوں پہ رحمتیں کھل کے مسکرائیں
یتیم بچے کے عزم دانش رسا نے کیا انقلاب برپا
وہ ظلمتوں کے حصار ٹوٹے گریں فصیلیں ستم کی صدیا

نہ لعل و فیل و فرس، نہ کوس و نفیر و تاج و کلاہ و پرچم
نہ ہم نشینے نہ ہمزبانے نہ رازدارے نہ یار و محرم
وہ بے سہارا کہ جس کی یہ آرزو کہ عالم کو دے سہارا
بلندیوں پر چمک اٹھے آدمی کی تقدیر کا ستارا

جو چاہتا تھا کوئی بشر بھی ذلیل و رسوا نہ ہو جہاں میں
جو سوچتا تھا کہ زندگی کا رگِ رہ و پہنائے کن فکاں میں
یہ کرمکِ نیم سوختہ قدسیوں سے بڑھ کر نظر ملائیں
بشر کے پاؤں پہ مہر و مہ کیا ہیں عرش و کرسی بھی سر جھکائیں

شبوں کو اٹھ اٹھ کے سوچتا تھا کہ آبروئے بشر بچا لے
اجل گزیدوں کو جس طرح بھی ہو ہر دامِ آفات سے چھڑا لے

یہ آرزو ہے محال کوئی بشر کسی چیز کو نہ ترسے
نئے افق سے جو ابرِ نیساں اٹھے تو سارے جہاں پہ برسے

سموم و صرصر کو راس آتی نہیں دلآویزیٔ بہاراں
حصارِ شب کی تو آرزو ہے نہ ہو ظہورِ سحر سواراں
مگر مشیت یہ چاہتی ہے کہ دور دنیا سے ہو اندھیرا
کراں کراں لہلہا اٹھے اک نیا نرالا سجل سویرا

ہجومِ اعدا یہ گرگ بندی یہ ایک معصوم اک طرف ہے
جو سیلِ ظلمات صف بہ صف ہے تو ماہِ بطحا بھی سر بکف ہے
ہزارہا مشکلوں میں تنہا گھرا ہوا اک یتیم دیکھو
یہ اس کا ماحول اس کے حالات اس کا عزمِ صمیم دیکھو

نہ ذلتوں کی سیاہیاں ہیں نہ آفتوں کے زبوں اندھیرے
عرب تو کیا دو جہاں کی آغوش میں اترنے لگے سویرے
خدا کا دنیا کی سمت پیغامِ آخری اور دلنشیں بھی
ہر ایک آواز جو زمانوں کی ترجماں دہر آفریں بھی

یہ بزم جس میں تمیزِ شاہ و گدا نہیں ما و تو نہیں ہے
یہاں پہ نام و نسب کی اور ملک و قوم کی گفتگو نہیں ہے
یہاں سفید و سیاہ کچھ اس طرح ملے ایک ہو گئے ہیں
وہ قہرمانانِ تلخ پیشہ وہ ننگِ دیں نیک ہو گئے ہیں

حقاً حقاً حقاً حقاً
صدقاً صدقاً صدقاً صدقاً
حمداً حمداً حمداً حمداً

سبحان الصمد المعبود
سبحان الملک المقصود
سبحان الحق المسجود
انک رب العرش الاعلیٰ
حقاً حقاً حقاً حقاً
صدقاً صدقاً صدقاً صدقاً
حمداً حمداً حمداً حمداً

آفتابِ صحرا

قاضی نذرالاسلام

مترجمہ: یونس احمر

اسلام کے ساتھ جو والہانہ عشق قاضی نذرالاسلام کو ہے وہ تمام مشرقی پاکستان کا آئینہ دار ہے، اسی لئے اس جوالامکھی کی آتش فشانی جذبۂ اسلامی کو بیدار کرکے ان رجحانات کو بروئے کار لائی جو بالآخر قیام پاکستان کا باعث ہوئے۔

نذرالاسلام کی کتاب "آفتاب صحرا" جس کی خفیف سی جھلک ذیل میں پیش کی جارہی ہے۔ تمام و کمال اس آفتاب عالمتاب کی شانِ جلال وجمال کی مظہر ہے جس کے سامنے تجلیات کون ومکان ازل تا ابد سر نیاز خم کئے ہوئے ہیں۔ (ادارہ)

اے صبح صادق کے پنچھی، اے طائرِ خوش الحان،
اے شاعرِ روز و شب، خوابِ گراں سے بیدار ہو جا۔
دیکھ کہ بحرِ احمر کی مضطرب موجوں سے عرب کا آفتاب زرفشاں طلوع ہو رہا ہے۔
تو بھی بہ اندازِ نو اُٹھ اور سُن۔
عمیق تاریکی کا سینہ چاک کرکے بلند مینارہ سے مؤذن کی صدائے اللہ اکبر بہتی ہوئی چلی آرہی ہے۔
اس آواز کو سن کر نظامِ کائنات کے پاؤں کانپ رہے ہیں۔
سُن "خیرٌ مِّنَ النّوم" نے کیا سحر پھونک ڈالا ہے۔
کچھ دیر پہلے تک آسمان کی آغوش میں چاند، سورج اور ستارے نورافشاں تھے،
سمندر اپنی لہروں کا پاؤں پکڑ کر ناچ رہا تھا۔
اور عطر بیز ہواؤں کی نرم و نازک رفتار سے مس ہو کر غنچے پھوٹ رہے تھے۔
لیکن اذان کی مترنم آواز سن کر محفل رقص و سرود میں سناٹا چھا گیا۔
اب کائنات کے گوشے گوشے میں طیور کے نغمہ ہائے دلرس نے جادو جگا دیا ہے۔
فرش سے عرش تک مینارۂ نور نے آنکھیں خیرہ کر دی ہیں۔
سرزمین عرب، فضائے بسیط سے بہہ کر آنے والی مترنم آواز "دین دین" میں غرق ہو گئی۔
مینار کعبہ سے ایک بار پھر مؤذن نے پکارا ہے۔

اُٹھ اور دیکھ کہ مغرب میں بحرِ احمر کی خون آلود سرخ موجیں جھلمل جھلمل کر رہی ہیں۔

ایران کی سرمست و سرشار ندی بھی خاکِ عرب کو سلام کرنے کے لئے جانبِ مشرق رواں دواں ہے
جنوب میں بحرِ ہند کے تھپیڑوں نے گانا شروع کر دیا ہے :
" دیکھ عرب میں طلوعِ آفتابِ نو "
اور شمال میں صحرائے اعظم کی خاک جوشِ مستی میں نوا سنج ہے :
" اٹھ جاگ اور امرت کا پیالہ نوش جاں کر "
گرم ہوائیں کھجور کے پتوں سے مس ہو کر سارنگی بجا رہی ہیں
اور ریت کے ذرّے آسمان سے باتیں کر رہے ہیں ۔
فرطِ طرب سے نارنگی، سیب اور انگور شاخوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے ہیں ۔
اسپِ تازی کے پاؤں زمین پر نہیں ٹھہرتے ۔
وہ آسمان سے باتیں کرنے کے لئے بے چین ہے ۔
صحرا کی دوشیزائیں اونٹنیوں پر سوار آبِ زمزم سے تشنگی بجھانے بھاگی جا رہی ہیں ۔
ریگ زار نے آج واقعی سمندر کا روپ دھار لیا ہے ۔
پرانا سورج اس دن لاج کے مارے طلوع نہ ہوا
کیونکہ آفتابِ نو کی خیرہ کن روشنی نے ذرّہ ذرّہ کو ڈھانپ لیا ہے ۔
بدو دوشیزائیں آنکھوں میں سرمہ لگائے اور ہاتھوں میں خرما لئے رقص کر رہی ہیں ۔

ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اماوس کی رات میں ہلال نکل آیا ہے ۔
ساری کدورتیں دھل گئی ہیں اور محبّت و وارفتگی کا چراغ جل رہا ہے
یہ دن کتنا عظیم ہے !
صرف عرب اور ایشیا کے لئے نہیں، ساری کائنات کے لئے ۔
آج خاک میں جو نور دمک رہا ہے وہ نورِ فردوس سے بھی زیادہ تابدار ہے ۔
زمین پر کنول مسکرا رہے ہیں
اور کبوتر سے کی آواز سے فضا جھوم رہی ہے
" محمدؐ آگئے ، محمدؐ آگئے ! "
زمین نے اس دن ایک نیا نام سنا :
محمدؐ ــــ محمدؐ !
ایک نئے چہرے کو دیکھ کر سب ششدر رہ گئے ۔
یہودیوں اور عیسائیوں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں !
وہ سوچنے لگے ۔
کیا وہ عظیم انسان آگیا ہے
جس کی بشارت توریت اور انجیل نے دی تھی

جس کے قدموں کی چاپ عیسیٰؑ، موسیٰؑ اور داؤدؑ نے سنی تھی۔
کیا وہی حسین و جمیل انسان چپ چاپ ہولے ہولے آ گیا ہے
جیسے مشرق سے آہستہ آہستہ سورج اور بدرِ کامل طلوع ہوتے ہیں؟

شمس و قمر کے خرامِ ناز کی زمین کو اطلاع تک نہیں ہوتی۔
وہ خواب کی دبیز چادر میں لپٹی رہتی ہے
اور جب چاروں طرف نور کا سیلاب امڈ پڑتا ہے تو صبح نو خمار آلود آنکھیں مل کر جاگ پڑتی ہے۔
اس طرح آج بھی روشنی کا ایک فوارہ چھوٹا
اور طیور یکبارگی نغمہ سنج ہو گئے۔
یہ صحرا جس کے خوابِ گراں میں نہ جانے کتنے جگ بیت گئے تھے
آج اُس کی گود میں بہار مسکرا رہی ہے
اور چاروں طرف جشن منایا جا رہا ہے۔
کائنات نے جو نام کبھی نہیں سنا تھا
آج اس نامِ نامی کو سن کر وہ جھوم اٹھی ہے۔
اس نام میں کیسی مٹھاس، کیسا رس، کیسی کشش ہے!
تاریکی کی چادر میں لپٹی ہوئی دنیا نے جب سورج کو طلوع ہوتے دیکھا تھا
تو اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی ہوں گی۔

اور آج اس آفتابِ نو کو طلوع ہوتا ہوا دیکھ کر دنیا کی وہی کیفیت ہوئی۔
کیسا روپ ہے، کیسا رنگ ہے!
خوشی میں شادیانے بجنے لگے،
درختوں میں پھول کھل اٹھے،
شاخیں جھومنے لگیں
اور گلبن نے یہ آواز بلند کی:
"اے ندیو! پہاڑوں کو کاٹ کر آؤ۔
اے سمندر رو ناچو کہ وہ عظیم روشنی آ گئی،
مسرت و شادمانی لے کر، نشاط و اہتزاز کے ساتھ"
بوئے گل، نغمۂ بلبل اور بادِ صبا نے
پہلی بار دنیا کو یہ مژدہ سنایا:
"دیکھو اندھیرے کو چیر کر آفتاب نو طلوع ہو گیا ہے۔
وہ دیکھو ــــــ محمدؐ، محمدؐ!"

(نذرالاسلام کی کتاب "آفتاب صحرا" سے)

الوداع

(حجاز کی مقدس سرزمین سے رخصت ہوتے ہوئے)

ماہر القادری

مکہ مکرمہ سے

الوداع اے عرب کی پاک زمیں — تیرے ذرے ہیں رفعتوں کے مکیں
الوداع اے جہانِ ذکر و صلوٰۃ — الوداع اے مقامِ عفو و نجات
الوداع ارضِ بے زراعت و کشت — الوداع اے نگاہ و دل کی بہشت
الوداع اے فضائے کیف و سرور — الوداع اے ہوائے دامنِ نور
رخصت اے بوقبیس و کوہِ صفا — رخصت اے غارِ ثور و حرا
الفراق اے مقامِ ابراہیمؑ — الوداع اے مطاف و رکن و حطیم
الوداع اے کبوترانِ حرم — ہم نشینانِ خاصگانِ حرم
الوداع اے جوارِ بیت اللہ — بیکسوں، غمزدوں کی جائے پناہ
چاہِ زمزم ہے یا خدا کی سبیل — رخصت اے یادگارِ اسمٰعیلؑ

مدینہ منورہ سے

تجھ کو ہر دم حضورِ حق ہے نصیب — بارک اللہ اے دیارِ حبیبؐ
تیری مٹی میں ہے وفا کا خمیر — رخصت اے سرزمینِ پاک ضمیر
رخصت اے روضۂ نبیؐ کریم — رخصت اے حجلۂ رؤف و رحیم
رخصت اے جلوہ گاہِ قدس جناب — رخصت اے بارگاہِ وحی و کتاب
رخصت اے جالیوں کے نظارے — رخصت اے رحمتوں کے گہوارے
رخصت اے قبرِ حضرتِ صدیقؓ — تجھ پہ رحمت ہو اے نبیؐ کے رفیق
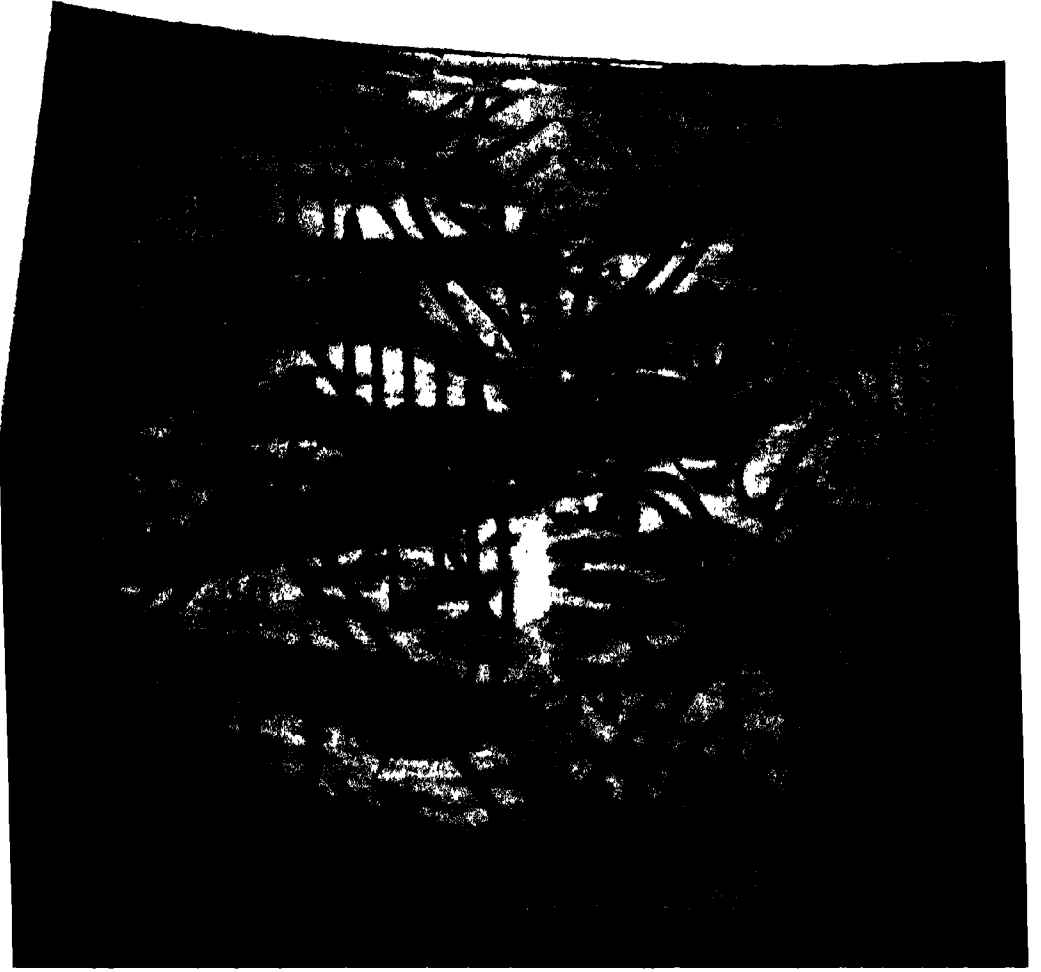
''نقطۂ جاذب تاثر کی شعاعوں کا ہے تو''

غلاف کعبہ، جس کے بنانے کی سعادت اہل پاکستان کے نصیب میں آئی:

''چن لیا تقدیر نے وہ دل کہ تھا محرم ترا''

رخصت اے مرقدِ جناب عمرؓ | تیرے ذرے نشانِ فتح و ظفر
رخصت اے منبرِ رسولِ خدا | رخصت اے مرکزِ پیامِ ہدیٰ
اللہ اللہ مسجدِ نبوی | رخصت اے سجدہ گاہِ مصطفویؐ
رخصت اے ارضِ قبلتین و قبا | رخصت اے خندق و اُحد کی فضا
کپکپانے لگی مری آواز | رخصت اے قبرِ حمزۂ جانباز
الوداع الفراق خلدِ بقیعؓ | ذرہ ذرہ ترا وجیہہ و وقیع
کتنے شمس و قمر ہیں تجھ میں نہاں | سنگریزے ترے ہیں کاہکشاں
کچھ شہیدانِ سینہ چاک بھی ہیں | اہلِ بیتِ رسولِ پاک بھی ہیں
شہ لولاک کی بنات بھی ہیں | اور ازواجِ طاہرات بھی ہیں
رخصت آرام گاہِ ذی النورین | رخصت اے فاتحانِ بدر و حنین
اے شکستہ مزارِ پاک بتولؓ | تجھ پہ قربان رحمتوں کے پھول
اب بھی ہیں بیقرار تیرے لئے | کتنے آنسو مری عقیدت کے
الوداع اے حدودِ ملکِ حجاز | رخصت اے قبلہ گاہِ اہلِ نیاز!
تیری مٹی نہیں دفینہ ہے | صدق اخلاص کا خزینہ ہے
تو زمیں پر خدا کی آیت ہے | شام بھی تیری صبحِ جنت ہے
شانِ حق کا ظہور کیا کہنا | تیری راتوں کا نور کیا کہنا
اے عناں گیرِ گردشِ ایام | تیری شام و سحر کو میرا سلام
سوئے خود ہیں بہ سوئے من منگر | میری کوتاہیوں سے صرف نظر
اب بھی باقی ہے میرے دل میں خلش | اے کہ تو ہے حیاتِ جذب و کشش

پھر مرے سامنے یہ منظر ہو
پھر مجھے حاضری میسّر ہو

ل مدینہ منورہ کا مشہور قبرستان

چارۂ درد کائنات

علی اختر حیدر آبادی مرحوم

سینۂ بحر میں ہنوز موج نہ تھی سبک خرام
خاک کے اس کرے میں تھا نقشِ حیات ناتمام
محفلِ کائنات کی آنکھ ابھی کھلی نہ تھی
شانے ہلا رہا تھا گو بادِ سحر کا اہتمام
روحوں میں تشنگی سی تھی بزم تھی گرمِ جستجو
میکدہ تھا نہ اہلِ راز، مے تھی کہیں نہ دورِ جام
عارضِ صبح میں نہ تھیں حسن کی یہ لطافتیں
ایسی نشاط آفریں تھی نہ ابھی جبینِ شام
خاکِ عرب ترے نثار، دونوں جہاں کی نعمتیں
تو نے کچھ اور کر دیا بزمِ حیات کا نظام
ارض و سما کے رازِ خلق، کون و مکاں کے بادشاہ
تجھ پہ درودِ بے شمار، تجھ پہ ہزار ہا سلام
اے تری ذاتِ خوش صفات چارۂ دردِ کائنات
اے ترے نامِ پاک سے زخمِ دروں کا التیام
سیدِ افضل الکرام، جان و جہاں ترے نثار
سرورِ صاحب الجمال، دیدہ و دل ترے مقام
بزمِ نشاط و نور میں شمس و قمر ترے مطیع
عرصۂ آب و خاک پر قیصر و جم ترے غلام
تیرا نشانِ مکرمت ذرّوں کو مہر طلعتی
تیری ادائے مرحمت ماہِ مبیں کا فیضِ عام
دہر کے خاکداں کو تھی جس کی ازل سے جستجو
تو نے ہمیں عطا کیا عیشِ ابد کا وہ مقام
جن کو ملی تھیں سیرتیں طائرِ زیرِ دام کی
تو نے انہیں کو بخش دی فطرتِ طائرانِ بام

اپنے کرم کا واسطہ، اپنی عطا کا واسطہ
صرفِ کشاکشِ حیات آج ہیں پھر ترے غلام
جادۂ زندگی میں ہیں پھر وہی پیچ و خم عیاں
عرصۂ کائنات ہے غرقِ فریبِ ننگ و نام
علم کی نارسی ہے پھر دعوتِ حق سے بے نیاز
حد سے گزر رہا ہے پھر عقل کا ہر جنونِ خام
اہلِ نظر ہیں اور وہی باطل و جہل کا ہجوم
اہلِ یقیں ہیں اور وہی مکر و ریا کا اژدہام
اے تری ہستیٔ بلند، جرم و خطا کی پردہ پوش
اے تری دعوتِ کرم امن و اماں کا اذنِ عام
اے تری شانِ لطف ہے بخششِ خاص کی نوید
اے تری ذاتِ پاک ہے رحمتِ عام کا پیام
جو تری راہ میں چلیں، جو ترے نام پر مٹیں
اُن کی شبوں کو ہو عطا صبح کا حسنِ شادکام
اُن کے دلوں کو بخش دے سوزِ نہاں کی لذّتیں
ان کی نظر پہ کھول دے رازِ حقیقتِ دوام
جس سے ہوئی ہے گل فروش، موجِ نسیمِ نوبہار
ان کے نفس کو دے وہی ولولۂ رم و خرام
گردشِ روزگار کا کھا نہ سکیں کبھی فریب
دام ہوں ان کے ہاتھ میں اور یہ جہاں اسیرِ دام
ان کے حریم روح میں شمع بنے ترا جمال
ان کی بساطِ قلب پر نقش رہے ترا پیام
ان کی ہر اک امید کا ہو تری ذات آسرا
تشنۂ التفاتِ غیر ہوں نہ کبھی ترے غلام
حشر میں تیرے سامنے آئیں یہ ایسی شان سے
ان کے لبوں پہ ہو درود، ان کی زباں پہ ہو سلام
خاکِ رہِ نیاز میں مرتبۂ امتیاز دے
حوصلۂ بلند دے، ہستیٔ سرفراز دے

عارفِ اسرار

صہبا اختر

میں ابنِ آدم ہوں یا کہ آدمؑ خبر نہیں ہے
ہوں کب سے عالم فروزِ عالم خبر نہیں ہے
میں کب سے ہوں خاک سے مجسّم خبر نہیں ہے

نہ جانے زندانیِ شبستانِ جاں ہوں کب سے
نہ جانے زنجیریِ ہوائے جہاں ہوں کب سے
نہ جانے میں اپنے اس سفر پہ رواں ہوں کب سے

وجود محسوس کر رہا ہوں، عدم کہاں ہے
مسافتِ اولیں کا دیرینہ ارم کہاں ہے
وہ میرا پہلا سفر وہ پہلا قدم کہاں ہے

میں اک غبارِ تلاش بن کر بکھر رہا ہوں
میں قرنہا قرن کی تہوں سے گذر رہا ہوں
شعور بن کر میں اپنے اندر اتر رہا ہوں

یہ آب و گِل کا حصار کس جرم کا صلا تھا
میں پھول ہوں تو ریاضِ ہستی میں کب کھلا تھا
میں سوچتا ہوں میں اپنے خالق سے کب ملا تھا

میں اپنے خالق سے کب ملا تھا، کہاں ملا تھا
یہ نطقِ معجز نمائے حرف و زباں ملا تھا
مجھے کہاں پہلی بار اذنِ بیاں ملا تھا

مجھے تو کچھ یاد بھی نہیں ہے میں کیسے سمجھوں
نہ جانے کب سے مثالِ یک حیرتیِ افسوں
میں اپنے فردوسِ گم شدہ کی تلاش میں ہوں

غلافِ تاریکیوں کے ادراک پر پڑے ہیں
وہ کوہ در کوہ دشتِ ظلمت کے سلسلے میں
جو میرے ماضی کے اور مرے درمیاں کھڑے ہیں

میں کیسے لوٹوں کروڑوں صدیوں کا بار اٹھائے
مگر جہاں تک بھی یادداشت اب دیئے جلائے
وہیں کہیں روشنی بھی ہوگی، جہاں ہیں سائے

تو ہاں مجھے دھیرے دھیرے کچھ یاد آ رہا ہے
غلافِ تاریکیوں کے کوئی اٹھا رہا ہے
کوئی مرے ذہن میں اجالے جگا رہا ہے

خیال کا اک طویل صحرا سمٹ رہا ہے
اجالا تیزی سے تیرگی پہ لپٹ رہا ہے
کتابِ ہستی کے کوئی اوراق الٹ رہا ہے

میں آئینہ خانۂ خیالات میں کھڑا ہوں
میں جذب و عرفان و وحی و آیات میں کھڑا ہوں
جو خود کو دھرائیں ان حکایات میں کھڑا ہوں

میں ڈوبتا جا رہا رہوں سیلابِ نغمہ زن میں
میں اپنی تاریخ کے صنم خانۂ کہن میں
تلاش ماضی کی کر رہا ہوں کرن کرن میں

میں جس دریچے میں جھانکتا ہوں وہ روشنی ہے
میں جس طرف دیکھتا ہوں اک رقصِ زندگی ہے
فضاؤں میں نغمہ کار اک سازِ سرمدی ہے

ہر ایک نغمہ بجائے خود ایک داستاں ہے
نجوم اندر نجوم یادوں کا آسماں ہے
زمین تاریخ کے پروں پر رواں دواں ہے

مگر یہ کیا ہو گیا یہ نغمے ٹھہر گئے کیوں
چراغ جل جل کے طاقِ نسیاں پہ بجھ چلے کیوں
حجاب ادراک کے دریچوں پہ گر پڑے کیوں

یہی مقامِ فراق تھا روشنی کا شاید
یہی تھا آغاز میری تیرہ شبی کا شاید
سفر ہی مقسوم تھا مری گمرہی کا شاید

میں جس کے بعد ایک عمر تاریکیوں میں بھٹکا
میں روشنی کی تلاش میں ہر افق سے گذرا
مگر ہر اک موڑ پر اندھیرا، وہی اندھیرا

میں دجلہ و نیل و بابل و نینوا سے گذرا
کبھی درختوں کبھی چٹانوں سے میں نے پوچھا
تمہیں بتاؤ اگر تمہیں کچھ پتہ ہو اس کا

وہی اداسی، وہی خموشی، وہی سیاہی
مری صدا دیر تک فضاؤں میں کپکپائی
پھر ایک نا فہم گونج کانوں میں لوٹ آئی

میں خود کو ان پستیوں سے کس زور پر ابھاروں
فضائے ظلمت نژاد کو کس طرح نکھاروں
اگر پکاروں، تو اس کو کس نام سے پکاروں

میں سامیوں میں گیا تو میری نظر نے دیکھا
کہیں وہ ایل اور کہیں الوہ اور کہیں الٰہا
سمیریوں میں کہیں وہ انؔ لِل کہیں انو تھا

کہیں وہ "شمس" اور کہیں فقط "نالغار" نکلا
وہ کالدیوں کے ذہن کا اک غبار نکلا
وہاں سے بھی میں اسی طرح بیقرار نکلا

جو بعل کنعانیوں نے کہہ کر اسے پکارا
تو اہلِ بابل نے صرف مردوک اس کو سمجھا
مگر مجھے جستجو تھی جس کی، کہیں نہیں تھا

یہود یت نے دیا اسے پیکرِ یہودا
کہا یہ قوم فریدۃ الدہر کا ہے دولھا
اور اس کی ہیکل کو معبدوں میں سجا کے رکھا

قدیم یونانیوں نے اس کو قیوس جانا
تو اہلِ روما نے لکھا "ڈے یوس" کا فسانہ
اسیرِ اصنام شب پرستاں رہا زمانہ

جو زردشت میں دے کے "یزتا" کا نام اس کو
بتایا زردشت نے شرارہ خرام اس کو
تو سمجھا ایراں نے آگ کا ہم مقام اس کو

اہورمزد اور اہورمزد ارفع ذات امجد
یہ صرف نیکی تو "انگرامے نیوش" پیکرِ بد
فضائے الحاد میں پریشاں غبار بے حد

"او پانی شد" کے جنم نے اس کو پکارا برہماں
وہ آتما اور کبھی پرم آتما ہیں خنداں
وہ سوریہ، اندر، یم، اگنی رنگ رنگ رقصاں

کہیں پہ بچھڑا کہیں پہ سانپ اور کہیں پہ گائے
ہر اک قبیلہ کسی صنم کو خدا بنائے
ہر ایک قربان گاہِ خونیں، لہو نہائے

ہر ایک معبد، ہر ایک مندر مقامِ شیطاں
زمین بارِ گرانِ اشراک سے پریشاں
جدھر گیا میرے خواب تھے تیرگی بداماں

ہر ایک معبد میں دیویوں کی حسین خلوت
ہر ایک مندر پجاریوں کی نظر میں جنت
نفس نفس میں کنواریوں کے لہو کی نکہت

ہر ایک شب کو بنامِ تخلیقِ صبح اسرار
جوان جسموں کی دیوتاؤں کو بھینٹ درکار
بخوابِ عشرت نہ جسم زندہ، نہ روح بیدار

جہاں نہ پہنچے چراغِ عشرت کے یہ اجالے
وہاں فقط خوف نے کئی بت تراش ڈالے
کہیں تھے عفریت اور کہیں ناگ ڈسنے والے

اٹھائے پھرتے تھے وہم جب تیرگی کا لاشہ
مجوسیوں نے فضا میں یہ دیکھ کر تماشہ
ہر اک ستارے کے نام پر اک صنم تراشا

سزا بہت مل چکی جب انسان کو سفر کی
خدا کی رحمت نے آخرِ کار پھر نظر کی
فضائے ظلمت نصیب کو پھر عطا سحر کی

تجلیوں کا حصول ہونے لگا فلک سے
طلوعِ بابِ قبول ہونے لگا فلک سے
پیمبروں کا نزول ہونے لگا فلک سے

کتاب اندر کتاب احکامِ حق سنائے
کہیں عصا اور کہیں خود اپنی صلیب اٹھائے
پیمبروں نے نجات کے راستے دکھائے

گناہ کے رد سکھا گئے آ کے پاک و طاہر
بتا گئے خدّ و خالِ نوریں، کئی مصوّر
بشارتِ نور دینے آئے کئی مبشّر

زمانہ جس کو بہت دنوں تیرگی میں ترسا
وہ ابرِ حق سے ہر ایک گوشے میں نور برسا
ہر ایک شامِ یقیں گزرنے لگی "سحر سا"

ورودِ انوار ہو رہا تھا نگیں نگیں پر
نقوشِ سجدہ چمک رہے تھے جبیں جبیں پر
خدا کی حجت تمام ہوتی رہی زمیں پر

ہزار توریت اور انجیل نے پکارا
رہے نگارانِ شرک ایجادِ محفل آرا
نہ بن سکی کوئی روشنی کفر کا سہارا

کبھی امڈ کر تجلیوں کے سحاب آئے
نہ پھر بھی جب راہ پر وہ خانہ خراب آئے
بشکلِ طوفانِ نوح پھر وہ عذاب آئے

کہ جن میں غرقاب ہو گئے سب گناہِ آدم
بہ وعدۂ لطفِ بیکراں و سکونِ پیہم
نگاہِ رحمت نے پھر رکھی اک بنائے عالم

سکوں ملتے ہی پھر وہی ظلم لوٹ آیا
چراغِ حق بارہا ظلمت میں جھلملایا
مگر بتدریج پھیلتا ہی گیا وہ سایہ

کہ اس سے پہلے بھی جس نے آنکھوں کا خوں کیا تھا
نجوم کہ جس نے نور سینوں کا پی لیا تھا
ہر اک ستارے کو زہرِ تیرہ شبی دیا تھا

دلوں میں موجود سارے اصنام لوٹ آئے
یقیں کی دنیا میں پھر وہ اوہام لوٹ آئے
جہانِ عصیاں کے تیرہ ایّام لوٹ آئے

دلوں میں سوئے ہوئے گناہوں کے بت جگا کر
غبارِ الحاد و شرک ہر گام پر اٹھا کر
خدا کے ہر برگزیدہ بندے کا خوں بہا کر

خدا سے بھاگے ہوئے سکوں کی تلاش میں تھے
گریزِ حق سے مگر فسوں کی تلاش میں تھے
کہ جیسے گرگانِ دشت خوں کی تلاش میں تھے

زمیں تاریکیوں کی وحشت میں دل گرفتہ
پکارتی تھی کوئی فرشتہ کوئی فرشتہ
کوئی پیمبر، کوئی صحیفہ کوئی نوشتہ

زمیں کی فریاد آسمانوں میں کپکپائی
صدائے حق زادگاں ستاروں میں تھرتھرائی
خدا کی رحمت بڑی محبت سے مسکرائی

الوہیت کی فضا میں چمکا خدا کا وعدہ
ربوبیت نے کیا نئے لطف کا ارادہ
ستارے اترنے لگے فضاؤں میں پُرکشادہ

فرازِ حق سے لئے نشاط و سرور برسا
سوادِ ثور و حرا پہ بارانِ نور برسا
بصد تبسّم جمالِ ربِّ غفور برسا

تجلّیِ لا الٰہ سے سیلِ نور پھوٹا
طلوعِ حق سے طلسمِ لات و منات ٹوٹا
سحر ہوئی تو زمانہ زندانِ شب سے چھوٹا

رموز و اسرارِ حق کا وہ رازدار سینہ
نزولِ قرآنِ پاک سے شعلہ کار سینہ
تمام انوارِ حسن سے ہمکنار سینہ

بقائے انسانیت کی خاطر دھڑک رہا تھا
نظر سے آبِ حیاتِ ایماں چھلک رہا تھا
زمانہ نورِ محمدی سے چمک رہا تھا

مسافرِ تشنہ لب سرِ آبشار پہنچا
میں بارگاہِ حضور میں بیقرار پہنچا
مثالِ پروانہ سوئے صد جلوہ زار پہنچا

مری نظر نے وہ آفتابِ بلند دیکھا
کہ جس کے سائے میں شب کو شعلہ پسند دیکھا
تمام انسانیت کو احسان مند دیکھا

ہجومِ ماہ و نجوم دیکھا کرن کرن میں
سحابِ کوثر بدوش برسا دمن دمن میں
صدائے توحید گونج اٹھی چمن چمن میں

میں کملی والے کے سائے میں اب رواں دواں ہوں
یقیں سے شاداب نسل در نسل بے گماں ہوں
مسافرِ حق ہوں، منزلِ حق کا رازداں ہوں!

سحابِ رحمت

(جستہ جستہ)

محسن کاکوروی (مرحوم)

سمت کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل
برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل

اوجِ رفعت کا قمر نخلِ دو عالم کا ثمر
بحرِ وحدت کا گہر چشمۂ کثرت کا کنول
مہرِ توحید کی ضو اوجِ شرف کا مہِ نو
شمعِ ایجاد کی لو بزمِ رسالت کا کنول
مرجعِ روحِ امیں زیب دہِ عرشِ بریں
حامیِ دینِ متیں ناسخِ ادیان و ملل
ہفت اقلیمِ ولایت میں شہِ عالی جاہ
چار اطرافِ ہدایت میں نبیٔ مرسل
جی میں آتا ہے لکھوں مصرعِ برجستہ اگر
وجد میں آ کے قلم ہاتھ سے جائے نہ نکل

مطلع

منتخب نسخۂ وحدت کا یہ تھا روزِ ازل
کہ نہ احمدؐ کا ہے ثانی نہ احد کا اوّل
دورِ خورشید کی بھی حشر میں ہو جائے گی صبح
تا ابد دورِ محمدؐ کا ہے روزِ اوّل
شبِ اسریٰ میں تجلّی سے رخِ انور کی
پڑ گئی گردنِ رفرف میں سنہری ہیکل
سجدۂ شکر میں ہے ناصیۂ عرشِ بریں
خاک سے پائے مقدس کی لگا کر صندل
افضلیت پہ تری مشتمل آثار و کتب
اولیت پہ تری متفق ادیان و ملل
لطف سے تیرے ہوئی شوکتِ ایماں محکم
قہر سے سلطنتِ کفر ہوئی مستاصل

جس طرف ہاتھ بڑھیں کفر کے ہٹ جائیں قدم
جس جگہ پاؤں رکھیں سجدہ کریں لات وہبل
تیری تشبیہ کا ہے آئینہ خانہ تنزیہہ
شانِ بیرنگیٔ مطلق ہے تجھے رنگِ محل
ہے حقیقت کو مجاز آپ کا حیرت کا مقام
بے نیازی کو نیاز آپ کا نازش کا محل
ہو سکا ہے کہیں محبوبِ خدا غیرِ خدا
اک ذرا دیکھ سمجھ کر مری چشمِ احوَل

کیا جھکا کعبے کی جانب کو ہے قبلہ بادل
سجدے کرتا ہے سوئے یثرب و بطحا بادل
بحرِ امکاں میں رسولِ عربی دُرِّ یتیم
رحمتِ خاصِ خداوندِ تعالیٰ بادل
تھا بندھا تار فرشتوں کا درِ اقدس پہ
شبِ معراج میں تھا عرشِ معلّٰی بادل

سب سے اعلیٰ تری سرکار ہے سب سے افضل
میرے ایمانِ مفصل کا یہی ہے مجمل
ہے تمنا کہ رہے نعت سے تیری خالی
نہ مرا شعر نہ قطعہ نہ قصیدہ نہ غزل
آرزو ہے کہ ترا دھیان رہے تا دمِ مرگ
شکل تیری نظر آئے مجھے جب آئے اجل
صفِ محشر میں ترے ساتھ ہو تیرا مداح
ہاتھ میں ہو یہی مستانہ قصیدہ یہ غزل
کہیں جبریل اشارے سے کہ ہاں "بسم اللہ"
سمتِ کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل

حجّتہ الوداع

غلام رسول مہرؔ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیّبہ کا آخری بڑا واقعہ حجتہ الوداع ہے۔ حج فرض ہونے کے بعد یہ حضور صلعم کا پہلا اور آخری حج تھا، اسی موقع پر دینِ قیم کی تکمیل ہوئی۔ حضور صلعم نے منیٰ اور عرفات میں جو خطبات ارشاد فرمائے، ان میں اسلامی تعلیمات کے متعلق بعض نہایت اہم بنیادی امور کا ذکر تھا۔ سب سے آخر میں یہ کہ حضور صلعم جس فرضِ نبوت کی بجا آوری کے لئے مبعوث ہوئے تھے، وہ ہر لحاظ سے پایۂ تکمیل پر پہنچ چکا تھا۔ رسالت کا اصل مقصد پورا ہو چکا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلعم نے حجتہ الوداع کے خطبات میں جو کچھ ارشاد فرمایا، اس نے طبعاً وصایا کی حیثیت اختیار کر لی تھی، یہی وجہ ہے کہ حجتہ الوداع کو سیرتِ طیّبہ میں خاص اہمیت حاصل ہے۔

حج ہجرت کے نویں سال فرض ہوا تھا۔ اسی سال حضور صلعم نے حضرت ابوبکرؓ کو امیر الحج بنا کر مکہ معظمہ بھیج دیا۔ پھر سورۂ براٗت کی چالیس آیتیں نازل ہوئیں تو حضرت علیؓ کو یہ آیتیں دے کر مکہ معظمہ کی طرف روانہ فرمایا تاکہ حج کے موقع پر یہ سب کو سنا دی جائیں۔

حضور صلعم کا عزمِ حج :

ہجرت کے دسویں سال ذی قعدہ کے مہینے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حج کا ارادہ فرمالیا۔ یہ خبر مشہور ہوئی تو ہزاروں مسلمان بے تابانہ شرفِ معیت حاصل کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ حضور صلعم ۲۶ ذی قعدہ سنہ ۱۰ھ (۲۳ اپریل ۶۳۲ء) کو ہفتے کے روز مدینہ منورہ سے چلے اور ذوالحلیفہ میں مقام کیا، جو اہلِ مدینہ کے لئے میقات ہے اور تقریباً چھ سات میل کے فاصلے پر ہے۔ آج کل اس مقام کو "آبادِ علیؓ" کہتے ہیں۔

۲۷ ذی قعدہ کو قافلۂ نبوی ذوالحلیفہ سے چلا اور ان الفاظ میں تلبیہ شروع ہوا :

لبیك لبیك اللھم لبیك لا شریك لك لبیك ان الحمد والنعمۃ لك والملك لك لا شریك لك۔

ہم حاضر ہیں، ہم حاضر ہیں، اے خدا تیرے سامنے حاضر ہیں، تیرا کوئی شریک نہیں، ہم حاضر ہیں، ہر ستائش صرف تیرے لئے ہے اور ہر نعمت تیری ہے، سلطنت بھی تیری ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔

موقع کا راوی بتاتا ہے کہ میں نے آگے پیچھے اور دائیں بائیں دیکھا، جہاں تک بصارت مساعدت کرتی تھی، آدمیوں ہی کا جنگل نظر آتا تھا۔ حضور صلعم کی زبانِ مبارک سے لبیک کی صدا بلند ہوتی تو ہر طرف سے اس کی آواز بازگشت آتی۔ اردگرد کے میدان اور پہاڑ گونج اٹھتے۔

اس واقع پر چودہ سو سال گزر چکے ہیں اور ہمارے تمام دینی اعمال کی حیثیت اب بڑی حد تک رسمی سی رہ گئی ہے۔ مگر آج بھی موسمِ حج میں مکہ معظمہ کی مقدس فضا کے اندر اور اس متبرک مقام کے تمام راستوں پر عازمینِ حج کا تلبیہ سن کر ہر انسان خدا پرستی کا ایک نادیدہ پیکر بن جاتا ہے۔ جن خوش نصیبوں نے ۲۷ ذی قعدہ سنہ ۱۰ھ کو خود حضور صلعم کے زیرِ قیادت کم و بیش ایک لاکھ اہلِ حق کے تلبیہ کا منظر دیکھا ہوگا، کون کہہ سکتا ہے کہ ان کے دلوں اور روحوں کا نقشہ کیا ہوگا۔

تلبیہ کی معنوی حیثیت :

پھر تلبیہ کی معنوی حیثیت پر غور فرمائیے۔ اس کی مرکزی روح توحید ہے، جو دینِ حق کی روحِ حیات ہے۔ اس کے حرف حرف میں عبودیت و بندگی، عجز و نیاز، بارگاہِ باری تعالیٰ میں حاضری کے وفور شوق و شیفتگی کے ایمان پرور محسوسات بے تاب و مضطرب نظر آتے ہیں۔ ساتھ ہی موقع اور محل کا تصور فرمائیے۔ کائناتِ انسانیت کا مقدس ترین وجود تئیس سال میں فرضِ نبوت کو بوجہ احسن منزلِ تکمیل پر پہنچا چکا تھا۔ اس کی تعلیماتِ حقہ کے ثمراتِ حسنہ ہر طرف نگاہوں کو

روشنی اور قلوب کو ایمان کی دولت سے مالا مال کر رہے تھے اور خدائے واحد کے روبرو سر افگندگی و حوالگی کا عشق اس درجہ کمال پر پہنچا ہوا تھا کہ معلوم ہو رہا تھا ایک ایک فرد کے بدن کا رُواں رُواں شکر و سپاس میں سراپا حمد و ستائش بنا ہوا، اسی کے آگے سجدہ ریزی کی بے تابیوں[1] کا مرجع و محور رہے۔ یہی اسوۂ حسنہ تھا، جس کی پیروی عالمِ انسانیت کے لئے اس زندگی اور آئندہ زندگی میں واحد وسیلہ فوز و فلاح ہے۔ مسلمان ہوں یا غیر مسلم، جو اس پیروی سے سعادت اندوز نہ ہوں گے، ان کے لئے دونوں جہانوں میں امن و سلام کی امید خیال خام ہوگی۔

مکہ مکرمہ میں داخلہ :

۲۷ ذی قعدہ ۱۰ھ کو ذوالحلیفہ سے روانہ ہو کر حضور صلعم منزل بہ منزل ۳ ذی حجہ ۱۰ھ (یکم مارچ ۶۳۲ء) کو سَرِف پہنچے، جہاں سے مکہ معظمہ صرف چھ سات میل ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں ام المومنین حضرت میمونہؓ کا مکان تھا اور وہیں ان کا مزار بنا، ۴ ذی حجہ (۲ مارچ ۶۳۲ء) کو اتوار کے دن صبح کے وقت حضور صلعم مکہ معظمہ میں داخل ہوئے۔ خانہ کعبہ کے طواف سے فارغ ہو کر مقامِ ابراہیمؑ میں دوگانہ ادا کیا۔ پھر سعی کے لئے کوہ صفا پر پہنچے، وہاں سے کعبہ نظر آیا تو فرمایا :

لا الٰہ الا اللّٰہُ وحدہٗ لا شریک لہٗ

لہ الملک ولہ الحمد یحیی ویمیت وھو

علی کل شیئٍ قدیر۔ لا الٰہ الا اللّٰہ

وحدہٗ انجز وعدہٗ ونصر عبدہٗ

وھزم الاحزاب وحدہ

اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہ ایک ہے، کوئی اس کا شریک نہیں۔ سلطنت اسی کی ہے اور ستائش بھی اسی کے لئے زیبا ہے، وہی جِلاتا اور مارتا ہے اور وہ سب چیزوں پر قدرت رکھتا ہے۔ خدا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہ ایک ہے۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اس نے اپنے بندہ کی مدد فرمائی اور اکیلے تمام گروہوں کو شکست دے دی۔

ایک ارشاد کی توضیح :

وعدے کے ایفا، اپنے بندے کی امداد اور اکیلے تمام گروہوں کی شکست پر عرب کے زمین و آسمان زبانِ حال سے شہادت دے رہے تھے۔ تئیس ۲۳ سال پیشتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں تنہا تھے۔ پھر آپ کی دعوت پر ایک ایک دو دو آدمی ساتھ ملتے گئے، اس مقدس گروہ نے تیرہ سال تک مکہ مکرمہ میں ایسی خوفناک اذیتیں برداشت کیں، جن کا تصور بھی جسموں پر لرزہ طاری کر دیتا ہے۔ پھر سب کو وطن چھوڑنا پڑا۔ اس کے باوجود مخالفوں نے انہیں دکھ دینے اور تباہ کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ رزم و پیکار کی ہر قوت اس مقدس ترین وجود اور اس کے جاں نثار ساتھیوں کے خلاف بے دریغ استعمال کی گئی۔ آخر ہر قوت ناکام و نامراد ہو کر اسی راستے پر گامزن ہو گئی، جو حضور صلعم نے آغازِ نبوت میں پیش کیا تھا۔ کیا یہ اس حقیقت کا زندہ ثبوت نہ تھا کہ اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ اپنے مقدس ترین بندے کی امداد فرمائی اور تنہا تمام گروہوں کو شکست دے دی۔

کیفیتِ حج :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذی حجہ کی آٹھویں تاریخ (۶ مارچ ۶۳۲ء) کو جمعرات کے دن تمام مسلمانوں کے ساتھ منیٰ میں قیام فرمایا۔ نویں تاریخ (۷ مارچ) کو جمعہ کے دن صبح کی نماز ادا کر کے عرفات کی طرف روانہ ہوئے۔ عرفات کے کنارے پر ایک مقام نَمِرہ ہے، جہاں کمل کے خیمے میں آپ نے قیام فرمایا۔ دوپہر ڈھل گئی تو ناقہ قصوا پر سوار ہو کر میدان میں تشریف لائے اور سواری ہی کی حالت میں خطبہ ارشاد فرمایا۔ ظہر و عصر کی نماز ادا کر کے پھر میدان میں دیر تک قبلہ رو ہو کر مصروفِ دعا رہے۔ سورج ڈوبنے لگا تو عرفات سے چلے۔ رات مزدلفہ (مشعر الحرام) میں گزاری اور دسویں ذی حجہ (۸ مارچ) کو منیٰ میں پہنچ گئے۔ ایامِ تشریق منیٰ میں گزارے۔ البتہ دسویں تاریخ کو قربانی کے بعد مکہ معظمہ جا کر خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ ۱۳ ذی حجہ کو بعد زوال منیٰ سے اٹھے اور خیف بنی کنانہ میں مقام کیا۔ رات کے پچھلے پہر خانہ کعبہ کا طواف کیا اور بعدہٗ مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔

حضور صلعم کے خطبات :

یہ حجۃ الوداع کا سرسری خاکہ ہے جس میں تفصیلات نہیں دی گئیں۔ میرا اصل مقصود یہ ہے کہ خطباتِ شریفہ میں سے بعض ضروری چیزیں یہاں پیش کر دوں، جنہیں میرے نزدیک امت کے لئے وصایا

کی حیثیت حاصل ہے۔

خطبوں کے متعلق تمام روایات کو یکجا کر کے اہل علم و تحقیق اس نتیجے پر پہنچے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں تین خطبے ارشاد فرمائے، پہلا ۹ ذی حجہ کو عرفات کے میدان میں، دوسرا ۱۰ ذی حجہ کو منیٰ میں اور تیسرا ۱۱ یا ۱۲ ذی حجہ کو منیٰ میں۔ ان میں بعض مطالب کو اپنی اہمیت کے پیش نظر دہرایا، مگر انداز مختلف تھا۔ میں انہیں بلحاظ ترتیب مطالب یہاں پیش کروں گا۔ مناسب یہی معلوم ہوا کہ عربی عبارتیں نہ لکھوں اور مطالب اردو میں بیان کر دوں۔

عالمگیر مساوات :

عرفات کے خطبے میں حضور صلعم نے سب سے پہلے جاہلیت کی تمام بیہودہ رسموں اور تمام نازیبا دستوروں کے خاتمے کا اعلان کیا۔ پھر فرمایا:

> لوگو! سن لو کہ تمہارا پروردگار ایک ہے اور تمہارا باپ ایک ہے۔ (یعنی آدم) عربی کو عجمی پر یا عجمی کو عربی پر، کالے کو گورے پر یا گورے کو کالے پر کوئی فضیلت و برتری نہیں، مگر صرف تقویٰ اور پرہیزگاری کی بنا پر۔

یہ اس حقیقت کا اعلان تھا کہ انسان کی فضیلت نہ خاندان پر موقوف ہے اور نہ نسل، خون یا رنگ پر، نہ کسی خاص ملک یا قوم کا باشندہ ہونا اس بارے میں معیار بن سکتا ہے، نہ اچھا لباس، عالی شان مکان یا دولت و ثروت کے انبار کسی کو بڑا بنا سکتے ہیں۔ محض علم یا عہدہ و منصب بھی بڑائی کا وسیلہ نہیں بن سکتا۔ املاک کی فراوانی بھی اس باب میں قطعاً سود مند نہیں ہو سکتی۔ بڑائی اور بزرگی صرف تقویٰ، پرہیزگاری، حسن عمل اور فضیلتِ اخلاق پر منحصر ہے۔

آپ نے غور فرمایا کہ اس مختصر سے ارشاد نے عالمِ انسانیت کے نقطۂ نگاہ میں کتنا عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیا جس کی کوئی مثال اس سے پیشتر نہیں ملتی؟ پہلے انسانوں کا مطمحِ نظر کیا تھا؟ کسی خاص نسل، رنگ یا خون سے وابستگی، دولت جمع کرنے کا جنون، عالی شان مکان بنانے کا اضطراب، بڑے عہدے اور منصب حاصل کرنے کے لئے تگ و دو۔ ملک فتح کر لینے کا زور۔ ان تمام چیزوں کے لئے کشمکش کے ہنگاموں کا نتیجہ اس کے سوا کیا ہو سکتا تھا کہ انسانوں میں تفرقہ، بغض، عداوت اور نفرت پیدا ہو۔ وہ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے درپے رہیں۔ اونچے مناصب پر پہنچ جائیں تو اختیار و اقتدار سے فائدہ اٹھا کر دولت سمیٹیں، رشوتیں لیں۔ لاکھوں بے وسیلہ مساکین کچلے جائیں اور دنیا میں امن مفقود رہے۔ قومیں قوموں سے اور ملک ملکوں سے لڑتے رہیں اور کسی کے لئے اطمینان سے سانس لینے کا موقع پیدا ہی نہ ہو۔ لیکن نکوکاری اور پرہیزگاری کو عالمِ انسانیت کا نصب العین بنا دینے کے بعد سب کی کوشش یہ ہوگی کہ نیکی میں ایک دوسرے سے آگے بڑھیں۔ خدمتِ خلق میں ایک دوسرے پر سبقت لے جائیں۔ خدا کے بندوں کے ساتھ زیادہ سے زیادہ پیار کریں۔ ان کے امن و راحت کا خیال رکھیں، حق و انصاف کی پاسداری ہوتی رہے اور دنیا امن سے بھر جائے۔ کتنے رنج و قلق کا مقام ہے کہ جو قوم اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پیغامِ حق کی داعی اور مبلغ بنائی گئی، وہ بھی آج عملاً اس کی پابندی سے منزلوں دور ہے۔

اسلامی اخوّت :

پھر فرمایا:

> دیکھو، ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور تمام مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں۔

نیز فرمایا:

> ہاں، مرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو، تمہیں جلد خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے اور تم سے تمہارے اعمال کی باز پرس کی جائے گی۔

دیکھئے، مسلمان نوکر ہوں یا آقا، غریب ہوں یا امیر، مفلس ہوں یا دولت مند، معمولی حیثیت رکھتے ہوں یا اونچے درجے پر فائز ہوں، ان میں کوئی امتیاز نہ ہونا چاہئے۔ وہ سب ایک سطح پر ہیں۔ ان سب کے دل میں ایک دوسرے کے ساتھ حقیقی بھائیوں کی سی محبت ہونی چاہئے۔

حضور صلعم نے تو یہاں تک فرما دیا کہ اپنے بھائی کی مدد کرو، خواہ وہ مظلوم ہو یا ظالم۔ عرض کیا گیا، حضورؐ! مظلوم کی مدد تو سمجھ میں آ گئی، مگر ظالم کی مدد کیوں کر ہو؟ فرمایا: جو بھائی ظلم کرے اسے ظلم سے باز رکھو، یہ ظالم بھائی کی امداد ہے۔

مسلمان اس آئینے کو سامنے رکھ کر اپنے اعمال کا محاسبہ کریں تو نتیجہ اس کے سوا کیا ہوگا کہ شرم و ندامت کے مارے سر نہ اٹھا سکیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے برادرانہ محبت و الفت کے لئے ایک کسوٹی

بھی تجویز فرمادی یعنی اپنے بھائی کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرو، جس کی توقع تم اس سے رکھتے ہو۔

باقی رہا گمراہ ہو کر ایک دوسرے کی گردن مارنے کا معاملہ تو میں سمجھتا ہوں تاریخِ اسلام میں اس کی اتنی شہادتیں موجود ہیں کہ میرے لئے کچھ عرض کرنا قطعاً غیر ضروری ہے اور بے خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ مسلمان اسی گمراہی کے باعث عزوشرف کے مقام بلند سے محروم ہوئے جس پر وہ اسلام کی بدولت پہنچے تھے۔

اجتماعی زندگی کی بنیادیں :

اجتماعی زندگی کی بنیادیں تین ہیں : جان کا پاس، مال کی حفاظت اور آبرو کا احترام۔ انسانوں کے درمیان کشمکشوں اور جھگڑوں، رنجشوں اور مخالفتوں کے جتنے بھی واقعات آپ کے سامنے آئیں، ان کا تجزیہ کیا جائے تو تہ میں جان، مال اور آبرو کے بارے میں، کم یا زیادہ بے احتیاطی کے سوا اور کوئی چیز نہ نکلے گی۔ آج دنیا ان تین بنیادوں پر قائم رہنے کا پختہ عہد کرلے تو سارے جھگڑے مٹ سکتے ہیں۔ حضور صلعم نے ان تین بنیادی چیزوں کی حفاظت کا معاملہ بھی آخری حد پر پہنچا دیا، فرمایا :

> لوگو! تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں قیامت تک کے لئے اسی عزت و حرمت کی مستحق ہیں، جس طرح تم آج کے دن (یوم حج)، اس مہینے (ذی حجہ) اور اس شہر (مکہ مکرمہ) کی حرمت کرتے ہو۔

امن و سلامتی کی راہ :

عربوں میں بدلے کا دستور عام تھا، ایک خون ہو جاتا تو انتقام کا لامتناہی سلسلہ چھڑ جاتا، صرف عرب ہی نہیں بلکہ دنیا بھر میں خادموں اور غلاموں کے ساتھ حد درجہ برا سلوک کیا جاتا۔ عورتوں کے جائز حقوق کا کوئی خیال نہ رکھا جاتا۔ سود در سود نے ضرورت مندوں کے لئے زندگی اجیرن بنا رکھی تھی۔ انہیں وجوہ سے امن و سلامتی کی راہ ظلم و جبر کے اندھیرے میں گم ہو گئی تھی۔

حضور صلعم نے فرمایا :

> ۱ : میں زمانۂ جاہلیت کے تمام خون (خون کے بدلے) آج مٹا رہا ہوں اور سب سے پہلے اپنے خاندان میں سے ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون باطل کرتا ہوں۔
>
> ۲ : اپنے غلاموں کا خیال رکھو، جو خود کھاؤ وہی انہیں کھلاؤ، جو خود پہنو وہی انہیں پہناؤ۔
>
> ۳ : عورتوں کے بارے میں خدا سے ڈرو، جس طرح تمہارے حق عورتوں پر ہیں، اسی طرح عورتوں کے حق تم پر ہیں۔
>
> ۴ : میں جاہلیت کے تمام سود باطل قرار دیتا ہوں اور سب سے پہلے اپنے خاندان میں سے عباس بن عبدالمطلب کا سود ختم کرتا ہوں۔

گمراہی سے بچنے کا وسیلہ :

پھر فرمایا :

> میں تم میں وہ چیز چھوڑے جاتا ہوں، جسے مضبوطی سے پکڑے رہوگے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ یہ اللہ کی کتاب (قرآن مجید) ہے۔

دیکھئے یہی کتاب مسلمانوں کی ہدایت و سعادت کا سرچشمہ تھی۔ اسی کے مطابق عمل نے ملتِ اسلامیہ کو عالمِ انسانیت کی امامت کے درجہ عالیہ پر پہنچایا۔ آج اسی کو مسلمانوں نے پس پشت ڈال رکھا ہے۔ وہ مختلف سہارے ڈھونڈتے ہیں۔ جدھر سے کوئی اچھی صدا سنتے ہیں یا بطور خود سمجھ لیتے ہیں کہ صدا اچھی ہے، ادھر ہی بے تابانہ دوڑتے ہیں، لیکن اس پاک کتاب کی طرف متوجہ نہیں ہوتے، جو انہیں گمراہی سے محفوظ رکھنے کا واحد اور بہترین ذریعہ ہے۔

آخر میں فرمایا :-

> لوگو! نہ میرے بعد کوئی اور پیغمبر ہے اور نہ کوئی نئی امت وجود میں آنے والی ہے۔ خوب سن لو، اپنے پروردگار کی عبادت کرو، پنجگانہ نماز کے پابند رہو، ماہِ رمضان کے روزے رکھو۔ مال کی زکوٰۃ خوش دلی سے دیا کرو۔ خانۂ خدا کا حج بجالاؤ۔ اپنے اولیائے امور کی اطاعت کرو۔ ان اعمال کی جزا یہ ہے کہ اپنے پروردگار کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

تکمیل دین :

خطبہ شریف کے اختتام پر فرمایا : تم سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا، بتاؤ تم کیا جواب دو گے؟ عرض کیا گیا : ہم کہیں گے کہ آپ نے خدا کا پیغام پہنچا دیا اور اپنا فرض ادا کر دیا۔ آپ نے انگشت شہادت آسمان کی طرف اٹھائی اور تین مرتبہ فرمایا، اے خدا تو گواہ رہنا۔ پھر لوگوں سے کہا کہ جو اس وقت موجود ہیں، وہ انہیں سنا دیں، جو موجود نہیں۔ گویا ہر مسلمان کو دائمی حق دار بنا دیا یعنی

اس موقع پر وہ آیت نازل ہوئی، جس میں تکمیلِ دین اور اتمامِ نعمت کی بشارت دی گئی تھی۔

اب میں نبیؐ کے خطبے یا خطبوں میں سے ایک دو اقتباسات پیش کروں گا:

دین کامل ہو چکا تھا۔ نعمت منزلِ اتمام پر پہنچ چکی تھی، وہ امت وجود میں آچکی تھی جو روئے زمین پر خلافتِ الٰہیہ کا عملی نمونہ پیش کرنے والی تھی اور جس نے تھوڑی ہی مدت میں زندگی کے ہر دائرے کے اندر عظیم الشان خدمات کے ایسے انبار لگا دیئے، جن کی کوئی مثال نہ پہلے موجود تھی اور نہ بعد میں سامنے آسکی۔ عالمِ انسانیت میں پیشتر بھی بارہا انقلاب آچکے تھے، مگر ساتویں صدی عیسوی کے دوسرے عشرے سے جس انقلاب کی ابتدا ہوئی تھی اور حجۃ الوداع پر اس کی تکمیل ہوئی، وہ ہر نقطۂ نگاہ سے یگانہ و نادیدہ تھا۔ سید سلیمان مرحوم کے قول کے مطابق ایک نئے نظام، نئی شریعت اور نئے عالم کا آغاز ہو رہا تھا۔ حضور صلعم نے فرمایا:

> زمانہ پھر پھرا کے آج پھر اسی نقطے پر آگیا ہے، جب اللہ تعالےٰ نے زمین و آسمان پیدا کئے تھے۔

غور کیجئے کہ تاریخِ عالم میں جو نیا دور شروع ہو رہا تھا اس کی تعبیر کے لئے اس سے بہتر صورت کیا ہو سکتی تھی کہ زمانہ پھر اسی جگہ آگیا جب اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کی تخلیق فرمائی تھی؟

پھر جان، مال اور آبرو کا موضوع ذہنِ مبارک میں آگیا اور اہمیت کے اعتبار سے اسے دہرانا مناسب سمجھا، لیکن اسلوب بالکل نیا اختیار کیا۔ فرمایا:

> "کچھ معلوم ہے آج کون سا دن ہے؟" لوگوں نے عرض کی "خدا اور اس کا رسولؐ بہتر جانتے ہیں" آپؐ کچھ دیر خاموش رہے اور لوگوں نے سمجھا، شاید آپ اس دن کا کوئی اور نام رکھ دیں گے۔ سکوت کے بعد فرمایا "کیا یہ قربانی کا دن نہیں؟" لوگوں نے کہا "بے شک"۔ پھر ارشاد ہوا: "یہ کون سا مہینہ ہے؟" لوگوں نے پھر کہا: "خدا اور اس کا رسولؐ بہتر جانتے ہیں" آپ نے پہلے کی طرح سکوت کے بعد فرمایا: "کیا یہ ذوالحجہ کا مہینہ نہیں؟" لوگوں نے کہا "بے شک" پھر پوچھا: "یہ کون سا شہر ہے؟" لوگوں نے پھر کہا "خدا اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں" اس مرتبہ بھی سکوت کے بعد فرمایا: "کیا یہ بلدۃ الحرام نہیں؟" لوگوں نے کہا: "بے شک"۔

اس اسلوبِ خطاب سے مقصود یہ تھا کہ لوگوں کے دل میں قربانی کے دن، حج کے مہینے اور مکہ مکرمہ کی حرمت پیوست ہو جائے۔ یہ ہو چکا تو فرمایا:

> تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں اسی طرح قیامت تک احترام کی مستحق ہیں، جس طرح تمہارے لئے آج کا دن (قربانی کا دن)، یہ مہینہ (حج کا مہینہ) اور یہ شہر (مکہ مکرمہ) احترام کے مستحق ہیں۔

حجۃ الوداع کے بعد حضور صلعم نے بہت کم مدت اس دنیا میں گزاری۔ روایات مظہر ہیں کہ تکمیلِ دین کی آیت نازل ہونے (یعنی ۹ ذی حجہ) سے صرف اکیاسی روز بعد وفات پائی۔

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

* * * * * * * * * *

پہ یوہ قدام تر عرشہ پورې رسي
ما لیدلے دے رفتار د درویشانو

رحمان باباؒ

ترجمہ

اک قدم اور سرِ عرشِ بریں جا پہنچے
ہم نے درویشوں کی رفتارِ سفر دیکھی ہے

جعفر طاہر

— لیدل مصدر دیکھنا۔ "ما لیدلے دے" میں نے دیکھا ہے۔ ترجمہ میں "ہم" اسی طرح استعمال کیا گیا ہے جیسے اردو میں ہوتا ہے یعنی صیغۂ جمع سے مراد واحد ہوتی ہے۔ (ج۔ ط)

* * * * * * * * * *

بارہ وفات

محمد جعفر پھلواری

ظہور قدسی، آغاز نبوت، اختتام ہجرت اور ظاہری مفارقت وغیرہ جیسے کئی اہم واقعات ماہ ربیع الاول ہی میں ہوئے۔ اس لئے یہ مہینہ آتے ہی قدرتی طور پر مسلمانوں میں ایک نیا ولولہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ جب جذبات کا غلبہ ہوتا ہے تو حقائق کی طرف کم ہی نظر جاتی ہے۔ ماہ ربیع الاول کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی قصہ ہوا۔ یہ تو ایک تاریخی حقیقت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ماہ ربیع الاول ہی میں ہوئی اور اس میں بھی کوئی شک کی گنجائش نہیں کہ جس دن حضورؐ کی وفات ہوئی وہ دوشنبہ کا روز تھا لیکن یہ صحیح نہیں کہ بارہویں ربیع الاول کو وفات ہوئی۔ اور جب یہ درست نہیں تو "بارہ وفات" کہنا بھی غلط ٹھہرا۔

عام طور پر ہمارے ہاں عورتوں کی اصطلاحات بالکل الگ ہوا کرتی ہیں۔ عربی میں محرم، صفر ہوتا ہے۔ انگریزی میں جنوری فروری اور ہندی میں جیٹھ بیساکھ۔ لیکن ہماری عورتوں کی "شریعت" میں مہینوں کے نام کچھ الگ ہیں۔ یہاں نومبر دسمبر یا ساون بھادوں یا رجب شعبان نہیں۔ یہاں ہوتے ہیں بارہ وفات، بڑے پیر، لکھن مُن پیر (خواجہ معین الدینؒ) تیرہ تیزی، مدار، کونڈے کا مہینہ، تعزیوں کا مہینہ وغیرہ۔ اور جس مہینے میں کوئی عرس، فاتحہ، نذر نیاز وغیرہ نہیں ہوتی اس کا نام ہے خالی۔ گویا یہ تمام نذر و نیاز کی برکتوں اور سعادتوں سے خالی ہے۔

یہ اصطلاحات چلی ہیں عورتوں سے اور قبول کر لیا مردوں نے بھی۔ وہ بھی بے تکلف "بارہ وفات" بولتے اور لکھتے ہیں گویا وہ بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ بارہویں ربیع الاول کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تھی حالانکہ یہ عقلاً نقلاً ہر لحاظ سے سراسر غلط ہے۔

تمام مورخین و محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ آنحضرتؐ نے جو حج فرمایا تھا جو حضورؐ کا اول و آخر حج تھا اور جسے حجۃ الوداع کہتے ہیں وہ جمعہ کو واقع ہوا تھا۔ یعنی نویں ذی الحجہ جمعہ کو ہوئی تھی۔ اسی طرح اس پر بھی سبھوں کا اجماع ہے کہ آنحضرتؐ کی وفات دوشنبہ کو ہوئی تھی (دیکھئے طبری، کامل، زاد المعاد، ما ثبت بالسنۃ زرقانی، ابن خلدون وغیرہ)۔ گویا حجۃ الوداع اور وفات کے درمیان صرف تین ماہ کے چاند دکھائی دیئے۔

ان دو حقیقتوں کو تسلیم کر لینے کے بعد کسی حساب سے بھی بارہویں ربیع الاول کو دوشنبہ یا دوشنبہ کو بارہویں ربیع الاول نہیں پڑ سکتی۔ خواہ درمیان کے تینوں مہینوں کو کامل (تیس دن کا) مانئے یا تینوں کو ناقص (انتیس دن کا) یا دو کو کامل ایک کو ناقص یا دو کو ناقص ایک کو کامل، جس طرح چاہے فرض کر لیجئے اور حساب لگا لیجئے۔ بارہویں کو دوشنبہ نہیں ہو سکتا ہم اسے ذیل کے نقشوں سے یوں واضح کر سکتے ہیں:

(۱)

۹ر ذی الحجہ	جمعہ	کامل مہینہ
یکم محرم	شنبہ	کامل مہینہ
یکم صفر	دوشنبہ	کامل مہینہ
یکم ربیع الاول	چہارشنبہ	×
۱۲ر ربیع الاول	یک شنبہ	

(۲)

۹ر ذی الحجہ	جمعہ	کامل
یکم محرم	شنبہ	کامل
یکم صفر	دوشنبہ	ناقص
یکم ربیع الاول	سہ شنبہ	×

۱۲ ربیع الاول	شنبہ	

(۳)

۹ ذی الحجہ	جمعہ	کامل
یکم محرم	شنبہ	ناقص
یکم صفر	یکشنبہ	ناقص
یکم ربیع الاول	دوشنبہ	x
۱۲ ربیع الاول	جمعہ	

(۴)

۹ ذی الحجہ	جمعہ	کامل
یکم محرم	شنبہ	ناقص
یکم صفر	یک شنبہ	کامل
یکم ربیع الاول	سہ شنبہ	x
۱۲ ربیع الاول	شنبہ	

(۵)

۹ ذی الحجہ	جمعہ	ناقص
یکم محرم	جمعہ	ناقص
یکم صفر	شنبہ	ناقص
یکم ربیع الاول	یکشنبہ	x
۱۲ ربیع الاول	پنجشنبہ	

(۶)

۹ ذی الحجہ	جمعہ	ناقص
یکم محرم	جمعہ	ناقص
یکم صفر	شنبہ	کامل
یکم ربیع الاول	دوشنبہ	x
۱۲ ربیع الاول	جمعہ	

(۷)

۹ ذی الحجہ	جمعہ	ناقص
یکم محرم	جمعہ	کامل
یکم صفر	یکشنبہ	کامل
یکم ربیع الاول	سہ شنبہ	x
۱۲ ربیع الاول	شنبہ	

(۸)

۹ ذی الحجہ	جمعہ	ناقص
یکم محرم	جمعہ	کامل
یکم صفر	یکشنبہ	ناقص
یکم ربیع الاول	دوشنبہ	x
۱۲ ربیع الاول	جمعہ	

یہی آٹھ نقشے ہو سکتے ہیں جن میں دوازدہم ربیع الاول پنجشنبہ جمعہ، شنبہ اور یکشنبہ کو تو پڑتی ہے لیکن دوشنبہ کو نہیں پڑ سکتی دوشنبہ پہلی، دوسری، اور تیرھویں تاریخوں میں تو پڑتا ہے لیکن بارہویں کو نہیں پڑتا۔ مواہب لدنیہ کی شرح زرقانی کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت انسؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت علیؓ، حضرت سعدؓ، حضرت عروہؓ، حضرت ابن مسیبؓ اور ابن شہاب زہریؒ وغیرہ نے حضورؐ کی تاریخ وفات دوئم ربیع الاول کو تسلیم کیا ہے، حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ بھی دوسری ربیع الاول ہی کو فاتحہ کرتے تھے۔ ہمارے نانا، حضرت شاہ علی حبیبؒ بھی اسی تاریخ کو یوم وفات مانتے تھے۔ اور علامہ ابن عبدالبر تو یہاں تک کہتے ہیں کہ حضورؐ کی تاریخ وفات بلا اختلاف دوسری ربیع الاول ہے۔ ابو مخنف اگرچہ ایک دروغ گو راوی ہے لیکن وہ اس موقع پر ایک بڑے مزے کی بات کہہ گیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ:

انھم قالوا مات فی ثانی شھر ربیع الاول

فغیرت فصارت ثانی عشر واستمر

الوھم بذلک

یعنی دراصل لوگوں نے "ثانی شہر ربیع الاول (۲ ربیع الاول) بیان کیا لیکن اس کی شکل بعد میں بدل گئی اور "ثانی شہر" کا لفظ "ثانی عشر" (دوازدہم) بن گیا اور یہی وہم رائج ہو گیا۔

زرقانی نے اس باب میں بہت کچھ لکھا ہے ہم نے بخوف طوالت اسے نظر انداز کر دیا ہے۔ ہمیں دوسری ربیع الاول کے یوم وفات ہونے پر کوئی اصرار نہیں لیکن بارہویں کے غلط ہونے پر ضرور اصرار ہے کیونکہ بارہویں کو یوم وفات ماننے کے بعد دو مسلماتِ تاریخ میں سے ایک کو چھوڑنا پڑے گا۔ یا تو یہ کہئے کہ حجۃ الوداع جمعہ کو نہیں ہوا یا پھر یہ کہئے کہ دوشنبہ کو

حضورؐ کی وفات نہیں ہوئی تھی۔ یہ دونوں باتیں صحیح تسلیم کرنے کے بعد بارہویں ربیع الاول کا یوم وفات ہونا ممکن نہیں۔

حضرات شیعہ کے ہاں ۲۸ صفر کو یوم وفات مانا گیا ہے لیکن یہ سُن کر آپ کو تعجب ہوگا کہ ۲۸ صفر کو بھی کسی طرح دوشنبہ نہیں ہوتا خواہ دونوں مہینے (ذی الحجہ و محرم) کامل ہوں یا دونوں ناقص ہوں یا کوئی ایک کامل اور دوسرا ناقص ہو۔ ۲۸ صفر کو جمعہ، ہفتہ اور اتوار تو پڑتا ہے لیکن دوشنبہ نہیں پڑتا۔ پیش نظر نقشوں میں جہاں جہاں یکم صفر ہے اس میں ۲۷ ملا کر دیکھ لیجئے کسی جگہ بھی ۲۸ صفر کو دوشنبہ نہیں ہوگا حالانکہ شیعہ حضرات کے ہاں بھی حضورؐ کی وفات دوشنبہ کو ہونا مسلّم ہے۔ ابوایوب خراز کہتا ہے کہ ہم صفر پر جانے لگے تو ابوعبداللہ (حضرت جعفر صادقؒ) کو سلام کرنے گئے۔ آپ نے فرمایا کیا تم دوشنبہ کی برکت حاصل کرنا چاہتے ہو؟ ہم نے کہا کہ "ہاں" اس پر آپ نے فرمایا:

وای یوم اعظم شرّا من یوم الاثنین
یوم فقدنا فیہ نبیّنا وارتفع الوحی عنا لاتخرجوا
واخرجوا یوم الثلثاء (فروع کافی ج ۳ کتاب الروضہ ص۲۱۴ مطبوعہ لکھنؤ)

یعنی دوشنبہ سے زیادہ کونسا دن منحوس ہو سکتا ہے جس دن ہم نے اپنے نبیؐ کو کھو دیا اور ہم سے وحی منقطع ہوگئی۔ تم اس دن سفر پر نہ جاؤ بلکہ سہ شنبہ کو جاؤ۔

غرض دوشنبہ کو وفات پانا شیعوں اور سنیوں دونوں میں مسلّم ہے لیکن نہ تو ۱۲ ربیع الاول کو دوشنبہ پڑتا ہے اور نہ ۲۸ صفر کو۔ ہاں غور طلب صرف یہ ہے کہ جب ولادت نبوی بھی دوشنبہ ہی کو ہونا مسلّم ہے تو اسے بابرکت اور خوشی کا دن کیوں نہ تسلیم کیا جائے؟

یہ صحیح ہے کہ ربیع الاول ہی میں حضورؐ کی وفات ہوئی اور ربیع الاول ہی میں ولادت ہوئی۔ ولادت کی تاریخ میں بھی اختلاف ہے۔ تاہم اگر بارہویں کو تاریخ ولادت مان لی جائے تو کوئی ایسی تاریخی قباحت لازم نہیں آتی۔ لیکن بارہویں کو وفات ماننا تو عقلاً و نقلاً ہر طرح غلط ہے اور "بارہ وفات" کی اصطلاح محض عوام کی من گھڑت ہے۔ اگر نام ہی بدلنا ہے اور ربیع الاول کی بجائے کچھ اور نام رکھنا ہے تو "بارہ حیات" کہیے۔

یہاں ایک ضروری نکتہ بھی پیش نظر رکھئے اور وہ یہ ہے کہ اسلام ہمیں اولیا اللہ بنانا چاہتا ہے اور اولیا اللہ کی پہچان یہ ہے کہ:

الا ان اولیاء اللہ لاخوف علیہم ولاھم یحزنون ؕ
اللہ کے دوستوں کو نہ خوف ہوتا ہے نہ غم

لاتخف و لاتحزن اسلام کا پیغام ہی لاتخف و لاتحزن ہے۔ اسلام غم و خوف کو دور کرنے آیا ہے۔ وہ نا امیدی کو کفر قرار دیتا ہے۔ وہ دونوں جہان کی مسرتوں اور خوشیوں سے نوازتا ہے۔ وہ ہر شے اور ہر حادثے میں روشن پہلو کو سامنے رکھتا ہے اور خیر کی طرف لے جاتا ہے وہ تاریک پہلوؤں سے صرفِ نظر کرنا سکھاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں غم کی کوئی تقریب نہیں رکھی گئی۔ تقریبیں دو ہیں اور دونوں عیدیں (خوشیاں) ہیں۔ قومی زندگی خوشی ہی منانے میں ہے۔ اس لئے ماہ ربیع الاول کو عید میلاد، بیان سیرت اور خوشی منانے کے لئے وقف رکھنا چاہئے اگر بارہویں ربیع الاول حضورؐ کی تاریخ وفات ہوتی بھی تو ولادت کی خوشی منانا مقدم ہوتا نہ کہ غم۔ بارہویں ربیع الاول تو سرے سے تاریخ وفات ہی نہیں ہے۔

اس سلسلے میں ایک دلچسپ واقعہ بھی سن لیجئے ۳۶، ۳۷ سال کا عرصہ ہوا مجھے ایک بار عین دوازدہم ربیع الاول کو کانپور کی مسجد شہید (مچھلی بازار) میں بیان سیرت رسولؐ کے لئے مدعو کیا گیا۔ میں پہنچا تو وہاں کا عجیب نقشہ دیکھا۔ دیکھا کہ ایک مجمع کثیر تلاوت و ذکر میں مصروف ہے ہر ایک کے جسم پر میلے کچیلے اور پھٹے پرانے کپڑے ہیں چہرے اترے ہوئے ہیں۔ اداسی چھائی ہوئی ہے۔ معلوم ہوا کہ صبح سے کسی نے کچھ کھایا پیا بھی نہیں ہے۔ میں نے دریافت کیا کہ آخر یہ کیا قصّہ ہے؟ معلوم ہوا کہ چونکہ آج بارہ وفات ہے یعنی آج حضورؐ کا وصال ہوا تھا اس لئے لوگ غم منا رہے ہیں۔ آخر مجھے اس پر ایک مفصل تقریر کرنی پڑی میں نے ان لوگوں کو بتایا کہ:

اول تو آج کے دن حضورؐ کی وفات ہی نہیں ہوئی دوسرے اگر آج وفات ہوئی بھی ہوتی تو دیکھنا یہ ہے کہ اسلامی اسپرٹ

بیت اللہ

گنبد خضراء

سے کون سی بات زیادہ قریب ہے۔ ولادت کی خوشی منانا یا وفات کا غم منانا؟ جہاں تک میرا مطالعہ ہے آنحضرتؐ نے کسی بڑے سے بڑے غم کو بھی تقریب کی حیثیت نہیں دی۔ حضورؐ میدان بدر سے لوٹے تو معلوم ہوا کہ آپؐ کی صاحبزادی سیدہ رقیہؓ (زوجہ عثمان غنیؓ) وفات پاگئیں حضورؐ کے لئے اپنی لختِ جگر کی جدائی کوئی معمولی صدمہ نہ تھا لیکن آنحضورؐ نے اسے ذاتی غم ہی رہنے دیا۔ اسے کوئی قومی حیثیت نہ دی بلکہ فتح بدر کو قومی خوشی قرار دیا اور گھر گھر شادیانے بجے۔ اسی طرح دیکھئے ہر پیغمبر کی وفات ہوئی۔ ہر ایک کی بڑی بڑی آزمائشیں ہوئیں۔ سیدنا موسیٰؑ نے بھی وفات پائی۔ مدینے پہنچنے کے بعد حضورؐ کو معلوم ہوا کہ یہود اس خوشی میں عاشورے کا روزہ رکھتے ہیں کہ آج اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ اور بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات دلائی تھی۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ہم مسلمانوں پر حضرت موسیٰؑ کا زیادہ حق ہے۔ اس کے بعد سب مسلمانوں سے روزہ رکھوایا۔ وفات حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی بھی ہوئی لیکن حضورؐ نے ان دونوں کی یادگار غم نہیں منائی بلکہ عید الضحیٰ کو ان کی خوشی کی یادگار بنایا۔ اسی طرح حضورؐ نے خود حضرت بلالؓ سے فرمایا کہ دوشنبہ کو روزہ رکھا کرو، اس لئے کہ میں اس دن پیدا ہوا ہوں ظاہر ہے کہ یہ خوشی کا روزہ ہے۔ لیکن کہیں بھی حضورؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ جس دن میری وفات ہو اس دن غم کا روزہ رکھنا۔ ان تمام باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ زندگی کے روشن اور پر مسرت پہلو پسند فرماتے ہیں۔ غم و الم کی تاریکیوں میں نہیں ڈالنا چاہتے۔ قومی زندگی خوشی و عید منانے میں ہے اور آپ اس وقت غم منا رہے ہیں!

میری تقریر کے بعد تمام لوگوں نے وہیں عہد کیا کہ آئندہ سال سے یہ رسم بالکل ختم کر دی جائے گی۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا؟ ایک غلط اصطلاح — بارہ وفات — نے قوم کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ ضرورت ہے کہ مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے مطابق زندگی کے رجائی پہلو کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھیں۔

★

برقابِ تپاں

شبیر افضل جعفری

آسماں آپؐ کی رفتار پہ جاں دیتا ہے
آپؐ کا دور زمانے کو اماں دیتا ہے

آپؐ کے صبر سے پائی ہے توکّل نے بہار
آپؐ کا فقر ہمیں بختِ جواں دیتا ہے

رشکِ صد ناطقہ ہے آپ کا دلدار سکوت
سنگ پاروں کو جو گفتار و بیاں دیتا ہے

آپؐ کے عزمِ فلک صید کا اندازِ نصیب
دستِ تدبیر میں سو تیر و کماں دیتا ہے

آپؐ کی عظمتِ شمشیر کا آغاز و عروج
وقت کو خندق و خیبر کا سماں دیتا ہے

جو بھی گھر بار کرے آپ کے قدموں پہ نثار
صاحبِ ذات اُسے کون و مکاں دیتا ہے

بعد از قتلِ جفا آپؐ کا فرزندِ جلیلؑ
درسِ قرآن سرِ نوکِ سناں دیتا ہے

آپؐ کے مہرِ قیادت کا شرف کا اُبھار
نبضِ ایام کو برقابِ تپاں دیتا ہے

شہرہِ بندگی ہیں آپ کا اسلوبِ حیات
عشق کو منزلِ یزداں کا نشاں دیتا ہے

ابرِ گہر بار

سیّد فیضی

مائلِ پستی چرخ کی رفعت، عالمِ پستی چرخ سراپا   یہ کیا عالم! یہ کیا منظر! یہ کیا صورت! یہ کیا نقشا!

نورِ سحر کا جلوۂ رنگیں حدِّ نظر تک پھیلا پھیلا   وادئ ارماں لہکی لہکی، باغِ تمنا مہکا مہکا

جوشِ طرب سے شاخوں پہ قمری گھوم رہی ہے جھوم رہی ہے   مُنہ پھولوں کا چوم رہی ہے جیسے ہو مخمورِ تمنا

گُل تبسم، کیف ہوائیں۔ کیف طرب سے رنگ فضائیں   نکہتِ گل سے موجِ صبا میں سُکر کے جھونکے، نشۂ صہبا

غنچوں پر اک شانِ تبسّم، مطربِ دلکش صرفِ تمنغم   صوتِ عنادل مستِ ترنّم، دیدۂ نرگس محوِ تماشا

سرو بہ قامت، قد کی نشانی۔ سبزہ بہ شبنم صفحۂ مانی   پھول ہیں یا تصویرِ جوانی۔ سحر مؤثر، نرگس شہلا

گلشنِ عالم کیف بداماں۔ صبحِ بہاراں عنبر افشاں   روئے زمیں ہے غیرتِ رضواں خلدِ بریں یا جنتِ ماوٰی

وردِ ملائک نام محمدؐ۔ عام ہے نورِ عامِ محمدؐ   ہاتھ میں لیکر جامِ محمدؐ پیرِ مُغاں ہے انجمن آرا

کون محمدؐ؟ پیکرِ عصمت، شانِ رسالت۔ جانِ رسالت   طغرائے فرمانِ رسالت۔ روحِ خلیل و جانِ مسیحا

غم کے اندھیرے پیچھے آگے ڈرتے گرتے پڑتے بھاگے   جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا

فخرِ رُسل محبوبِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم   فیض سراپا۔ خُلقِ مجسّم۔ سیّدِ مُرسل۔ سرورِ والا

حامئ بیکس۔ ناصرِ بیدل۔ والئ مضطر۔ یاورِ محزوں   بطحا کا امی۔ خواجہ گیہاں جلوہ طرازِ عرشِ مُعلّٰی

عقلِ مکرم، روحِ مجسم، محسنِ خلقت، نازشِ آدم   جسمِ مطہر نور کا پیکر۔ سینہ روشن چشمۂ صہبا

صبح و مسا کا محورِ قائم لطف و عطا کا مصدرِ دائم   مُشکِ خصائل۔ عطر شمائم۔ عینِ شریعت۔ عینِ تمنّا

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ

گُلہائے عقیدت

(قطعات)

قمر جلالوی

سر سے لے کر پاؤں تک تنویر ہی تنویر ہے
جیسے منہ سے بولتا قرآن وہ تقریر ہے
سوچتی ہے دل میں دنیا مصطفےٰ کو دیکھ کر
وہ مصوّر کیسا ہو گا جس کی یہ تصویر ہے!

یہ ہے بزمِ پیمبر اس میں بیگانے نہیں ہوتے
حقیقت جس جگہ ہوتی ہے افسانے نہیں ہوتے
نظر آدابِ محفل پر یہ میخانہ ہے یثرب کا
یہاں آنکھوں سے پی جاتی ہے پیمانے نہیں ہوتے

فرشتہ در پہ بصد احترام آتا ہے
خدا کے بعد تمہارا ہی نام آتا ہے
کلیم ہوں گے، تمہیں کیا کلیم سے نسبت
تمہارے گھر میں خدا کا کلام آتا ہے

حق اٹھائے ناز یہ محبوبیت کی شان ہے
بات مشکل ہو تو ایسوں کے لئے آسان ہے
بخششِ اُمّت کا وعدہ لے لیا معراج میں
میزباں کیا کہہ سکے، فرمائشِ مہمان ہے!

تو نے قبل از دو جہاں شانِ تجلّےٰ دیکھی
عرش سجتا ہوا، بنتی ہوئی دنیا دیکھی
تیرے سجدے پہ جھکی سارے رسولوں کی جبیں
سب نے اللہ کو مانا تری دیکھا دیکھی

حکم ہی ایسا کچھ آیا ہے کہ ممتاز ہے حسن
نگہہِ خالقِ اکبر میں سرافراز ہے حسن
جا رہے ہیں شبِ معراج سوئے عرش، نبیؐ
"اپنے مرکز کی طرف مائل پرواز" ہے حسن!

مسند نشینِ لامکاں

جمیل نقوی

صفاتِ احمدِ مرسل یہ ہاں کہنا ہی پڑتا ہے
یہ نکتہ داستاں در داستاں کہنا ہی پڑتا ہے

وہ جن کی ذاتِ والا جاہ تھی سایہ سے مستغنی
اُنہیں شہکارِ خلاقِ جہاں کہنا ہی پڑتا ہے

بتوں نے جن کے پائے ناز پر اپنی جبیں رکھ دی
اُنہیں بے شک حرم کا پاسباں کہنا ہی پڑتا ہے

وہ جن کا نور تھا اوّل، وہ جن کا نور ہے آخر
اُنہیں سرِّ ازل کا رازداں کہنا ہی پڑتا ہے

جو اک پرواز میں پہنچے فرازِ عرش و کرسی تک
اُنہیں مسند نشینِ لامکاں کہنا ہی پڑتا ہے

وہ جن کی ذات پر اللہ نے تکمیل دیں کر دی
اُنہیں پیغمبرِ آخر زماں کہنا ہی پڑتا ہے

وہ جن کو احمد و محمود فرمایا مشیّت نے
شہِ لولاک و مقصودِ جہاں کہنا ہی پڑتا ہے

اُنہیں جن پر عیاں تھے صاف اسرارِ وَلَمْ یُولَدْ
خدائے لَمْ یَلِدْ کا ہمزباں کہنا ہی پڑتا ہے

اُنہیں جو وجہِ تخلیقِ مکان و لامکاں ٹھہرے
امانت دارِ رمزِ کُن فکاں کہنا ہی پڑتا ہے

ہیں آسودہ محمد جس کے آغوشِ مطہّر میں
مدینہ کی زمیں کو آسماں کہنا ہی پڑتا ہے

خدا جن کا ثناخواں ہے، ملائک مدح گستر ہیں
جمیل اُن کو شفیعِ عاصیاں کہنا ہی پڑتا ہے

شعاعِ شعلۂ طور

(بحضورِ سیّد المرسلین صلّی اللہ علیہ وسلّم)

عبداللہ خاور

ازل سے دردنوازی کسی کا تھا دستور
وہ جلوے عام تھے، لیکن نظر نظر کا شعور
ہر اک خزاں لیے سرِ آہنگ کاروانِ بہار
بہت جمیل سرشکِ طلب کی لرزش تھی
سحر کو دامنِ گل سے لپٹ کے روتا ہوں
محیطِ بے خودیٔ شوق میں تلاطم ہے

ہوئے نہ اہلِ جنوں محرمِ حریمِ سرور
کبھی عیاں نظر آئے کبھی ہوئے مستور
نکھرتی جاتی ہے نیرنگیٔ شہود و ظہور
تڑپ اٹھی رگِ جاں میں شعاعِ شعلۂ طور
ہے جانے کیا نگہِ بے شعور کو منظور
رواں نگاہ سے ہیں ریزہ ہائے جامِ شعور

وہ جلوے اور کبھی مبہم سے ہوتے جاتے ہیں
بہت لطیف کنایہ ہے شوخیٔ اظہار
نظر الجھتی رہی دامنِ بہاراں سے
خیال و قلب و نظر، ہرزہ کار و خوار و زبوں
بس ایک بے خبری مونسِ غمِ ایام
دراز، ہجر کی راتوں کے خواب ہوتے ہیں
مگر وہ خواب کہ مضرابِ سازِ دل ہے ہنوز
دلِ حزیں سے افق تک نگاہ کا عالم
وہ جاں فروز دھندلکے، وہ سرمگیں سے غبار
جبینِ شرق پہ صبحِ ازل اترتی ہوئی

جو بڑھتی جاتی ہے بے تابیٔ دلِ رنجور
کہ زعمِ دیدہ وری تا ابد رہے مہجور
مگر وہ شعلۂ پنہاں یونہی رہا مستور
ورق ورق تھا پریشاں حیات کا دستور
بس ایک خوابِ مسلسل، فریبِ تحتِ شعور
نگاہ و دل سے قریب اور دل و نگاہ سے دور
نظر نوازِ تمنّا، ازل کا جامِ سرور
تمام محوِ تماشائے کاروانِ ظہور
سحر سے پہلے بہم ارتباطِ ظلمت و نور
وہ طلعتوں کا ہجوم اور رنگ و بو کا وفور

افق کی وادیٔ رنگیں سے کر رہا ہے ظہور
ذرا سا شعلۂ رقصاں کسی کے عارض کا
کسی کی نرم نگاہی کا اک کرشمہ، مگر
ہے عندلیب جو اہلِ نظر کا جذبۂ شوق

یہ آفتاب ہے یا قدسیوں کا جلوۂ نور
ادائے نیم حجابی سے ظاہر و مستور
ہر اک شعاع میں پنہاں جمالِ لمعۂ طور
ہر ایک گل ہے مطافِ خیالِ اہلِ سرور

نوائے "قم" تھی نسیمِ سحر کی موجوں میں
درائے غنچہ سے صحنِ چمن ہوا معمور
کدھر یہ قافلۂ صبح تیز گام چلا
اٹھا زمیں سے فلک تک غبارِ نکہت و نور
چلے ہیں ناقۂ ابرِ رواں پہ اہلِ چمن
گلوں سے رہگذرِ شوق ہو گئی مستور
یہ رہگذار حسیں، جس کے نرم ذرّوں میں
قدم قدم پہ دھڑکتا ہے اک دلِ مہجور
بتائے کوئی کہ کس آستاں کو جاتی ہے؟
ہیں سنگ ریزوں میں بھی احتیاط کے دستور

نگر افق پہ درخشاں ہے اک منارۂ نور
نشانِ سجدۂ گردوں کا ہے کلس پہ ظہور
ہر ایک لب پہ ہیں رقصاں تجلیاتِ درود
ضرور قصرِ حمیراؓ تک آ گئے رنجور
وہ قصر جس کے درو بام معنئ رفعت
وہ رفعتیں کہ پرِ جبرئیلؑ بھی معذور
تجلیات کا منبع، حیات کا مخزن
مطافِ قافلۂ مہر و مہ، سنین و شہور
حریمِ قدس کے شعلوں کا برملا طیران
درود، جنّ و ملائک کا برمحل دستور
دمک رہی ہے افق پر جبینِ جبرائیل
اٹھی ہے گنبدِ خضریٰ سے ایک موجِ سرور
ہر اک گام پہ انفاسِ طیب و طاہر
فرازِ بام پہ معراج کی سحر کا ظہور
فَقُمْ قُمْ اَنْتَ حَبِیْبِیْ کا ہے پیامِ خفی
جوارِ تعاش سازِ نجیر دریں ہے مستور
ہواؤں میں دلِ صدیقؓ کی ہیں کیفیات
ادب کی پاک فضا، اعتدال جذب و شعور
نوائے نغمہ گرانِ ازل بہ لحنِ حجاز
ارم کے ساز پہ وہ سورۂ "محمدؐ" و "نور"
بروحِ اعظم و اعلیٰ صلوٰۃِ لامحدود
بنامِ طیبؐ و طاہرؐ درود لا محصور
وہ رمزِ معنئ تخلیق، رازِ کن فیکون
وہ نورِ لم یزلی مقصدِ ظہور و نشور
عذارِ شاہدِ پنہاں کی اولیں طلعت
نزولِ مصحفِ تاباں کا آخری منشور
نیاز و نازِ بشر کا وہ منتہائے عروج
حریمِ راز کے جلووں کا مبتدائے ظہور
پڑھوں وہ مطلعِ پُر درد مدحِ حاضر میں
اثر سے جس کے ہو کیفیتِ غیاب حضور
حضورؐ، دشتِ بلا میں ہے شامِ غم کا ظہور
حضورؐ آپ کی چشمِ کرم ہے آیۂ "نور"
جلا کے شعلۂ جاں ڈھونڈھتا ہے راہوں کو
گھرا ہے ظلمتِ ہجراں میں آپ کا مہجور
فروغِ آتشِ پنہاں سے جل رہا ہے وجود
سلگ رہی ہے کوئی شمع، بزمِ ناز سے دور
حدیثِ شوق بیارم چساں کہ بے ادبی ست
بگفتہ نطق نہ بے چارگی "انا المعذور"
کتابِ دل سے ہو ہر حرفِ آرزو محذوف
مگر وہ نام، جو ہے لوحِ عرش پر مذکور
درآئے سینۂ ویراں میں وہ تجلئ ناز
جو حسنِ ذات کی پہنائیوں میں ہے مستور

حیات نذر کروں، کائنات نذر کروں — بس اب نگاہِ کرم کیجیے حضورؐ، حضورؐ

وہ اک نگاہ کہ جو پھونک دے متاعِ غرور — بدل دے سیرتِ خاقان و قیصر و فغفور
نظامِ کہنہ کے جس نے پلٹ دئے اوراق — مزاجِ دہر کے جس نے بدل دئے دستور
عمرؓ کو جس سے ملا اوجِ "لَانَبِیَّ بَعْدِیْ" — خوشا وہ چشمِ سخن گو، وہ نرگسِ مخمور
بیک اشارۂ پنہاں بسوخت تیرہ شبی — بلالؓ شد ہمہ تن روکشِ منارۂ نور
حضورؐ، آپ کی مدح و ثنا نہیں ممکن — لسانِ روم و عرب ہو کہ نطق نیشاپور
حضورؐ، قرب کے لائق کہاں یہ دیوانہ — مگر اجازتِ حسرت کشی عطا ہو ضرور
خیال و قلب و نظر، ہرزہ کار و خوار و زبوں — یہ زندگی ہے تو جینا مجھے نہیں منظور
ہو زیست آپ کی راہِ متیں پہ گرمِ خرام — ہو ایک جذبہ فقط حکمرانِ تخت شعور
عطا ہو قلب کو ابن عمرؓ کا ذوقِ سنن — بنے تَفَقُّہ دیں میری زیست کا دستور
کچھ اس طرح سے مٹے نقش ماسوا دل سے — حرم سے جیسے بتانِ حرم ہوئے کافور
حضورؐ آپ کا دیدار گر میسّر ہو — تو ذبحِ نفس بھی، تسلیمِ جاں بھی ہے منظور

بصد تدبرِ خصم کا کل بدار اَنْفُسِنَا — نہاد وہ دام بہر سوئے "باغیانِ شرور"
وہ اہلِ مکر جو بدعت کو اجتہاد کہیں — بدل نہ دیں کہیں دینِ حنیف کا منشور
گھرا ہے یورشِ تشکیک و وہم میں مومن — ہوئی ہیں عام جہاں میں رسومِ فسق و فجور
حضورؐ، کوئی مجدّد عطا ہو ملّت کو — ہو جس کے فیض سے احیائے دینِ حق کا ظہور
چلے زمانے میں بس امرِ آمرِ مطلق — جہاں میں رایتِ دیں ہو مظفّر و منصور
حضورؐ ایک نظر، التفات سے مملو — بنامِ آیۂ رحمت، بنامِ ربِّ غفور
بہت طویل ہیں آلامِ دہر کے سائے — بہت دراز ہے اب دامنِ شبِ دیجور
وہ قلب گردشِ دوراں سے پائمال ہے آج — جسے مٹا نہ سکے سوزِ عشق کے ناسور
یہی ہے رسمِ زمانہ تو جی نہیں سکتے — مٹے مٹے نظر آتے ہیں آپ کے مجبور
بسوز مدعیانم بہ یک نگاہِ جلال — چنانکہ بولہبی ہر زماں شود مقہور
بہ سوزِ سینۂ بریان آبّ و اُمّ ہنائے — سکینہ کہ کند اہلِ درد را مسرور

چہ حیرتیست کہ خاور اسیرِ تیرہ شبی ست
بسوز شمع وجودش زنارِ اخضرِ طور

مشکوٰۃ منوّر

محشر بدایونی

وہ نور کی مشعل روشن کی اک خاک نشینِ بطحا نے
عالم پہ طرب کا رنگ آیا ضو دینے لگے ظلمت خانے

کیا قافلہ پیمایانِ فلک، کیا انجمن آرایانِ زمیں
اُس ماہ کے سب ہیں شیدائی اس شمع کے سب ہیں پروانے

تنظیم و عمل، تہذیب و ادب، اخلاص و وفا، ایثار و کرم
سرکارؐ کے حُسنِ سیرت سے کیا کچھ نہیں سیکھا دنیا نے

خُلقِ شہِ بندہ پرور کی قرآن گواہی دیتا ہے
اِس نکتے کو وہ کیا سمجھیں قرآن سے ہیں جو بیگانے

وہ جلوۂ بزمِ صبحِ ازل ظاہر نہ اگر یوں ہو جاتا
بے نام حقائق رہ جاتے بے عنواں سارے افسانے

اس رحمتِ سایہ گستر سے دامن کو جو وابستہ رکھتے
برباد نہ ہوتے شہر کبھی ویران نہ رہتے ویرانے

جو خم تھے مئے باطل سے بھرے اِک آن میں محشرؔ ٹوٹ گئے
مے خواروں میں گردش کرنے لگے توحید کی مے کے پیمانے

"وہ زمیں ہے تو، مگر اے خواب گہ مصطفیٰ
دید ہے کعبہ کو تری حج اکبر سے سوا" (اقبال)

فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم

(مکّی زندگی)

ابوالجلال ندوی

حضرت رسولِ خدا احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسلمانوں کو جو عقیدت ہے سو ہے۔ ایک بے عقیدہ انسان کا بھی یہ ضروری فرض ہے، اس عظیم شخصیت کے حالات توجہ اور غور کے ساتھ پڑھے جس نے پوری دنیا کے فکر و تصور کا انداز بدل دیا، عرب جیسی ایک قوم کو سارے جہاں کی سیادت بخش دی آخر یہ تو دیکھنا ہی چاہئے کہ اس ذات نے کیا کر دکھایا جس کی وجہ سے اس کی بارگاہ میں صرف جنید و شبلی ہی نہیں، ابن سینا اور فارابی بھی باادب سر بزانو نظر آتے ہیں، ایک ان پڑھ اونٹ اور بکریوں کے چرواہے نے ایک کتاب دی، ایک دین عطا کیا، ایک طرزِ حیات سکھائی، ایک نئی سیاست دی، نیا نظامِ حکومت دیا، ایک زندہ حکمت اور سرگرم عمل دانش بخشی، ایسے ضوابط دئے جو پوری دنیا میں انسانوں کے ایک گروہ کا چودہ سو برسوں تک ہر مشکل اور تاریخ کے ہر نئے موڑ پر ساتھ دیتے رہے، آخر کیا بات ہے کہ دنیا کی ہر ملت کے مصلحین تو یہ کہتے ہیں کہ ماضی میں کچھ دھرا نہیں ہے حال کو دیکھو اور مستقبل کو تصنیف کرو، لیکن اس مصلح کے ماننے والوں کو نہ صرف اس کے معتقدین بلکہ انسانیت کے بہی خواہ دیگر مفکرین بھی پندرہ سو برس پیچھے ہی کی طرف مڑنے کی رائے دیتے ہیں۔

دنیا کے اور تمام بانیانِ مذاہب کی سیرتیں بھولے بسرے ماضی کی گھٹا ٹوپ تاریکی میں روپوش ہیں، حضرت موسیٰؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت عیسیٰؑ کی سیرتیں ہی نہیں بلکہ ان کے واقعی کبھی موجود ہونے تک کی شہادتیں محفوظ نہیں ہیں، لیکن دنیا میں ایک ہی قابلِ اقتدا ہستی ایسی گذری ہے جو تاریخ کے روز روشن میں گذری، اس کے سارے احوال مستند طور پر محفوظ ہیں، وہ دنیا کا کامیاب ترین انسان تھا، اس کی سیرت کسی ہومر، کسی بیاس اور کسی والمیک کے شاعرانہ تخیلات کی مخلوق نہیں ہے بلکہ خود اس کے ساتھ رہنے سہنے والوں اور اس کے سوانح حیات میں برابر کے شریک کئی ہزار انسانوں کی زندہ شہادتوں سے ثابت ہے ہمارے اور اس کے درمیانی زمانہ میں جتنے رواۃ گذرے سب کو ایک شخص بخوبی جان اور پہچان سکتا ہے، دنیا میں ایک ہی شخص کی سیرت ایسی ہے جس کی صداقت پر پورا وثوق کیا جا سکتا ہے۔ اس نے ہم کو ایک ایسی کتاب دی ہے جو پندرہ صدیوں تک ہماری تمام معاشی، معاشرتی، سیاسی، علمی اور فکری ضرورتوں میں کام دیتی رہی ہے۔ اس ہادیٔ اقوام کے علاوہ ہم کسی اور ہادی کی سیرت کو اٹھائیں تو وہ معجزات اور کرامات کا انبار نظر آئے گی، ان کے خارقِ عادت کارناموں کو سن کر ہم حیرت کر سکتے ہیں، ان کی تعظیم کر سکتے ہیں، ان پر ایمان لا سکتے ہیں مگر ان کی تقلید نہیں کر سکتے، حضرت مسیحؑ کے معجزے ہم نہیں دکھا سکتے لیکن حضرت رسولِ خدا کے احوال پر جب ہم غور کریں گے تو ہم ان کی زندگی میں قابلِ عمل اسباق ملیں گے اس لئے ایک انسان اگر بے عقیدہ ہے تب بھی اسے چاہئے کہ اس سراپا اعجاز سیرت پر غور کرے، آپ کی سیرت خود اپنے ہر قاری کو اپنی طرف کھینچ لینے کی طاقت رکھتی ہے، بدعقیدہ سے بدعقیدہ انسان بھی اگر محمد رسول اللہ کی سوانح حیات کو غور سے پڑھے گا اور آپ کی تعلیمات کو سمجھنے کی کوشش کرے گا تو وہ ہرگز بدعقیدہ نہیں رہ سکے گا۔

محمد رسول اللہ کی سیرت اور آپؐ کی تعلیمات کا ہر پہلو بذاتِ خود ایک مستقل موضوعِ سخن بن سکتا ہے، ذیل کی سطروں میں ہم کسی مخصوص پہلو کو نمایاں کرنا نہیں چاہتے، آپ کی مکّی زندگی کے چند حوادث کو تاریخی ترتیب سے پیش کر دینے پر اکتفا کریں گے، تاکہ ایک نظر میں ایک شخص آپ کی ابتدائی زندگی کا مجمل خاکہ اپنے ذہن میں محفوظ کر لے۔ پھر بطورِ خود آپ کو اور آپ کے حالات کو سمجھنے کی کوشش کرے، میرے اس مضمون کے مخاطب نہ خوش عقیدہ لوگ ہیں نہ بدعقیدہ لوگ، میں صرف خالی الذہن افراد کی توجہ ایک قابلِ غور زندگی کی طرف مبذول

کرانا چاہتا ہوں۔

ایام قبل نبوت : کسی شخص کے حالات کو بخوبی سمجھنے کے لئے اس شخص کے ملک اور زمانہ کے عام حالات کو پیش نظر رکھنا بھی ضروری ہے لیکن بخوفِ طوالت اس پر مفصل گفتگو کو ہم یہاں چھوڑ دیتے ہیں۔

آج سے ۱۴۳۵ برس پہلے مکہ میں دوشنبہ ۱۲ ربیع الاول ۵۳ ق۔ھ کی صبح کو ایک خوش خبری نے قریش کے ایک ایک فرد کا چہرہ روشن کر دیا۔ عربی دستور کے مطابق ایک نوجوان ابھی ایک یا ڈیڑھ سال پہلے دیوتا کے حضور ذبح کیا جانے والا تھا۔ اس نوجوان پر اہل مکہ کو ترس آگیا، ایک کاہنہ کے مشورے سے اونٹوں پر اور اس نوجوان پر قرعہ ڈالا گیا۔ کئی بار کے قرعہ کے بعد طے کیا گیا کہ اس جوان کے بدلے سو اونٹ قربان کر دئے جائیں تو دیوتا راضی ہو جائے گا۔ اس نوجوان کا نام عبداللہ بن عبدالمطلب تھا۔ اس واقعہ کے بعد اس نوجوان کی شادی ایک شریف خاتون آمنہ بنت وھب سے ہوئی۔ بی بی کو حاملہ چھوڑ کر یہ نوجوان شام کی طرف گیا، لیکن پھر زندہ لوٹنا نصیب نہ ہوا۔ اس نوجوان کی وفات سے چند ہی دنوں کے بعد یتیم عبداللہ کے پیدا ہونے کی خوشخبری اہل مکہ نے سنی اور تقریباً ہر شخص کی زبان پر یہ ترانہ تھا:

بارک فیک اللہ من غلام
تو نہایت ہی مبارک لڑکا ہے
یا ابن الذی من حومۃ الحمام
اے اس شخص کے بیٹے جو موت کے منہ سے
نجا بعون الملک العلام
خداوند قدوس کی اعانت سے بچ گیا تھا
فودی غداۃ الضرب بالسہام
قرعہ کے روز اس کے فدیہ میں
بمائۃ من ابل سوام
سو اونٹ قربان کئے گئے

یہ فرزند عبداللہ اپنی صورت شکل سے بعینہٖ وہ شخص تھا جس کا حلیہ سنا کر حضرت سلیمان نے فرمایا تھا:

خلو محمدیم زہ دودی
وہ سراپا ستودہ ہے۔ یہ ہے میرا محبوب
وزہ رعی بنوت یروشلم
اور یہ ہے میری جان اے یروشلم کی بیٹیو

اس بشارت کو نہ جانتے ہوئے اتفاق سے ماں اور دادا دونوں نے اس مولود مسعود کا نام محمدؐ رکھا۔ دادا نے صورت دیکھتے ہی خوش ہو کر پیش گوئی کر دی کہ اِنَّ لابنی ھذا لشاناً (میرا یہ بیٹا ایک شاندار ہستی ہوگا)

عرب کے شرفا کے دستور کے مطابق آپ کو اپنی ماں کا دودھ یا تو نصیب ہی نہ ہوا یا محض چند یوم، سب سے پہلے آپؐ کو آپؐ کے سب سے بڑے چچا ابولہب کی لونڈی ثوبیہ نے دودھ پلایا جسے اس خوشی میں ابولہب نے آزاد بھی کر دیا پھر آپ کو بنو سعد بن بکر کی ایک خاتون حضرت حلیمہ سعدیہ کے حوالہ کیا گیا وہ آپ کو لے کر اپنی وادی میں چلی گئیں۔ یتیم عبداللہ کی فطرت میں خدا نے عدل رکھ دیا تھا حضرت حلیمہ کو نہایت حیرت تھی کہ عجیب بچہ ہے آپؐ نے کبھی دونوں چھاتیوں کو منہ نہ لگایا، ایک چھاتی ہمیشہ اپنے دودھ بھائی کے لئے چھوڑ دیتے تھے، حضرت حلیمہؓ سے مروی ہے کہ دودھ چھڑانے کے بعد آپ نے جب بامعنے جملے بولنے شروع کئے تو سب سے پہلے جو بول آپ کی زبان سے نکلے وہ یہ تھے:

اللہ اکبر کبیراہ والحمد للہ کثیراہ وسبحان اللہ بکرۃ واصیلاہ

نہایت حیرت کی بات یہ تھی کہ ایام جاہلیت میں یہ فقرے کسی کی زبان سے نہیں نکلے تھے، سب سے پہلے یتیم عبداللہ کی زبان سے یہ کلمے ادا ہوئے۔ ان کلموں کو ادا کرتے وقت آپ کی عمر صرف دو یا ڈھائی سال کی تھی۔

دودھ چھڑانے کے بعد حضرت حلیمہؓ آپؐ کو آپؐ کی والدہ کے پاس واپس لے گئیں مگر مکہ کی آب و ہوا ان دنوں خراب تھی اس لئے حضرت آمنہؓ نے آپؐ کو حضرت حلیمہ کے ساتھ دوبارہ واپس کر دیا۔ حضرت حلیمہؓ کو دودھ پلانے اور آپؐ کی پرورش کی اجرت دی جاتی تھی اس لئے آپؐ سے حضرت حلیمہؓ کوئی کام نہ لے سکتی تھیں لیکن تین برس کے بچے کی غیرت قابل توجہ ہے۔ آپؐ نے حضرت حلیمہؓ کو مجبور کر کے کہا کہ یہ ہو نہیں سکتا کہ میرے بھائی اور بہن تو دن بھر بکریاں چراتے پھریں اور میں ان کی محنت میں شریک نہ ہوں۔ مجبوراً آپ کو بکریاں چرانے کی اجازت دی گئی آپ کا بکریوں کے ساتھ چراگاہوں میں جانے کا سلسلہ شروع ہوتے ہی حلیمہؓ کی بکریوں کی تعداد روز افزوں بڑھتی گئی، دودھ دینے والی بکریاں زیادہ دودھ دینے لگیں، بکرے تر و تازہ ہونے لگے۔ چراگاہ کی ہریالی بھی قدرتاً بڑھنے لگی اور بنو سعد خوش ہو گئے۔

لقد بلغت بالهاشمی حلیمة
اس ہاشمی کی برکت سے حلیمہ نے عزت

مقاماً علا فی ذروة العز والمجد
وشرف کا اونچا مقام پالیا

وزادت مواشیها واخصب ربعها
اس کے مویشی زیادہ ہوئے اس کا گھر سدھر گیا

فقد عمّ هذا السعد کل بنی سعد
اور یہ خوش بختی تمام بنو سعد کو عطا ہوئی

عمر شریف جب چھ برس کی ہوئی تو حضرت آمنہ نے اپنے پاس بلایا اور آپؐ کو اپنے ساتھ لے کر مرحوم شوہر کی قبر دیکھنے کے لئے مدینہ گئیں، ان کے ساتھ آپ کی خادمہ ام ایمن بھی تھیں محلہ بنی نجار میں جہاں حضرت عبداللہ کی قبر تھی ایک ماہ قیام کیا واپسی میں بمقام ابوا ماں نے بھی داغِ مفارقت دے دیا، وہیں مدفون ہوئیں، حضرت ام ایمن آپؐ کو مکہ میں واپس لائیں، حضرت عبدالمطلب جو آپ کے دادا تھے اب ماں کے فرائض بھی انجام دینے لگے۔

عمر شریف سات برس کی ہوئی تو آپؐ کو آشوبِ چشم ہو گیا عکاظ کے پاس ایک راہب رہتا تھا۔ علاج چشم کے لئے مشہور تھا حضرت عبدالمطلب آپؐ کو اس راہب کے پاس لے گئے۔ راہب نے دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ لڑکا تو ہو بہو وہی ہے جس کو حضرت سلیمانؑ خلو محمدیم کا لقب دے چکے تھے۔ اس نے حضرت عبدالمطلب سے کہا کہ اس بچے کا خاص خیال رکھنا کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ خدا نے اس کو ایک عظیم الشان کام کے لئے جنم دیا ہے جو کام سابق انبیا انجام دیتے تھے۔

۸ سنہ ق، ھ میں جب آپ کی عمر شریف آٹھ برس کی تھی آپ کے دادا عبدالمطلب نے بھی وفات پائی اور آپ کی پرورش کا بار حضرت ابوطالب کو اٹھانا پڑا، حضرت ابوطالب تمام بنو عبدالمطلب میں سب سے کم آمدنی اور زیادہ خرچ والے تھے، اگرچہ وہ آپ کو اپنی اولاد سے زیادہ چاہتے تھے۔ اور آپ سے کوئی مشکل کام نہ لینا چاہتے تھے مگر آٹھ سال کے بچے کی ہمت قابلِ داد ہے، آپ نے غریب چچا پر اپنا پورا بار ڈالنا پسند نہ کیا۔ چچا سے باصرار اجازت لے کر روسائے قریش کی بکریاں اُجرت پر چرانا شروع کیں۔ ہر بکری کی چرائی آپ کو ایک قیراط چاندی ملا کرتی تھی مگر نہیں معلوم یہ قیراط ماہوار ملتی تھی یا سالانہ اس طرح آپ آٹھ برس کی عمر ہی سے چچا کے مالی بوجھ کو ہلکا کرنے میں شریک تھے۔

۳ سنہ ق ھ میں آپ کو ایک عجیب صورتِ حال کا احساس ہوا۔ حضرت ابوہریرہ نے ایک روز حضور صلعم سے دریافت کیا کہ امرِ نبوت سے کیا چیز آپ نے سب سے پہلے دیکھی، آپ نے فرمایا کہ میری عمر دس سال اور چند ماہ کی تھی اور میں ایک صحرا میں تھا، دو شخص نظر آئے ان کے جیسے چہرے اور ان کا جیسا لباس میں نے کبھی نہ دیکھا تھا ان کے بدن سے جیسی خوشبو پھیلتی تھی اس قسم کی خوشبو میں نے کبھی نہ سونگھی تھی، ایک نے دوسرے سے کہا کیا یہ شخص وہی ہے پھر دونوں نے میرے پاس آ کر میرے بازوؤں کو پکڑا مگر ان کی گرفت کا مس میں نے محسوس نہ کیا پھر انہوں نے مجھے لٹایا مگر میں نے لٹانے کا دباؤ محسوس نہ کیا، پھر ایک نے کہا کہ اس کا سینہ چاک کرو، دوسرے نے سینہ چاک کیا لیکن مجھے چیرنے پھاڑنے کا درد محسوس نہ ہوا اور نہ خون نکلا، پھر اس نے کہا کہ اس کے اندر سے غل وحسد یعنی کینہ اور ڈاہ نکال دو۔ اس نے جمے ہوئے لہو کا سا ایک لوتھڑا نکال کر پھینک دیا پھر پہلے نے کہا کہ اس کی جگہ رأفت ورحمت رکھ دو۔ اس نے چاندی جیسی ایک چیز اندر رکھ دی۔ پھر دونوں نے میرے پاؤں کے انگوٹھے کو جھٹکا دیا اور کہا کہ اٹھ کر دوڑو۔ میں اٹھ کر دوڑا، اس کے بعد میں اپنے دل میں چھوٹے پر ترس اور بڑے پر رحم محسوس کرنے لگا۔ یہ تھا آپ کا سب سے پہلا احساس جسے بعد میں آپ نے امرِ نبوت کا پہلا شعور قرار دیا لیکن ابھی تک آپ کو اس کا وہم تک نہ تھا کہ میں خدا کا نبی مقرر ہونے والا ہوں۔

انہیں دنوں کا ایک اور عجیب واقعہ یہ ہے کہ بوانہ نام ایک بت کی پرستش کا دن آیا، قریش سال میں ایک دن رات بھر اس بت کے گرد بیٹھ کر جاگا کرتے اور تبرک کے لئے اسے چھوتے اور قربانیاں گذارتے تھے آپؐ کی عمر اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ اب آپؐ کو بھی اس مذہبی رسم میں شریک ہونا چاہئے تھا حضرت ابوطالب وغیرہ نے آپ کو ساتھ لے جانا چاہا، آپؐ نے جانے سے انکار کیا۔ لوگ زبردستی آپ کو ساتھ لے گئے۔ بت کے قریب جاتے ہی لوگوں نے دیکھا کہ آپ کی حالت غیر ہو گئی اور بیہوشی سی طاری ہو گئی۔ بعد میں آپ نے اپنے چچاؤں کو بتایا کہ گورے رنگ کے ایک مرد طویل کو میں نے دیکھا کہ وہ مجھے ڈانٹ رہا ہے اور کہتا ہے کہ محمدؐ دور ہی رہنا، قریب نہ آنا، اسے ہرگز نہ چھونا، لوگ آپ کو اٹھا کر گھر لے آئے پھر کسی نے آپؐ کو ایسی رسموں میں شرکت کے لئے نہیں کہا۔

سنہ ۴۲ یا ۴۱ ق ھ میں جب کہ عمر شریف تیرہ یا چودہ برس کی تھی ایک قافلہ تجارِ قریش کا شام کو روانہ ہونے لگا اس قافلہ میں حضرت رسولؐ خدا کے چچا حارث بن عبد المطلب اور حضرت ابوطالب بھی روانہ ہونے لگے، آپ نے حضرت ابوطالب کی اونٹنی کی مہار تھام لی اور کہا "چچا جان! آپ مجھ کو کس پر چھوڑنے جاتے ہیں، میرا نہ تو باپ زندہ ہے نہ ماں" یہ سن کر حضرت ابوطالب نے آپ کو اپنی اونٹنی پر بٹھا لیا۔ شام کی طرف روانہ ہوئے۔ بصریٰ پہنچے، وہاں ایک خانقاہ تھی جو دیر بحیرا کہلاتی تھی، اس میں ایک راہب رہا کرتا تھا جس کو بحیرا کہا جاتا تھا۔ یہ نام نہ تھا۔ عبرانی لفظ בחיר بحیر کی بدلی صورت ہے جس کے معنے وہی ہیں جو عربی میں مصطفیٰ یا مرتضیٰ کے ہیں، کسی بڑے عہدہ کے لئے جو منتخب کیا جاتا تھا اسے بحیر کہا جاتا تھا اس راہب کا نام جرجیس تھا، وہ نسلاً عرب تھا اور بنو عبد القیس میں سے تھا اور نصرانی مذہب کا تھا۔ اس کی خانقاہ کے سامنے ایک سایہ دار درخت تھا، قریش کا قافلہ تجارت یہاں دم لیا کرتا تھا، اس سال سے پہلے کبھی اس راہب نے قافلہ قریش تک آکر ان سے بات چیت نہیں کی تھی، لیکن اب کی بار وہ اپنے دیر سے نکل کر خود قافلہ میں آیا اور اہلِ قافلہ کو اپنی ضیافت میں شرکت کی دعوت دی۔ عربی دستور تھا کہ ضیافتوں میں لوگ کم عمر بچوں کو اپنے ساتھ نہیں لے جاتے تھے، آپ کو سامانِ قافلہ کے پاس چھوڑ کر خانقاہ میں گئے تو جرجیس نے پوچھا کیا سب اہل قافلہ آ گئے لوگوں نے کہا ہاں، البتہ ایک کم عمر چھوکرے کو سامان کے پاس چھوڑ دیا گیا ہے، جرجیس نے کہا میں سمجھتا ہوں کہ وہ لڑکا تم ہی لوگوں میں سے ہے، لوگوں نے کہا کہ بنی عبد المطلب میں سے ایک ہے۔ تب جرجیس نے کہا میرے لئے یہ شرم کی بات ہے کہ ایک عالی نسب لڑکا میرے دسترخوان سے الگ رہے، حارث بن عبد المطلب اٹھے اور آپ کو بھی لے آئے۔ آپ جب آئے تو اس نے بہت غور سے آپ کو دیکھا اور بار بار دیکھا اور کہنے لگے کہ نہایت عجیب بات ہے ان لمحمد عند الراهب لقد مراه یعنی اس راہب کے دل میں محمدؐ کی بڑی قدر ہے۔ جب لوگ واپس جانے لگے تو اس نے آپ کو روک لیا حضرت ابوطالب بھی رک گئے، راہب نے آپ کو اب اور زیادہ غور سے دیکھا آنکھ، کان، ناک پر غور کرنے کے بعد پشت کھولنے کے لئے کہا پشت مبارک پر دونوں مونڈھوں کے درمیان ایک ابھرا ہوا مسّا تھا جس کو بالوں نے چھپا رکھا تھا جو اس مسّے کے گرد اگے ہوئے تھے۔ اس مہر کو غور سے دیکھا پھر اس مسّے کا بوسہ لے لیا، حضرت رسولِ خدا سے اس نے مختلف باتیں پوچھیں۔ خصوصاً آپ کی نیند کا حال پوچھا، سوال کرتے وقت اس نے آپ کو لات و عزیٰ کی قسم دی کہ جو پوچھوں ٹھیک ٹھیک بتانا۔ آپ نے لات و عزیٰ کے نام سے سخت نفرت کا اظہار کیا۔ اور فرمایا کہ مجھے نہ معلوم کیوں ان بتوں اور ان دیوتاؤں سے سخت نفرت محسوس ہوتی ہے۔ پھر اس نے حضرت ابوطالب سے پوچھا کہ اس لڑکے سے تمہارا رشتہ کیا ہے؟ حضرت ابوطالب آپ کو برابر میرا بیٹا کہا کرتے تھے، آپ نے یہی جواب دیا تو جرجیس نے کہا یہ نہیں ہو سکتا، اگر یہ شخص وہی ہے جو میں خیال کرتا ہوں تو اس کے باپ اور ماں میں سے کسی کو اس وقت زندہ نہ ہونا چاہئے تب حضرت ابوطالب نے اپنا صحیح رشتہ بتایا اور آپ کے حالات سنائے۔ جرجیس نے کہا بالکل ٹھیک، ابو طالب میں تم کو صلاح دیتا ہوں کہ اپنے بھتیجے کو لے کر فوراً مکہ واپس چلے جاؤ کیونکہ تمہارے بھتیجے کو ایک بڑی شان حاصل ہونے والی ہے۔ اگر اس کو کچھ یہود نے دیکھ پایا اور وہ بات جان لی جو میں جان گیا ہوں تو اسے مار ڈالنے کی کوشش کریں گے۔

اس روایت کی بنا پر بعض یورپی قیاس باز یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ قرآن میں کتب سابقہ کے جس قدر مضامین اور قصے ہیں وہ سب آپؐ کو اسی راہب سے معلوم ہوئے۔ آدمی کتنا احمق ہوتا ہے، مخالفت پر اترتا ہے تو ایسی ایسی باتوں کو واقعہ مان لیتا ہے جو ناقابلِ تصور ہونے کے باوجود اس کی مخالفانہ ذہنیت کی بھی ہم نوائی کر سکتی ہوں، چند ساعت میں بحیرا نے تمام کتب سماویہ کے اسرار بارہ تیرہ برس کے ایک کم عمر چھوکرے کو سکھا دئے اور اس نے سیکھ لئے، کس قدر ناممکن تصور ہے۔ بعض یورپ زدہ "مسٹر" قسم کے مدعیانِ عقل و زیرکی اس روایت کو اس لئے غلط بتاتے ہیں کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ بحیرا نے صورت دیکھتے ہی یہ جان لیا ہو کہ یہ شخص آئندہ نبی مبعوث ہونے والا ہے، اور یہ کیسے اس نے جان لیا کہ یہود اس لڑکے کو دیکھیں گے تو مار ہی ڈالنے کی کوشش کریں گے، آخر کیوں مار ڈالنا چاہتے تھے؟ ایسے "عقل پرستوں" کو معلوم ہونا چاہئے کہ حضرت سلیمان نے اپنے محبوب کا حلیہ بیان کر کے اس کو خلو محمد یم (سراپا محمد) کا نام دیا تھا، اور فرمایا تھا کہ عینی تشنہ ولبی عرقول دودی۔ یعنی میرا محبوب کہے گا کہ "میری آنکھ سوتی ہے اور میرا دل جاگتا ہے" اسی جواب کو سننے کے لئے بحیرا نے آپؐ سے آپؐ کی نیند کا حال دریافت کیا تھا۔ آپؐ کی پشت مبارک پر جو ایک خاص شناخت تھی جس کا ذکر

آپؐ کا جسمانی حلیہ بیان کرنے والے خَاتَمِ نَبُوَّتْ کے نام سے کرتے ہیں اس نے خصوصیت کے ساتھ اس پر اس لئے غور کیا کہ حضرت یشعیاہ نے پیش گوئی فرمائی تھی کہ خدا اب بنی اسرائیل سے اپنا منہ چھپائے گا (یشعیاہ ۸ : ۱۷) وہ تاریکی میں کھدیڑے جائیں گے۔

لیکن وہ لوگ جو تاریکی میں چلتے ہیں بڑی روشنی
دیکھیں گے اور ارضِ صلموت[1] کے باشندوں پر نور
چمکے گا (۹ : ۲) ہمارے لئے ایک لڑکا تولد ہوگا، ہم کو
ایک بیٹا دیا جائے گا۔
دَیِهِی هَمِّشْرَا عَلْ شِکْمُو وَیَقْرا شِمو
فِلِیْءَ یوعص ال جَبُّوْرَ ابی عد شَر شلوم
اور نشانِ حکومت اس کے شانوں کے درمیان ہوگا
اس کا نام ہوگا عجیب واعظ خداوند جبار کا۔
ابدیت کا باپ، سلامتی کا شہزادہ (۹ : ۶) اس کی
سلطنت کے اقبال اور سلامتی کی حد نہ ہوگی وہ
تخت داؤد کا اور اس کی مملکت کا تب سے ابد
تک بند وبست کرے گا اور صداقت اور عدالت
سے اسے قیام بخشے گا، رب الافواج کی غیرت مندی
ایسا کرے گی (۹ : ۷)

مِشْرَہ اسم آلہ شرہ (شری = سیادت) کا شِکِم مونڈھوں کے درمیان کا حصہ، آج کل کے مترجمین مشرہ کا ترجمہ حکومت اور شکم کا ترجمہ کاندھا کرتے ہیں۔ بحیرا نے دیکھا کہ اس کے سامنے ہو بہو حضرت سلیمان کا محبوب بیٹھا تھا۔ جسے انہوں نے خِلْو محمدیم کا نام دیا تھا، اس لڑکے کا نام بھی محمد تھا۔ اس کے شانوں کے درمیان همشرہ موجود تھا، بحیرا کو علم تھا کہ آلِ داؤد میں سے وہی لوگ باقی رہ گئے ہیں جو یہویقیم کی نسل سے ہیں اور (یرمیاہ ۲۳ : ۱۹ ؛ ۲۲ : ۳۰ ؛ ۳۶ : ۳۰) کے مطابق نسل یہویقیم ہمیشہ کے لئے تخت داؤد سے محروم ہو چکی ہے۔ اس لئے اس نے فیصلہ کیا کہ تخت داؤد کا موعود وارث خداوند جبار کا عجیب واعظ امن وسلام کا شہزادہ ابی عد یہی لڑکا ہے جو اس کے سامنے بیٹھا تھا وہ جانتا تھا کہ یہود اس کو دیکھیں گے تو حسد سے مجبور ہو کر اسے مار ڈالنے

---

[1] صلموت: عیسائی ترجمہ "موت کا سایہ" صحیح ترجمہ: ظلمات یعنی تاریکی۔

کی کوشش کریں گے جس طرح ان کے اسلاف کئی انبیا کو قتل کر چکے ہیں۔

روایت ہے کہ جب حضرت ابوطالب آپ کو واپس لے جا چکے تو کچھ یہودی بھی اس راہ سے گذرے، بحیرا اسے ملے آپ کا ذکر نکل پڑا انہوں نے باتوں باتوں میں اپنے ارادۂ قتل کو بھی ظاہر کیا، بحیرا نے ان کو سمجھایا کہ اس ارادہ سے باز آؤ کیونکہ اگر واقعی یہ لڑکا وہی ہے تو تم اسے قتل نہ کر سکو گے، اور اگر یہ وہ نہیں ہے تو پھر قتل کی وجہ کیا ہے؟ بحیرا کے سمجھانے سے یہودیوں کا وہ طبقہ بات مان گیا اور انہوں نے آپ کا پیچھا نہ کیا۔

۳۸ ق ھ میں جب کہ آپ کی عمر ۱۴ برس کی ہوئی تو اب آپ نے تجارت میں حصہ لینا شروع کیا پندرہ برس کی عمر تک آپ بکریاں اور اونٹ اجرت پر چرایا کرتے تھے اور یہی آپ کا ذریعہ معاش تھے ۱۶ برس کی عمر میں سب سے پہلا تجارتی سفر آپؐ نے اپنے چچا زبیر بن عبدالمطلب کے ہمراہ یمن کی طرف کیا۔ اس سفر میں آپ کے ساتھیوں نے بہت کامیاب تجارت کی۔ آپ کے تجارتی مشاغل نے آپ کو ان بہت سی خرابیوں سے واقف کرا دیا جو عربی اصول تجارت میں داخل تھیں، احادیث میں بیع وشرا سے متعلق جو اوامر و نواہی ملتے ہیں ان کے پس پشت سے اب کے تاجرانہ تجربات بھی جھانکتے نظر آتے ہیں۔ اس سفر کے بعد آپ نے اور بھی سفر کئے ہوں گے مگر ان سفروں کا حال ہم کو نہیں معلوم ۳۴ق ھ میں جب کہ آپؐ کی عمر ۲۰ برس کی تھی حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ جن کی عمر اس وقت ۱۸ برس کی تھی آپؐ نے ملک شام کی طرف دوسری بار بغرض تجارت سفر کیا، اسی سفر نے حضرت ابوبکرؓ کو آپؐ کی زندگی بھر کا رفیق بنا دیا۔ اب کے سفر میں جو خاص واقعہ پیش آیا کہ آپ ایک درخت کے تلے بیٹھے تھے، حضرت ابوبکرؓ کسی ضرورت سے آپ سے الگ ایک طرف کو جا رہے تھے، ادھر سے ایک راہب آ رہا تھا اس نے حضرت ابوبکرؓ سے پوچھا کہ وہ صاحب جو درخت کے تلے بیٹھے ہیں ان کا کیا نام ہے حضرت ابوبکرؓ نے کہا محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب راہب نے کہا بالکل ٹھیک ان کو محمد ہی ہونا چاہیے۔ غالباً اس نے بھی آپؐ کی صورت اور حلیہ دیکھ کر پہچان لیا تھا کہ یہ شخص حضرت سلیمان کا (خلو محمدیم) ہی ہو سکتا ہے۔

۲۸ ق۔ ھ میں ایک روز حضرت رسولؐ خدا نے حضرت ابوطالب سے کہا چچا جان کئی راتوں سے مجھے ایسا نظر آتا ہے کہ دو شخص آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "یہ تو وہی ہے مگر ابھی اس کا وقت نہیں آیا ہے۔"

حضرت ابوطالب نے آپ کو تسکین دی کہ یہ محض خواب ہے۔ پھر آپؐ کو ایک شب ایسا محسوس ہوا کہ ان دونوں نے آپؐ کا سینہ چیر کر قلب مبارک کو دیکھا۔ پھر کہا یہ قلب تو بالکل پاک صاف ہے، حضرت ابوطالب سے اس کا بھی ذکر کیا اب حضرت ابوطالب گھبرا گئے آپؐ کو لے کر ایک راہب کے پاس علاج کے لئے لے گئے، اس راہب نے آپ کے قدموں کو غور سے دیکھا پھر پشت کھول کر اس چیز کو غور سے دیکھا، جس کا ذکر سفر شعیاہ میں ھمشرہ کے نام سے آیا ہے راہب نے کہا "عبد مناف! تمہارا فرزند اچھا خاصا ہے، اس کو کوئی مرض نہیں، اس کو جو شخص نظر آیا ہے وہ کوئی شیطان نہیں ہے، بلکہ دلوں کو ٹٹولنے والا فرشتہ ہے۔ جاؤ اطمینان رکھو، تمہارا فرزند ایک عظیم انسان ہونے والا ہے۔

۲۵ ق۔ ھ میں حضرت خدیجہ نے آپ کی خدمات مستعار لیں، اور اپنا مال تجارت آپ کے حوالے کیا اور اپنے غلام میسرہ کو آپ کے ساتھ شام کی طرف روانہ کیا۔ اس سفر میں بھی آپ نے اسی درخت کے پاس قیام کیا جہاں پہلے قیام کیا تھا اور بحیرا سے ملاقات ہوئی تھی اب کی بار ایک دوسرے راہب سے ملاقات ہوئی جس کا نام نسطور تھا۔ اس نے بھی حضرت رسول اللہؐ سے وہی باتیں دریافت کیں جو بحیرا نے پوچھی تھیں۔ پھر وہ کہنے لگا "وہی، وہی، قسم ہے انجیل کی" پھر آپ کو غور سے دیکھنے لگا۔ خزیمہ بن حکیم السلمی کو کچھ بُرے ارادہ کا خوف ہوا، اور تلوار سونت کر راہب کی طرف لپکے، راہب اپنے صومعہ میں بھاگ گیا اور دروازہ بند کر کے اس نے اہلِ قافلہ سے کہا تم لوگ ناحق ڈر گئے واللہ میں اس شخص کا دشمن نہیں ہوں، بلکہ مجھے اس شخص سے بڑی محبت ہے۔ اس کی بابت جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے، اس شخص کو بہت جلد ایک بڑا رتبہ حاصل ہونے والا ہے۔ اس سفر سے واپسی کے بعد میسرہ سے آپ کی بابت بہت سی باتیں معلوم کرنے کے بعد حضرت خدیجہؓ نے جو کہ ۴۰ برس کی تھیں اور بیوہ تھیں، پیغامِ نکاح بھیجا اور حضرت ابوطالب کے مشورہ سے آپ نے حضرت خدیجہؓ کو ام المومنین ہونے کے شرف سے نوازا۔

آغاز نبوّت ، شادی کے بعد جس طرح ہر شخص کی زندگی کا رخ بدل جایا کرتا ہے، اسی طرح اس واقعہ کے بعد آپ کی زندگی نے ایک نیا موڑ بدلا، اب تک آپ اُجرت لے کر لوگوں کی بکریاں اور اونٹ چراتے تھے۔ پھر اُجرت لے کر مکّہ کے تاجروں کا مال لے کر ادھر ادھر سفر کرتے تھے اور مال فروخت کرتے تھے، اب یہ کام ترک کر دئے اور حضرت خدیجہ کی تجارت کی نگرانی فرمانے لگے، اور مستقل طور پر مکہ میں قیام کیا، حضرت خدیجہ کے بطن سے حضرت ابراہیم کے علاوہ آپ کی تمام اولادیں پیدا ہوئیں۔ اب آپ کا وقت زیادہ تر خدا کی طرف توجہ اور تبتل الی اللہ میں صرف ہونے لگا۔ مکہ میں درس و تدریس کا کوئی رواج نہیں تھا۔ آپؐ کو لکھنا پڑھنا سیکھنے کا کوئی موقع نہیں مل سکا تھا۔ آپ اگرچہ جبلّی طور پر ایک موحد اور ایک مومن کامل تھے، لیکن آپؐ کو اس کا علم نہیں تھا کہ میرا جبلّی میلان ہی سچا دین ہے، خدا فرماتا ہے کہ "اس (قرآن) سے پہلے تجھے نہیں معلوم تھا کہ الکتاب کیا ہے اور الایمان کیا ہے (شوریٰ) اس سے پہلے یقیناً تو غافلوں میں سے تھا (یوسف) ذریت ابراہیم کے ہر طبقے کے لئے جن میں قریش بھی داخل ہیں، یہ بات کلمہ باقیہ کی نوعیت رکھتی تھی کہ حضرت ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تھا کہ اللہ کی ذات کے سوا میں تمہارے تمام معبودوں سے بیزار ہوں (زخرف) اتنی بات آپ کو بھی معلوم تھی اور آپ کا طبیعی میلان اسی کلمہ باقیہ کی طرف تھا لیکن محض اس قدر علم آپ کے لئے تشفی بخش نہ تھا، مزید علم حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ آپ کے پاس نہ تھا لیکن اللہ نے آپ کو جبلی طور پر ان لوگوں میں داخل کر رکھا تھا جن کے متعلق فرمایا،

"یقیناً آسمانوں اور زمین کی ساخت میں اور
شب و روز کے آگے پیچھے آنے میں، ان اصحابِ
دانش کے لئے نشانیاں ہیں جو یاد رکھتے ہیں اللہ کو،
کھڑے ہیں تو کھڑے، بیٹھے ہیں تو بیٹھے، بستروں پر ہیں
تو بستروں پر اور آسمانوں اور زمین کی ساخت میں
غور کرتے رہتے ہیں" (آل عمران ۱۹۰،۱۹۱)

اطمینان کی زندگی نصیب ہونے کے بعد سے آپؐ کاروبار سے فراغت کے اوقات میں اسی طریقہ پر عمل کیا کرتے تھے، کچھ عرصہ بعد آپ کو بزم و انجمن سے الگ تنہائی میں تحنث (حنث: گناہ سے بچنے بچانے) کا شوق پیدا ہو گیا اور آپ کئی کئی راتوں کا توشہ لے کر غارِ حرا میں چلے جایا کرتے تھے اور وہاں تحنث فرمایا کرتے تھے۔

اللہ نے کوئی شے بے مقصد نہیں پیدا کی۔ ہر مخلوق کو خدا نے ایک نہ ایک کام کے لئے پیدا کیا ہے جیسے وہی جانتا ہے، اسی طرح ہر انسان کا مقصود خلقت دوسرے انسان کے مقصود تخلیق سے مختلف ہوتا ہے۔

جسے خدا ہی جانتا ہے، انبیا کے طبقہ کو اس نے ہدایتِ خلق کے لئے پیدا کیا، اس عمومی مقصودِ تخلیق کے علاوہ ہر نبی کا ایک جدا مقصود ہوتا ہے جس کا علم ابتدا میں خدا ہی کو ہوتا ہے مگر جو کارنامے انجام دے کر نبی چل بستا ہے وہ کارنامے اس مقصودِ ربانی کو ظاہر کر دیتے ہیں جس کے لئے ایک خاص نبی کو خدا نے پیدا کیا اور اسے تربیت دی کوئی شے جس کو کسی مصرف کے لئے بنایا جاتا ہے وہ اپنے اطوارِ تخلیق کے ایک خاص مرحلہ تک پہنچ کر ہی اس قابل ہوتی ہے کہ اپنے مقصودِ خلقت کو انجام دے۔ ہر نبی علمِ الٰہی میں ازل سے نبی ہوتا ہے لیکن فرائضِ نبوت کو انجام دینے کی استعداد اسے زندگی کے ایک خاص نقطۂ عروج تک پہنچ کر حاصل ہوتی ہے۔ خدا نے ہر نبی کو ایک مخصوص درجہ کے علمِ لدنی اور حکمتِ لدنّیہ سے نوازا ہے۔ فرمایا: کلاً اٰتیناہ حکماً وعلماً (انبیا) ہم نے ہر ایک کو دانش اور علم عطا کیا۔ حضرت یوسفؑ کے ذکر میں فرمایا:

ولمّا بلغ اشدہ اٰتیناہ حکماً
وّعلماً وکذالک نجزی المحسنین۔

(یوسف ۲۲)

اور جب وہ اپنی توانائی کو پہنچا تو ہم نے اس کو ایک دانش اور ایک علم دیا اور یونہی ہم اور محسنوں کو جزا دیتے ہیں۔

حضرت موسیٰؑ کے تذکرے میں فرمایا:

ولما بلغ اشدہ واستویٰ اٰتیناہ
حکماً وّعلماً وکذالک نجزی المحسنینْ

(قصص ۱۴)

اور جب وہ اپنی توانائی کو پہنچا اور قوی ہوگیا تو ہم نے اسے ایک دانش اور ایک علم دیا اور دیگر محسنوں کو بھی ہم یونہی اجر دیا کرتے ہیں۔

ان آیتوں میں دانش و علم سے مراد وہ دانش و علم ہے جو غیر نبی کو بھی نیکوکاری کے انعام کے طور پر یا موجودہ زمانے کے الفاظ میں عمدہ عملی تجربات کی وجہ سے عطا ہوتا ہے۔ حضرت رسولؐ خدا کو بھی ان آیتوں کے بتائے ہوئے قانونِ الٰہی کے مطابق اپنی توانائی کے ایک خاص مرحلہ تک پہنچنے پر خدا نے نا ہوتی دانش و علم سے نوازا۔ آپ کے پاس انسانوں کی لکھی ہوئی کتاب تو کوئی نہ تھی لیکن کتابِ قدرت کھلی ہوئی تھی۔ آسمان و زمین کی ساخت پر خدا کو یاد رکھتے ہوئے آپؐ نے غور کیا اور اللہ نے آپ کو علم و دانش سے نوازا۔ حضرت موسیٰ کو علم و دانش سے نوازنے کے ذکر کے بعد خدا نے ان کے مدین کو روانگی کا ذکر کیا ہے، جہاں وہ آٹھ یا دس برس بکریاں چراتے رہے، حضرت رسولِ خدا نے تین برس کی عمر سے ۱۲ برس کی عمر تک بکریاں چرائیں، حضرت موسیٰ کو یہ کام بھرپور جوانی کے ایام میں کرنا پڑا۔ آٹھ یا دس برس بعد جب وہ مصر کو واپس ہونے لگے تو خدا نے کوہِ طور پر ان کو پیغمبری سے نوازا اور ان سے کلام کرتے ہوئے ان سے فرمایا کہ تمہارے اوپر میں نے فلاں فلاں مہربانیاں کی ہیں،

فلبثت سنین فی اھل مدین ثم جئت
علیٰ قدر یاموسیٰ واصطفیتک لنفسی

پھر تو کئی برس مدین والوں میں مقیم رہا پھر تو اے موسیٰ ایک اندازے پر آیا اور میں نے تجھے اپنے لئے چن لیا۔

حضرت موسیٰؑ کو ایک خاص عمر تک پہنچنے پر روحانی توانائی کا وہ مرتبہ حاصل ہوا جس کے بعد آپ بارِ نبوت کو اٹھانے اور اپنے مقصودِ تخلیق کو انجام دینے کے قابل ہوئے۔ دو شنبہ، ۱۷ رمضان ۱۳ ق۔ ھ کو حضور صلعم کے روحانی قویٰ نے اس مقررہ حدِ کمال کو حاصل کر لیا جس کے بعد آپ بارِ نبوت کو اٹھانے اور اپنے مقصودِ تخلیق کو انجام دینے کے قابل ہو گئے اور غارِ حرا کے اندر آپ پر قرآن کی پہلی وحی نازل ہوئی۔ آپ سے (جئت علیٰ قدر یا محمدؐ) فرمانے کی بجائے خدا نے فرمایا:

انا انزلناہ فی لیلۃ القدر

ہم نے اسے قدر کی رات میں اتارا

قدر کی رات سے مراد آپ کی زندگی کی وہ رات ہے جن میں آپ نے بارِ نبوت اٹھانے کے لئے درکار توانائی اور صلاحیت کاملہ حاصل کر لی۔ اس رات کی بابت کافی طویل بحث کی جا سکتی ہے جسے ہم اس موقع پر زیرِ بحث لانا نہیں چاہیئے۔

پہلی وحی علق ۱ تا ۵ ہے۔ توراۃ میں جہاں جہاں حضرت ابراہیمؑ کی نماز کا ذکر ہے ان الفاظ میں ہے کہ وَیَقْرَا البشم یھوکا (گویا، پکارا نام خداوند کا) عربی میں اس کا ترجمہ کیا جا سکتا ہے قرا باسم ربہ یعنی اس نے رب کا نام پڑھا۔ علق کی پہلی آیت اسی سنتِ ابراہیمی کے احیا کا حکم دیتی ہے۔ خلاصہ اس سورہ کا یہ ہے۔ اپنے رب کا نام

پڑھ، نماز سے جو منع کرتا ہے اس کا کہنا نہ مان، بلکہ اپنے رب کو سجدہ کر اور اس کا تقرب حاصل کر، اگرچہ علق کی باقی ۱۴ آیتیں بہت بعد میں اتریں مگر ربط آیات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اقرا باسم ربک دراصل حکم نماز ہے۔

ایامِ وحی والہام: حضور صلعم نے دوشنبہ ۱۷ رمضان ۱۳ ق ھ سے دوشنبہ ۱۲ ربیع الاول ۱۱ ھ تک نو یوم کم ۶۳ برس کی عمر پائی، جملہ ایامِ حیات ۲۲۳۱۷ دن تھے ان میں سے ۱۴۳۵۷ دن نزولِ قرآن سے پیشتر گذرے نزول قرآن کی جملہ مدت ۷۹۶۰ یوم تھی ان ایام میں سے ۴۴۷۱ یوم آپ مکہ میں قیام پذیر رہے روز ہجرت سے لیکر روز وفات تک کی جملہ تعداد ایام ۳۴۸۵ یوم تھی، اس مضمون میں ان آخری دنوں کے احوال پر ہم نظر نہ ڈالیں گے۔

بعض روایات کی بنا پر جن پر تبصرہ کرنے کا محل نہیں ہے یہ مشہور ہے کہ علق ۱ تا ۵ کے بعد کچھ عرصہ وحی رکی رہی پھر سورہ مدثر کی ابتدائی آیتیں اتریں لیکن واقعہ کچھ اور ہے، ابتدائی آیتوں کے اترنے کے بعد آپ نے حضرت خدیجہؓ کو غارِ حرا کا ماجرا سنایا، اور تشویش ظاہر کی، حضرت خدیجہؓ نے آپ کو تسلی دی کہ آپ میں فلاں فلاں اخلاقی خوبیاں ہیں اس لئے خدا ہرگز آپ کو خائب و خاسر نہ کرے گا۔ پھر وہ آپ کو اپنے ابن عم حضرت ورقہ کے پاس لے گئیں جو کہ ایام جاہلیت میں نصرانی ہوگئے تھے عبرانی میں انجیل لکھا کرتے تھے ان کے سامنے آپ نے غارِ حرا کا ماجرا سنایا، غارِ حرا میں آپ کو نظر آیا کہ ایک فرشتہ سامنے کھڑا ہے اس نے تین بار کہا کہ اقرا (پڑھ) آپ نے ہر بار یہ جواب دیا کہ میں قاری نہیں ہوں' تینوں بار آپ کا جواب سن کر اس نے آپ کو چمٹایا اور زور سے معانقہ کیا۔ چوتھی بار اس نے علق ۱ تا ۵ پڑھ کر سنائی، حضرت ورقہ نے تمام حالات سن کر فرمایا کہ یہ تو وہی ناموس تھا جو حضرت موسیٰؑ کے پاس بھی آیا تھا اور پیش گوئی کی اور وعدہ کیا کہ ایک وقت آئے گا جب آپ کی قوم آپ کو جلا وطن ہونے پر مجبور کر دے گی میں اس وقت تک زندہ اور قوی رہا تو آپ کی ضرور مدد کروں گا۔ حضرت ورقہ اس کے بعد زیادہ دنوں زندہ نہیں رہے۔

آغازِ دعوت: ان آیتوں کے اترنے کے بعد آپ عموماً مکہ سے نکل کر غاروں میں چلے جاتے اور وہاں نماز پڑھا کرتے تھے۔ حضرت علی ابن ابی طالب ان دنوں دس برس کے لڑکے تھے اور آپ کے زیر تربیت تھے وہ بھی آپ کے ساتھ ہوتے تھے۔ ایک روز حضرت ابوطالب نے اپنے دہ سالہ فرزند اور چہل سالہ بھتیجے کو ایک غار میں چھپ کر نماز پڑھتے دیکھ لیا، پوچھا یہ کیا دین ہے جس کا میں تم دونوں کو عامل دیکھتا ہوں آپ نے فرمایا کہ یہ ہمارے باپ ابراہیم کا دین ہے، ہم دونوں ملت ابراہیم کے مطابق خدا کی پرستش کرتے ہیں۔ حضرت ابوطالب نے حضرت علیؓ سے کہا کہ تم اپنے ابن عم کی روش پر چلو اچھی بات ہے، مجھے امید ہے کہ تمہارا ابن عم تم کو خیر ہی کی تعلیم دے گا۔ اس کے بعد بتدریج مکہ والوں کو علم ہوگیا کہ محمد بن عبداللہ بھی جنہیں کسی نے آج تک کسی دیوتا کو پوجتے نہیں دیکھا ہے غاروں میں چھپ چھپ کر ایک نادیدہ خدا کو پوجتے ہیں جب تک لوگ آپ کو محض صابی (بے دین) باور کرتے تھے کسی نے آپ کو دین اشیاخ پر عمل کی طرف دعوت نہ دی لیکن یہ معلوم کر لینے کے بعد محمد بن عبداللہ بھی ایک معبود کے پرستار ہیں تو لوگ آپ کو اپنے دیوتاؤں کی پرستش کی طرف بلانے لگے۔ اسی سلسلے میں سورہ کافرون اور بعض دیگر سورتوں کی آیتیں جو سورہ کافرون کی ہم مضمون ہیں نازل ہوئیں سورۂ کافرون میں خدا نے فرمایا" ولا انتم عابدون ما اعبد" یعنی اور نہ تم پوجو گے اسے جسے میں پوجتا ہوں۔ مشرکین کے لئے یہ نہایت حیرت کی بات تھی کہ وہ کون دیوتا ہو سکتا ہے جسے پوجنے سے ہم انکار کر سکتے ہیں، انہوں نے آپ سے کہا کہ انسب لنا ربک یعنی ہم کو اپنے رب کا نسب سناؤ، خدا نے حکم نازل فرمایا:

قل هو الله احد ۥ الله الصمد ۥ لم يلد
ولم يولد ۥ ولم يكن له كفوا احد ۥ

جواب دے کہ وہ اللہ ہے اکیلا ہے، اللہ حاجت روا
روائے بے حاجت ہے، نہ کسی کا باپ ہے نہ بیٹا
ہے اور نہ کوئی اس کی برابری والا ہے۔

اس مختصر سی سورہ نے عزیر پرستوں، مسیح پرستوں، ملائیکہ پرستوں، جنات پرستوں، اولیا پرستوں، کواکب پرستوں، آتش پرستوں، غرض دنیا کے تمام معلوم مذاہب کو حرف باطل قرار دیدیا، شیخ سعدی نے غالباً اسی سورہ کی وجہ سے کہا تھا:

یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست
کتب خانۂ چند ملت بشست

یعنی ایک یتیم نے جو ابھی قرآن ختم نہ کر چکا تھا کئی ملتوں کے کتب خانے

بے کار اور ناخواندنی بنا کے رکھ دئے۔

پہلا مسلمان : اب کفار نے طرح طرح کی باتیں کرنی شروع کیں اور ان کے جواب میں آیتیں اترنے لگیں، ان مباحث کے دوران میں بتدریج کئی صالح افراد نے حضرت رسول خدا کے مسلک کو قبول کرلیا، اہل علم کے درمیان بحثیں ہیں کہ سب سے پہلے کون مسلمان ہوا، حضرت علیؓ کو ناز تھا کہ حضرت رسول خدا کے بعد پہلا مسلمان میں ہوں، ان کا ناز غلط نہ تھا لیکن چونکہ وہ بچے تھے اہل مکہ نے ان کے اسلام کو کوئی اہمیت نہ دی، حضرت ابوبکرؓ نے واقعی حضرت علیؓ اور زیدؓ بن حارثہ کے بعد اسلام قبول کیا لیکن خود عہد صحابہ میں انہیں کو "اول الناس صدق الرسلا" کہا جاتا تھا یعنی پہلا شخص جس نے رسولوں کی تصدیق کی، پہلے مرد مسلم جنہوں نے علانیہ دلیری کے ساتھ اپنے اسلام کا اعلان کیا حضرت ابوبکرؓ ہی تھے۔ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ حضرت ابوبکر نے روز اول ہی اسلام قبول کرلیا تھا ہوسکتا ہے کہ ان کے دل نے چپکے سے پہلی ہی وحی سن کر آپ کی تصدیق کردی ہو۔ لیکن اس تصدیق کو زبان سے ظاہر کرنے میں انہوں نے بھی کچھ دنوں تامل سے کام لیا۔ سورہ اعلیٰ اور سورہ غاشیہ کے مضمون سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپ کی جدوجہد ایک زمانہ تک بظاہر ناکام ثابت ہو رہی تھی اور حضور صلعم کو اس کا دکھ تھا سورہ اعلیٰ میں خدا نے حضور صلعم کو تسلی دی اور فرمایا:

فذکر ان نفعت الذکری ○ سیذکر من یخشیٰ
(اعلیٰ)

سو تو سمجھاتا رہ سمجھانے سے ضرور فائدہ ہوگا جو خدا ترس ہے وہ ضرور سمجھے گا۔

اس آیت کے نزول کے بعد سب سے پہلے جس شخص نے پیغمبر صلعم کے دین و مسلک کو قبول کرنے کا اعلان کیا وہ حضرت ابوبکر تھے، دل سے تو کئی افراد اسلام قبول کر چکے تھے مگر اقرار اسلام میں متامل تھے، اور عذر پیش کرتے تھے کہ:

ان نتبع الھدیٰ معک نتخطف من ارضنا (قصص)

اگر آپ کے ساتھ جو ہدایت ہے اس کا ہم اتباع کریں تو ہم کو ہماری زمین سے اچک لیا جائے گا۔

حضرت ابوبکرؓ بھی دل سے قبولِ اسلام کے بعد کچھ دنوں متامل رہے، یہاں تک کہ وہ چالیس برس کے ہوگئے، حضرت ابوبکرؓ ۵۱ ق۔ھ میں پیدا ہوئے ۱۱ ق۔ھ میں چالیس برس کے ہوئے تو انہوں نے علانیہ اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا۔ ان کے اسلام کی داستان روایتوں کی سند سے پیش کرنے کی بجائے قرآن مجید کی ایک آیت پیش کرنا مناسب ہے جس میں خدا نے فرمایا ہے:

ووصینا الانسان بوالدیہ احسانا حملتہ امہ کرھا ووضعتہ کرھا وحملہ وفصالہ ثلثون شھرا حتیٰ اذا بلغ اشدہ وبلغ اربعین سنۃ قال رب اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علیّ وعلیٰ والدیّ وان اعمل صالحا ترضٰہ واصلح لی فی ذریتی انی تبت الیک وانی من المسلمین (احقاف)

اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے ساتھ احسان کا حکم دیا ہے (کیونکہ) اس کی ماں دکھ کے ساتھ اسے پیٹ میں لئے رہی اور اس نے دکھ کے ساتھ اسے جنا اور اس کے حمل کی اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس ماہ تھی پھر جب وہ اپنی توانائی کو پہنچا اور چالیس برس کا ہوگیا تو اس نے دعا کی کہ میرے پروردگار مجھے توفیق و تربیت دے کہ میں تیرے اس احسان کا شکر بجالاؤں جو تو نے مجھ پر اور میری ماں اور باپ پر کیا ہے اور یہ کہ میں کوئی بھلا کام کروں جس سے تو راضی ہو جائے اور میری خاطر میری اولاد کو سدھار دے۔ میں نے تیری طرف توبہ کی اور میں مسلمانوں میں سے ایک ہوں۔

اس آیت میں صریحاً ایک ایسے انسان کا ذکر ہے جس نے چالیس برس کی عمر میں اسلام قبول کیا۔ حضرت ابوبکر کے سوا شمر کالئے بدر میں کوئی ایسا نہ تھا جس کی عمر ابتدائی ایام تبلیغ میں چالیس برس کی رہی ہو، ان کی دعا کا حضرت سلیمان کی دعا سے مقابلہ کیجئے۔ جو نمل ۱۹ میں منقول ہے۔ (رب اوزعنی) سے لیکر (ترضٰہ) کے الفاظ بالکل ایک ہیں (واصلح) سے (المسلمین) تک کی بجائے حضرت سلیمان نے (وادخلنی برحمتک فی عبادک الصالحین) کہا تھا۔ حضرت ابوبکر نے اپنی توبہ اور اپنے اسلام کا اظہار کرنے کے بعد اپنی اولاد کے لئے دعا کی تھی کہ ان کو صالح

بنا دے۔ والدین ان کے صالح تھے، دل سے اسلام قبول کر چکے تھے۔
البتہ ابھی علانیہ اعلان نہیں کیا تھا اولاد نے ابھی تک اسلام نہیں قبول
کیا تھا لیکن خدا نے آپ کی دعا قبول کی چنانچہ یہی ایک گھرانا تھا جس کے
تمام افراد نے اسلام قبول کیا۔ حضرت سلیمانؑ نے خدا سے دعا کی تھی کہ مجھے
کوئی نیک کام کرنے کی توفیق دے جس سے تو راضی ہو جائے تو اللہ نے
ان کو ملکۂ سبا کو مسلمان بنا لینے کی توفیق دی، حضرت ابوبکر نے بھی یہی
دعا کی اور اللہ نے آپ کو بھی یہ توفیق دی کہ آپ نے کئی افراد کو زمرۂ مسلمین
میں داخل کیا۔

سابقین اوّلین : خود حضرت رسول خدا کے براہِ راست سمجھانے
سے حضرت خدیجہ، حضرت علی، حضرت زید بن حارثہ اور حضرت ابوبکر مسلمان
ہوئے۔ حضرت ابوبکر نے اعلان اسلام کے بعد حضرت زبیر بن العوامؓ
حضرت عثمانؓ، حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ
حضرت طلحہ کو مسلمان کیا، پھر ان لوگوں کے اسلام کے بعد حضرت
عثمان بن مظعون، حضرت ابو عبیدہ، حضرت ابو سلمہ بن عبدالاسد اور
حضرت الارقم بن ابی الارقم مسلمان ہوئے۔ انہیں ایام میں حضرت بلالؓ
حضرت خباب، حضرت صہیب، حضرت عمار، ان کی ماں سُمیہ اور ان کے
باپ یاسر مسلمان ہو گئے۔ ایک عرصہ تک قریش کو صرف حضرت ابوبکر
کے اسلام کی خبر تھی اور اصحاب نے اپنے اسلام کو مخفی رکھا۔ اور غالباً
حضور صلعم کے ایماء سے ایسا کیا، رفتہ رفتہ قریش کو اس کا پتہ چل گیا کہ کئی
اشخاص مسلمان ہو گئے ہیں حضرت ابوبکر کے بعد سب سے پہلے حضرت بلالؓ
حضرت خبابؓ، حضرت صہیبؓ، حضرت عمارؓ، حضرت یاسر اور حضرت سُمیہ
نے دلیری دکھائی اور علانیہ اسلام کو قبول کیا۔ اب کفار کو فکر لاحق ہوئی
کہ اس نئے مذہب کو کسی نہ کسی طرح دبا دینا ضروری ہے۔ ابتدا میں محض
استہزا اور مذاق کے زور سے تحریک اسلامی کو مٹا دینا چاہا تھا کہ وہ:

کانوا من الذین امنوا یضحکون ۝
واذا مروا بھم یتغامزون ۝ و اذا
انقلبوا الی اھلھم انقلبوا
فکھین ۝ واذا راوھم قالوا ان
ھولاء ضالون (تطفیف)

مومنوں پر ہنستے تھے، ان کے پاس سے گذرتے تھے
تو آنکھیں مارتے تھے، اپنے اہل و عیال کے پاس
لوٹتے تو گپیں مارتے لوٹتے تھے، اور جب ان کو
دیکھتے تھے کہتے تھے کہ یہ گمراہ لوگ ہیں۔

لیکن زیادہ دن نہیں گذرنے پائے تھے کہ :

فتنوا المومنین والمومنات (بروج)

مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ستانے لگے

مسلمانوں کو قبول اسلام کی وجہ سے جو مصیبتیں اٹھانی پڑیں
ان کی تفصیل کے لئے یہ مضمون کافی نہیں ہے۔ بس اتنا سمجھئے کہ
(لا الٰہ الا اللہ) کہنا معمولی قسم کے دلیر کا کام نہ تھا۔ یہ کلمہ وہی
شخص زبان سے ادا کر سکتا تھا جس کو ماں سے، باپ سے، بھائی سے،
بیٹے سے، بی بی سے، پورے قبیلے سے کٹ جانے کی جرأت ہوتی،
مال و متاع سے محروم ہونے کی ہمت ہوتی، موت قبول کرنا عرب کے
لئے کوئی مشکل امر نہ تھا، لیکن طرح طرح کی اذیتوں، ذلتوں کو سہنے
کے لئے تیار ہو کر ہی ایک شخص یہ کلمہ علانیہ زبان پر لا سکتا تھا۔

انذار عشیرۃ : حضرت رسول خدا صلعم کی جدوجہد سے بہتیرے
افراد نے اسلام قبول کر لیا، آپ کا اپنا گھرانا تقریباً ۴۰ افراد پر مشتمل
تھا، ان میں سے ایک حضرت علی کے سوا جن کو بچے ہونے کی وجہ سے
قریش کوئی اہمیت نہ دیتے تھے اب تک کسی نے اسلام قبول نہیں
کیا تھا۔ اس کا آپ کو بے حد رنج تھا ۱۰ ق ھ میں سورہ شعراء نازل
ہوئی جس کی ابتدا میں خدا نے فرمایا:

لعلک باخع نفسک الا یکونوا
مؤمنین۔

(شاید تو اس غم میں اپنا گلا گھونٹ لے گا کہ لوگ
مسلمان نہیں ہوئے۔)

اس سورہ میں آپ کو تسلی دینے اور غیر مسلموں کی بعض باتوں کے
جواب دینے کے بعد خدا نے فرمایا :

وانذر عشیرتک الاقربین ۝ واخفض
جناحک لمن تبعک من المؤمنین ۝
فان عصوک فقل انی بریٔ مما
تعملون۔

(اور اپنے نہایت قریبی خاندان والوں کو خبردار کر
اور مومنوں میں سے جو تیرا تابعدار ہو جائے اس کے

لئے اپنے بازو جھکا دے، لیکن اگر وہ نہ مانیں
تو بس اتنا کہہ دے کہ میں تمہارے اعمال سے بیزار ہوں)

ان آیتوں کے نزول کے بعد آپ نے پہلے حضرت عبدالمطلب کی تمام اولاد کو اپنے گھر میں دعوت دی اور ان کو سمجھایا مگر ایک حضرت علیؓ کے سوا کسی نے اسلام اس وقت قبول نہ کیا۔ لیکن اس مجلس میں جتنے شریک تھے ان میں سے، ابولہب، عتیبہ بن ابی لہب، اور طالب بن ابی طالب کے علاوہ ہر شخص کو خدا نے کلمہ اسلام قبول کرنے کی ایک نہ ایک وقت توفیق دی۔ حضرت ابوطالب کی بابت اختلاف ہے کہ انہوں نے اسلام کے کلمہ پر وفات پائی یا کلمۂ کفر پر۔ اگرچہ زیادہ مستند روایتیں ان کے اسلام قبول نہ کرنے کی شاہد ہیں۔ مگر میرا میلان طبع شیعی روایتوں کی صحت کی طرف ہے۔ آلِ رسول کی طرف جتنی روایتیں منسوب ہیں وہ اسی بات کی تصدیق کرتی ہیں۔ حضرت ابوطالب نے حضور صلعم کی پرورش آپ کی نو برس کی عمر سے کی، آپ کی عمر جب ۵۰ برس کی ہوئی اس وقت تک برابر آپ کے لئے سینہ سپر تھے، حضرت علی کو اسلام پر قائم رہنے کی وصیت انہوں نے کی تھی، آپ کے ساتھ ان کو بیحد محبت تھی، اپنے ایمان کو مصلحتہً عوام سے وہ چھپاتے رہے ہوں تو حیرت کی بات نہیں ہے۔ جن روایتوں سے ان کا کفر ثابت ہوتا ہے ان کی تاویل ہم کرسکتے ہیں کہ مومن آل فرعون کی طرح وہ اپنا ایمان چھپاتے تھے۔ بہرصورت چار افراد خاندان کے علاوہ جن میں حضرت عبدالمطلب کے بیٹے، پوتے، پوتی، بیٹی، نواسا، نواسی وغیرہ ۳۶ افراد خاندان کو خدا نے اسلام کی توفیق دی۔ ان میں سے خصوصیت کے ساتھ حضرت جعفر بن ابی طالب کا ذکر کیا جاسکتا ہے جو اس مجلس میں تو نہیں تھے۔ مگر اس کے بعد چند ہی دن گذرے تھے کہ مسلمان ہوگئے۔

اس مجلس کے بعد چند ہی دن گذرے تھے کہ آپ نے کوہ صفا پر چڑھ کر قریش کے ایک ایک بطن کو آواز دیکر بلایا، ہر خاندان سے لوگ آگئے، آپ نے پوچھا کہ بتاؤ اگر میں تم کو خبر دوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک فوج آرہی ہے جو تم پر حملہ کرنے والی ہے تو کیا تم لوگ یقین کرو گے سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ ضرور یقین کریں گے کیونکہ تمہاری کوئی بات ہمارے علم میں آج تک جھوٹی نہیں ثابت ہوئی ہے، آپ نے فرمایا کہ تب میں تم کو ایک عذاب شدید سے آگاہ کرتا ہوں اور آپ نے عذاب آخرت کی تشریح کی، ابولہب نے کہا تبالک الھذا دعوتنا یعنے برا ہو تیرا کیا تو نے ہم کو اسی لئے بلایا ہے۔ پھر وہ سب کو ساتھ لے کر چل دیا۔ اس واقعہ کے بعد سے کفار نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اپنی ظالمانہ کارروائیوں کی انتہا کردی۔ بہتیرے مسلمانوں کے لئے ایمان کو سلامت رکھتے ہوئے اپنے گھروں میں رہنا غیر ممکن ہوگیا۔

رجب ۹ ق ھ میں آپ نے اجازت دی اور حضرت عثمان بن مظعون کی قیادت میں گیارہ مردوں اور چار عورتوں کا ایک قافلہ حبش کو روانہ کیا۔ قریش نے اس قافلہ کا پیچھا کیا کہ سب کو گرفتار کرلیں لیکن ساحل پر پہنچنے کے ساتھ مسلمانوں کو ایک جہاز مل گیا اور پیچھا کرنے والوں کے ساحل تک پہنچنے سے پہلے یہ لوگ حبش کو روانہ ہو چکے تھے۔ شعبان یا رمضان میں سورۂ نجم نازل ہوئی جس کے اندر واقعہ معراج کا ذکر ہے، یہ سورہ مجمع عام میں پوری سنائی گئی، آخری آیت سن کر مسلمانوں کے جس قدر افراد مکہ میں رہ گئے تھے انہوں نے سجدہ کیا ان کے ساتھ ایک کافر کے علاوہ دوسرے تمام کفار نے بھی سجدہ کیا، قصہ طویل ہے۔ یہ مضمون تطویل کا متحمل نہیں کیونکہ باوجود اختصار طویل ہوتا جارہا ہے۔ اس واقعہ کی خبر حبش میں سارے اہل مکہ کے مسلمان ہوجانے کی نوید بن کر پہنچی۔ شوال ۹ ق ھ میں مہاجرین حبش سے واپس آگئے مگر یہاں آنے پر معلوم ہوا کہ مکہ کی سرزمین مسلمانوں کے لئے پہلے سے زیادہ انگارا بنی ہوئی تھی اس لئے ۹ ق ھ کے خاتمہ سے پہلے ہی دوبارہ ان لوگوں کو حبش واپس جانا پڑا۔ اب کی بار چالیس سے کچھ کم مردوں اور گیارہ عورتوں کا قافلہ حبش کو روانہ ہوگیا۔ جہاں کچھ لوگ ۱ ھ تک اور کچھ لوگ ۷ ھ تک مقیم رہے۔ اب کی بار قافلہ مہاجرین کے سردار حضرت علی کے بڑے بھائی حضرت جعفر بن ابی طالب تھے۔ ان لوگوں کے حبش پہنچتے ہی عبداللہ بن ابی زمعہ اور عمرو بن عاص کی قیادت میں قریش کا ایک وفد دربار نجاشی میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ ہمارے کچھ مجرمین آپ کے ملک بھاگ آئے ہیں ان کو گرفتار کرکے ہمارے حوالہ کیا جائے۔ نجاشی نے مسلمانوں کو بلاکر ان سے ان کا عذر پوچھا تو حضرت جعفر نے ایک نہایت بلیغ تقریر کی، ایام جاہلیت کے احوال بیان کئے۔ پھر حضرت رسول خدا کا حال بیان کیا۔ آپ کی تعلیمات کا خلاصہ سنایا، اور

کہا کہ ہمارا جرم یہ ہے کہ ہم نے خدا کو واحد لے شریک مان لیا، اس کے رسول پر ایمان لائے، جن خبیث کے کاموں کے ہم عادی تھے ان سے توبہ کی، ہماری قوم چاہتی ہے کہ ہم پھر اسی خبیث مسلک پر لوٹ جائیں جس کے ہم عادی تھے، اس لئے انہوں نے ہم کو ستایا، دکھ دیا، مجبور کیا اور اپنے نئے مسلک پر قائم رہتے ہوئے اپنے گھروں میں رہنا ہمارے لئے ناممکن ہوگیا تو ہمارے نبی نے آپ کے سایۂ عاطفت میں پناہ لینے کا حکم دیا۔ نجاشی نے قریش کے وفد سے پوچھا کیا اس کے علاوہ ان کا کوئی اور جرم بھی ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ نہیں، پھر پوچھا کہ ان میں سے کوئی آبق غلام تو نہیں ہے؟ لوگوں نے کہا نہیں! تب اس نے قریش سے کہا۔ جب یہ آزاد ہیں تو پھر آزاد ہیں، میں ان کو تمہارے حوالے نہیں کر سکتا۔ مسلمانوں سے کہا اذھبوا فانتم سیوم جاؤ تم لوگ آزاد ہو، قریش نے کہا کہ یہ لوگ حضرت مسیحؑ کے حق میں جو مانتے ہیں وہ بھی تو ان سے پوچھئے؟ نجاشی نے حضرت جعفرؓ سے کہا کہ اچھا بتاؤ حضرت مسیحؑ کے متعلق تمہارا عقیدہ کیا ہے؟ حضرت جعفرؓ نے سورۂ مریم کی ابتدائی ۲۴ آیتیں پڑھ کر سنائیں، نجاشی اور اس کے دربار کے کئی آدمیوں کا یہ حال تھا کہ ان کے آنسوؤں سے ان کی داڑھیاں تربتر ہو رہی تھیں۔ اسی واقعہ کی طرف سورۂ قصص میں خدا نے یہ فرما کر اشارہ کیا ہے!

الذین آتینٰھم الکتاب من
قبلہ ھم بہ یومنون۔ واذا
یتلی علیھم قالوا آمنا بہ انہ
الحق من ربنا انا کنا من قبلہ
مسلمین (قصص ۵۳)

جن لوگوں کو اس کے قبل سے ہم نے الکتاب (کی سمجھ) دی ہے وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں اور جب وہ کتاب ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں ہمارے رب کی جانب سے سچی بات یہی ہے ہم تو اس کے قبل سے مسلمان ہیں۔

نجاشی کا نام اصحمہ تھا، رجب ۹ھ میں اس نے وفات پائی، عین بروز وفات خدا نے حضرت رسولِ خدا کو اور آپؐ نے مسلمانان مدینہ کو نجاشی کے جان بحق ہو جانے کی خبر دی آپؐ نے میدان میں نکل کر اپنے صحابہ کے ساتھ اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی، تاریخ اسلام کی پہلی غائبانہ نماز جنازہ یہی تھی۔ اس نماز جنازہ میں جو لوگ شریک تھے ان میں حسب ذیل اصحابؓ کے نام معلوم ہیں، حضرت ابوہریرہ، حضرت بریدہ، حضرت زید بن ثابت، حضرت عامر بن ربیعہ، حضرت ابوقتادہ، حضرت سہیل بن حنیف، حضرت عبادہ بن صامت۔ اس باب میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب آپ نے نجاشی کے مرنے کی خبر دی تو بہتوں کو ایسا محسوس ہوا کہ اللہ نے پردہ اٹھا دیا مدینہ میں بیٹھے ہوئے لوگ تخت حبش پر نجاشی کو بیٹھا دیکھ رہے تھے۔ یہ کوئی معجزہ نہ تھا شاید نبوت کا منظر لوگوں کی آنکھوں میں ۱۸ برس بعد تازہ ہوگیا تھا۔

وفد قریش حبش سے ناکام واپس آیا، قریش کا قہر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اور بھڑک گیا، لوگوں نے کہا کہ یہ تو غضب ہوگیا۔ نجاشی تک محمدؐ کا مرید ہوگیا ہے، اب اسلام سے نجات کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ ہے کہ اس پیغمبر کو قتل ہی کر دیا جائے، لیکن بنو عبد مناف سے خطرہ تھا کہ وہ ثار (خون کے بدلے خون) کا مطالبہ مطالبہ کریں گے۔ بنو عبد مناف کے گھرانے چار تھے، (۱) بنو ہاشم (۲) بنو مطلب (۳) بنو امیہ (۴) بنو نوفل۔ قریش نے ان چاروں گھرانوں سے کہا، یا تو محمدؐ کو قتل ہونے کے لئے ہمارے حوالے کر دو یا ہم سے لڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ، بنو امیہ اور بنو نوفل نے عام قبائل قریش کی حمایت اور دوستی کو ترجیح دی مگر بنو ہاشم اور بنو مطلب میں سے ایک ابولہب کے علاوہ ہر شخص نے اعلان کر دیا کہ:

فلا واللہ نسلمہ لقومٍ
ولما نقض فیھم بالسیوف

(قسم ہے خدا کی تلواروں سے فیصلہ کئے بغیر اسے
ہم کسی قوم کے حوالے نہ کریں گے)

اب طے پایا کہ کوئی ایک شخص قتل کی ذمہ داری تنہا اپنے اوپر اٹھائے تاکہ ایک خون کا بدلہ ایک ہی خون ہو، اس کام کی ذمہ داری عقبہ بن ابی معیط نے اٹھائی، ایک دن اس نے آپ کو تنہا دیکھ لیا، اپنی چادر کو رسی جیسی بنایا اور پھانسی کا پھندہ بنا کر آپ کے گلے میں ڈال دیا اور پھندے کو کسنے لگا اتفاق سے حضرت ابوبکر آگئے۔ لپک کر عقبہ بن ابی معیط کو دھکا دیا وہ گر پڑا اور آپ کی گردن سے پھندا نکال دیا۔

کچھ مسلمان اور پہنچ گئے اور آپ کو ارقم بن ارقم کے گھر لے کر چل دیئے۔ عقبہ بن ابی معیط کے طرف داروں نے اب حضرت ابو بکرؓ کو مارنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ آپ بیہوش ہو کر گر گئے۔ آپ کے خاندان بنو تیم کو خبر ہو گئی وہ آئے اور آپ کو اٹھا کر آپ کے گھر پہنچا دیا۔ حالت ایسی تھی کہ سب نے یقین کر لیا کہ تھوڑی ہی دیر کے بعد جاں بحق ہو جائیں گے۔ لیکن بالآخر آپ کو ہوش آ گیا، ہوش آتے ہی آپ نے سب سے پہلے حضرت رسول خداؐ کی خیریت دریافت کی اور اپنی والدہ کو جو مسلمان تو تھیں مگر اعلان اسلام نہیں کیا تھا حضرت عمرؓ کی بہن کے پاس، جو مسلمان ہو چکی تھیں مگر ابھی کسی کو ان کے اسلام کی خبر نہ تھی، بھیج کر حضرت رسول خداؐ کا خفیہ مستقر معلوم کر کے دارالارقم میں حاضر ہوئے۔ اور آپؐ کے ساتھ یہیں ٹھہر گئے۔ ایک ماہ تک آنحضرت صلعم اور حضرت ابو بکرؓ اسی گھر میں روپوش رہے۔

دارارقم: قدیم تاریخ مسلمانوں اور اسلام کی ہم کو بتاتی ہے کہ اسلام نے ہمیشہ مظلومی کے زمانہ میں ترقی پائی ہے۔ سچائی کو جتنا ہی دبایا جاتا ہے اتنی ہی ابھرتی ہے، اس واقعہ کے بعد سے اسلام کی قوت میں روز بروز اضافہ ہونے لگا۔ جو لوگ سختی سے اسلام کی بیخ کنی میں حصہ لیتے تھے ان کے دلوں میں بھی اسلام کو سمجھنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ جب آپ دارارقم میں داخل ہوئے مشکل سے آٹھ نو آدمی آپ کے ساتھ تھے۔ ۳۰ یوم آپؐ نے یہاں قیام کیا اس مدت میں شرکائے دارارقم کی تعداد ۳۸ ہو گئی، گویا ہر روز ایک مسلمان کا اضافہ ہونے لگا۔ پہلے خود حضرت رسول خداؐ اور حضرت ابو بکرؓ ایک ایک مرد صالح کی تلاش میں نکلتے تھے اور جب کوئی سعید روح مل جاتی تھی تو اسے سمجھا بوجھا کر مسلمان کرتے تھے، لوگ مسلمان ہو جانے کے بعد بھی کچھ دنوں اعلان سے احتیاط برتتے تھے۔ کیونکہ ان دنوں (لا الہ الا اللہ) بولنا معمولی دل اور گردے والے کا کام نہ تھا۔ یہ کلمہ بولنا صرف جان کے لئے خطرناک نہ تھا بلکہ انسان کو اپنے باپ، بھائی، اولاد، سب سے کٹ جانا ہوتا تھا۔ خود اپنی کمائی کے مال و متاع سے بھی محروم ہو جانا پڑتا تھا موروثی مال کا تو ذکر ہی کیا، اپنے سارے دوستوں کو دشمن بنا لینا تھا۔ اس لئے لوگ قبول اسلام کے بعد بھی اعلان سے محتاط رہتے تھے مگر اس واقعہ نے ہر سعید روح کے اندر مردانہ ہمت پیدا کر دی۔ پہلے کنواں پیاسے کے پاس جاتا تھا اب پیاسا کنویں کے پاس آنے لگا لوگ چپکے چپکے آنحضرت کا پتہ دریافت کرتے تھے اور دارارقم میں آ کر مسلمان ہو جاتے تھے اور اسی گھر کو اپنا مسکن بنا لیتے تھے اس لئے کہ حضرت رسول خداؐ کے اوپر قربان ہو سکنے کے شرف کا جب موقع ملے قربان ہو جائیں۔ دارارقم مسلمانوں کا پہلا دارالاجتماع کوہ صفا پر تھا۔ یہ تیس دن مسلمانوں کے لئے نہایت مبارک ثابت ہوئے حضرت رسول خداؐ کے ساتھ ہر گھڑی بیٹھے اور دین اسلام کے نکات کو سمجھنے کا روزانہ موقع ملا، ڈر اور خوف نے دلوں کو خالی کر دیا، ایمانوں میں جرأتیں پیدا ہوئیں۔

روزانہ لوگ حضور صلعم سے اجازت مانگتے تھے کہ ہم کھل کر نکلیں۔ اور دھڑلے سے اسلام کی تبلیغ کریں۔ لیکن حضرت رسول خداؐ ان کو ابھی کچھ دنوں اور محتاط رہنے کی ہدایت دیتے تھے۔

اسلام حمزہؓ: ایک دن ایسا ہوا کہ ابو جہل نے حضرت رسول خداؐ کو تنہا دیکھ لیا، آپ کے ساتھ نہایت بدتمیزی سے پیش آیا۔ کیا باتیں کیں؟ یہ نہیں معلوم، مگر حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب کی ایک لونڈی سن رہی تھی، اس نے جا کر حضرت حمزہ کو ساری باتیں سنائیں، حضرت حمزہ کو جواب تک نہایت خموشی سے دشمنان رسول کی باتوں اور کارروائیوں کو برداشت کرتے تھے وہ باتیں سن کر غصہ آ گیا۔ ابو جہل کے پاس پہنچے اور اسے بری طرح ڈانٹا اور اس سے کہا اب کبھی ایسی جرأت نہ کرنا کیونکہ تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ میں بھی مسلمان ہوں۔ یہ کلام ان کی زبان سے غصہ میں نکل گیا تھا، پھر اپنے دل کو ٹٹولا تو معلوم ہوا کہ وہ واقعی ان کے دل کی آواز تھی اس لئے خوشی کے ساتھ دارارقم میں آ کر کلمۂ اسلام پڑھ کر مسلمان ہو گئے اور اپنے اسلام کا اعلان حسب ذیل اشعار کی صورت میں کیا:

حمدت اللہ حین ھدی فؤادی
الی الاسلام والدین الحنیفی
لدین جاء من رب عزیز
خبیر بالعباد بھم لطیف
اذا تلیت رسائلہ علینا
تحدر دمع ذی اللب الحصیف
واحمد مصطفی فینا مطاع
فلا تغشوہ بالقول العنیف

خدا کا شکر ہے اُس نے میرے دل کو ہدایت
دی - میں نے اسلام اور دین حنیف قبول کرلیا
یہ دین پروردگار توانا نے بھیجا ہے جو اپنے
بندوں کا خبرگیر ہے ان پہ مہربان ہے جب
اس کے رسالے ہم کو پڑھ کر سنائے جاتے
ہیں استوار دانش والے کا آنسو بہنے لگتا ہے
اور احمد ہمارے درمیان برگزیدہ ہے قابل اطاعت ہے
اس لئے دیکھو اسے کبھی سخت سست نہ کہنا۔

اسلام عمرؓ: حضرت حمزہ کے اسلام نے دارارقم کے شرکاء کی تعداد ۳۹ کردی۔ جن غلاموں نے اسلام قبول کیا تھا، چونکہ اپنے آقاؤں کا ساتھ نہ چھوڑ سکتے تھے۔ وہ دارارقم میں نہ تھے، حضرت حمزہ کے اسلام کے بعد قریش کو حمزہ ہی جیسے بہادر کی فکر ہوئی تاکہ وہ شخص حضور صلعم کا سر کاٹ لائے، اس کام کے لئے حضرت عمر کو تیار کیا گیا حضرت عمر کے اسلام کا قصہ کسی قدر طویل ہے اور بہت دلچسپ ہے - مگر مختصراً اتنا کہنا کافی ہے کہ اسلام کی حقانیت کے وہ اب سے پہلے قائل ہوچکے تھے۔ مگر آبائی دین کی محبت ابھی غالب تھی اس لئے تلوار سونت کر وہ آپؐ کو قتل کرنے کے لئے نکلے، راہ میں ان کو خبر ہوگئی کہ ان کی بہن اور بہنوئی بھی مسلمان ہوچکے ہیں پہلے ان کا قصہ تمام کردینا چاہا - بہن کے گھر پہنچے اور بہن اور بہنوئی کو مار مار کر زخمی کردیا، لیکن بہن کو لہو لہان دیکھ کر دل نرم پڑ گیا - بہن نے کہا مار ڈالو مگر میں کلمہ لاالہ الااللہ اور محمد رسول اللہ سے نہیں پھر سکتی۔ اب حضرت عمر کا دل اور ہی ہوگیا - بہن سے وہ صحیفہ مانگا جو وہ پڑھ رہی تھیں، بہن نے کہا تم ناپاک ہو اور یہ صحیفہ ناپاکوں کو نہیں دیا جاسکتا، اٹھے اور فوراً غسل کیا - پھر صحیفہ لے کر پڑھا اور بے ساختہ کلمہ شہادت زبان سے نکل گیا - حضرت خبابؓ بن الارت جو کہ ان کو قرآن پڑھا رہے تھے اور حضرت عمر کو دیکھ کر ایک کوٹھری میں چھپ گئے تھے باہر نکل آئے اور فرمایا ابھی کل حضرت رسول خدا نے دعا کی تھی خدایا عمر بن خطاب یا عمر بن ہشام (ابوجہل) دو میں سے کسی ایک کو اسلام کی عزت عطا کرکے میری مدد فرما - خدا نے آپ کے حق میں یہ دعا قبول کرلی۔ پھر وہ حضرت عمر کو لے کر دارارقم میں پہنچے اور کارکنان قضا و قدر نے غلغلہ بلند کیا کہ ع آمد آں یارے کی ما می خواستیم۔ حضرت عمر نکلے تھے کہ فرزند عبداللہ کا سر کاٹ لیں مگر اب خود عمر کے لب تھے اور فرزند عبداللہ کا پاؤں۔ سورہ انفال مدنی سورہ ہے اس میں خدا نے فرمایا:

يا ايها النبي حسبك الله ومن
اتبعك من المؤمنين -

(اے نبیؐ تیرے لئے اللہ کافی ہے اور
جتنے مومنوں نے تیرا اتباع کیا۔)

غالباً یہ آیت بھی مدنی ہے، لیکن مفسروں کی روایت کے مطابق یہ آیت حضرت عمر کے اسلام کے عین بعد نازل ہوئی -
(واللہ اعلم بالصواب)

غلاموں کی رہائی: حضرت حمزہ اور حضرت عمر کے اسلام کا زمانہ ۸ ق ھ کے ابتدائی ایام کو قرار دیا جاسکتا ہے - حضرت عمر کے اسلام کے بعد مسلمانوں نے علانیہ تبلیغ شروع کردی - اب تک آپ کا دائرۂ تبلیغ صرف شہر مکہ تک محدود تھا - خدا نے اُم القری ومن حولها یعنے مکہ اور اردگرد والوں کو سمجھانے کا حکم سورۂ قصص اور سورۂ انعام میں اتارا - سب سے زیادہ مصیبت میں وہ مسلمان تھے جو آزاد نہ تھے - اب فک رقبہ (غلاموں کی آزادی) کے لئے جدوجہد کا سلسلہ بھی شروع کیا گیا - حضرت ابوبکر نے اپنی ساری دولت اس کام کے لئے وقف کردی اور تمام غلاموں کو جو مسلمان ہوچکے تھے ان کے مالکوں سے خرید کر آزاد کردیا - ان آزاد ہونے والے غلاموں میں سب سے محترم نام حضرت بلالؓ کا ہے، ان کو گرم ریت پر لٹا کر ان کے سینے پر تپتا ہوا پتھر رکھ دیا جاتا تھا، کوڑے مارے جاتے تھے اور کہا جاتا تھا کہ توحید سے انکار کرنے ہی پر جان بخشی ہوسکتی ہے مگر یہ مرد خدا احد احد چلاتا تھا، پانی بھی پینے کی خواہش ظاہر نہیں کرتا تھا۔ حضرت رسول خدا کا اپنے ماننے والوں پر جو اثر تھا اس کا مقابلہ ان بزرگوار پر مسیحیت کے اثر سے کیجئے جن کو عیسائیوں کے خیال کے مطابق آسمان کی اور جنت کی کنجیاں دی گئی ہیں تو معلوم ہوجائے گا کہ مسلمانوں کا یہ عقیدہ کہ حضور صلعم افضل انبیاء ہیں بے بنیاد نہیں ہے کہاں کوئی مصیبت سہے بغیر محض مصیبت کے خوف سے حضرت مسیحؑ کے خلاف کلمہ کفر بول کر جان بچانا اور کہاں تپتی ریت پر تپتے پتھر سے

دبے ہوئے کوڑے کھانے والے کا احد احد پکارنا۔ حضرت پطرس رحمۃ اللہ کو ہم برا نہیں کہتے کیونکہ ان کی نظیر ہم کو حضرت عمار بن یاسر میں ملتی ہے۔ لیکن پھر بھی فرق ہے۔ کیونکہ حضرت عمار نے باپ اور ماں کی مظلومانہ موت دیکھی اسی مظلومانہ موت کے منہ میں پھنس کر جان بچانے کے لئے کلمہ کفر زبان سے کہہ دیا۔ جسے خدا نے جیسا کہ سورہ نحل میں ہے معاف کر دیا۔ حضرت پطرس کو حضرت مسیح کے اٹھ جانے کے بعد تو ضرور بلالی ایمان عطا ہوا لیکن حضرت مسیح کے زمانے میں ان کا ایمان حضرت عمار کے ایمان جیسا بھی نہ تھا۔ لیکن اگر ہم آج کے مسلمانوں کا ایمان بالرسول اور نصرانیوں کا ایمان بالمسیح ایک ترازو پر رکھیں اور ہم کو شرم اور غیرت خدا نے دی ہو تو شاید مر ہی جانا پڑے گا۔

حصار شعب : ۸ ق ھ اگرچہ مسلمانوں کے لئے نہایت سخت دور تھا لیکن اب سب مومنوں کے دل بلال کے سے ہو گئے تھے، اب کوئی مصیبت ان کے لئے مصیبت نہ تھی، ہر شخص اسلام کا پرجوش مبلغ تھا۔ اطراف و اکناف سے لوگ اسلام کی حقیقت معلوم کرنے کو آنے لگے، قریش کو نہایت فکر لاحق ہوگئی۔ محرم ۷ ق ھ میں تمام اہل مکہ نے جن میں بنو امیہ اور بنو نوفل دو خاندان بنو عبد مناف کے بھی شریک تھے۔ مسلمانوں اور بنو ہاشم اور بنو مطلب سے جو مسلمان نہ ہونے کے باوجود حضرت رسول خدا کے لئے سینہ سپر رہتے تھے ہر قسم کے تعلقات منقطع کر لئے اور ان سب کو شعب ابی طالب میں قید ہو جانے پر مجبور کر دیا اور ایک عہد نامہ مقاطعہ لکھ کر خانہ کعبہ میں اس کو لٹکا دیا۔ دو سال تک ان لوگوں کو شعب ابی طالب میں قید رہنا پڑا۔ اس زمانہ میں جو شدتیں اور تکلیفیں ان کو برداشت کرنی پڑیں، ان کی تشریح طویل ہے۔ صرف ایام حج میں ان لوگوں کو شعب سے نکلنے کا موقع تھا۔ ایام حج میں چونکہ کسی پر ظلم کرنا مشرکین مکہ بھی ناروا سمجھتے تھے اس لئے مسلمانوں کو اسلام کی تبلیغ کا اچھا موقع ملتا تھا۔ دور دور سے حج کے لئے جو لوگ آتے تھے وہ بھی اس نئے دین کی حقیقت معلوم کرنا چاہتے تھے۔ شعب ابی طالب کے زمانہ میں خدا نے وہ سورتیں نازل کیں جن میں ان تمام لوگوں کو اسلام کی طرف بلانے کا حکم دیا گیا ہے جن کے پاس کوئی الہامی نوشتہ نہ تھا۔ شعب ابی طالب سے رہائی کے بعد اہل کتاب کے درمیان بھی تبلیغ کے احکام نازل ہوئے۔

حصار شعب کے ٹوٹنے کی صورت یہ ہوئی کہ ایک روز حضرت رسول خدا نے اطلاع دی کہ قریش نے جو معاہدہ لکھ کر خانہ کعبہ کے اندر محفوظ رکھا ہے۔ اللہ کے نام کے علاوہ تحریر کا ایک ایک حرف دیمک نے چاٹ لیا ہے۔ حضرت ابو طالب ہمت کر کے شعب میں سے نکلے، خانہ کعبہ کے پاس آئے۔ قریش نے سمجھا کہ اب ہمت جواب دے چکی ہے۔ ہماری شرطیں مان لیں گے، لہذا خوشی سے ان کا استقبال کیا، حضرت ابو طالب نے حضرت رسول خدا کا بیان ان کو سنایا۔ قریش نے کہا اگر یہ بیان غلط ثابت ہوا تو تم کو ہماری شرطیں ماننی پڑیں گی اور صحیح ثابت ہوا تو آج سے مقاطعہ ختم کر دیا جائے گا۔ کیونکہ یہ خدائی فیصلہ ہے۔ کاغذ تلاش کیا گیا تو خبر حرف بحرف صحیح تھی اس لئے معاہدہ منسوخ کیا گیا۔ محرم ۵ ق ھ میں حصار شعب سے لوگ باہر نکلے۔

انشقاق قمر:۔ انبیاء اور اولیاء کے تذکروں میں عموماً معجزات کا ذکر کیا جاتا ہے۔ حضرت رسول خدا صلعم کے بھی بہت سے معجزات کتب سیرت میں مروی ہیں لیکن قرآن پاک کے اندر خدا نے معجزوں کو دلیل نبوت نہیں قرار دیا ہے۔ بہتیری آیتوں سے پتہ چلتا ہے کہ کفار بار بار معجزوں کا مطالبہ کرتے تھے۔ لیکن اس مطالبہ کو کسی نہ کسی جواب کے ساتھ مسترد کر دیا جاتا تھا۔ اس لئے بہتیرے اصحاب ان آیتوں کی دلیل سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ آپ نے کوئی معجزہ نہیں دکھایا۔ لیکن یہ بات غلط ہے کیونکہ سورہ انعام میں خداوند عالم نے فرمایا کہ:۔

وقالوا لولا نزل علیہ آیۃ من
ربہ قل ان اللہ قادر علی ان
ینزل آیۃ ولکن اکثرھم
لا یعلمون۔ (انعام ۳۷)

اور انہوں نے کہا اس پر اس کے رب کی طرف سے کوئی (معجزانہ) آیت کیوں نہ اتاری گئی جواب

دے کہ اللہ اس پر قادر ہے کہ کوئی آیت نازل کر دے، لیکن بہتیرے لوگ نہیں جانتے (کہ کیا بات کس بات کی دلیل ہوتی ہے۔)

واقسموا باللہ جھد ایمانھم لئن جاءتھم آیۃ لیؤمنن بھا قل انما الآیات عنداللہ وما یشعرکم انھا اذا جاءت لا یؤمنون:۔ (انعام ۱۰۹)

اور ان لوگوں نے اللہ کی پکی قسمیں کھائیں کہ اگر ان کے پاس کوئی (معجزانہ) آیت آ جائے گی تو وہ اس پر ایمان لائیں گے اور تم لوگ نہیں جانتے کہ جب وہ آئے گی تب بھی وہ ایمان نہ لائیں گے

واذا جاءتھم آیۃ قالوا لن نؤمن حتی نؤتی مثل ما اوتی رسل اللہ ۔ (انعام ۱۲۴)

(اور جب ان کے پاس ایک آیت آ گئی، تو کہنے لگے کہ ہم اب بھی نہ مانیں گے۔ یہاں تک کہ ہم کو بھی اس کا مثل دیا جائے جو اللہ کے رسولوں کو دیا گیا۔

ان آیتوں کے باوجود جو لوگ اس بات کے منکر ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلعم سے بھی معجزے سرزد ہوئے، وہ غلطی پر ہیں۔ البتہ خدا نے معجزوں کو دلیل نبوت نہیں مانا ہے۔ کیونکہ مردہ جلا دینا جس طرح کسی کے اچھے وکیل ہونے کی دلیل نہیں اسی طرح مردہ جلا دینا اس بات کی دلیل بھی نہیں کہ میں جو تعلیم دیتا ہوں وہ برحق ہے دلیل اور مدلول میں رابطہ ہونا چاہئے۔ مردہ جلانا اس بات کی دلیل ہے کہ اسی طرح قیامت کے دن خدا مردوں کو زندہ کر دے گا مگر اس بات کی دلیل نہیں کہ جھوٹ بولنا بری بات ہے حضور صلعم سے جو معجزے سرزد ہوئے ان میں سے ایک کی طرف قرآن میں بھی اشارہ کیا گیا ہے خدا نے فرمایا۔

اقتربت الساعۃ وانشق القمر
وان یروا آیۃ یعرضوا ویقولوا
سحر مستمرہ

قیامت کی گھڑی قریب آ گئی اور چاند میں شگاف پڑ گیا اور اگر یہ لوگ کوئی آیت دیکھیں گے تب بھی اعراض کریں گے اور کہیں گے کہ چلتا ہوا جادو ہے۔

اسی آیت کی بنا پر کفار نے وہ قسم کھائی تھی جو انعام ۱۱۰ میں مذکور ہے ان کے قسم کھانے کے بعد ایک رات حضرت رسول خدا نے لوگوں کو بلا کر چاند کی طرف انگلی اٹھائی اور فرمایا دیکھو تو لوگوں نے دیکھا کہ چاند پھٹ کر دو ہو گیا ہے، یہ واقعہ ۵ ق ھ کا ہے روایتوں میں اس واقعہ کی تفصیلات ملیں گی۔

قرآن کا دعویٰ تھا کہ چاند میں شگاف پڑ گیا ہے۔ یہ دعویٰ نہ تھا کہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا ہے، جرم فلک کا حادثہ صرف یہ تھا کہ اس میں کسی زلزلہ کی وجہ سے شگاف پڑ گیا لیکن جب لوگوں نے اس کا قابل دید ثبوت مانگا تو آپؐ نے چاند کی طرف اشارہ کیا تو ان کو ایسا نظر آیا کہ چاند پھٹ کر دو چاند ہو گیا، جرم فلک پر گزرنے والے حادثہ کا آنکھوں سے نظر آنے والا منظر ایک ثبوت تھا۔ جرم فلک میں جب شگاف پڑا تو اس کے اندر کوئی چیز دخان جیسی نکل کر متموج ہو گئی اور اس کے تموج نے چاند کو دو کر کے دکھا دیا۔ اس موقع پر ایک شعر نقل کرنے کو جی چاہتا ہے جسے میری چشم دید گواہی سمجھئے:۔

تیری موجوں میں چھپا ہے رازِ وانشق القمر
رود گنگا تیری گودوں میں بکھر جاتا ہے چاند

۴ ق ھ میں حضرت ابوطالب اور حضرت خدیجہ نے وفات پائی، حضرت رسولؐ خدا نے اس سال کو عام الحزن کا نام دیا۔ شوال یا ذی قعدہ ۴ ق ھ میں آپ نے حضرت زید بن حارثہ کو ساتھ لیا اور بغرض تبلیغ طائف کو روانہ ہوئے۔ لیکن سرزمین طائف آپ کے لئے مکہ سے بھی زیادہ تکلیف دہ ثابت ہوئی۔ بنو ثقیف نے آپؐ کی باتیں سننے سے انکار کر دیا، اور کہا "کیا اللہ کو رسول بنانے کے لئے کوئی اور شخص نہیں ملا"۔ پھر انہوں نے چھوکروں کو اکسا دیا کہ یہ شخص مجنون ہے اب تم جانو اور یہ مجنون

(باقی صفحہ ۱۶۴ پر)

مکمّل زندگی، مکمّل نمونہ

عبدالقدوس ہاشمی

اسلام ایک سادہ سا عملی مذہب ہے، اس میں فلسفیانہ موشگافیوں کی گنجائش بہت ہی کم ہے، نہ فلاطونی اشراقیت اور نہ نوفلاطونی استدلالیت، ان میں سے کسی کی ضرورت عملی زندگی میں پیش نہیں آتی، اور سچّی بات بھی یہی ہے کہ بقول اقبالؒ :

حاصل ہے خرد کا بے حضوری
ہے فلسفہ زندگی سے دوری
افکار کے نغمہ ہائے بے صوت
ہیں ذوقِ عمل کے واسطے موت

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ابتدا سے وفات تک ہر جگہ اور ہر موقع پر اپنی ہی زندگی کو بطور عملی نمونہ کے پیش کیا، اور مسلمانوں نے وہی رنگ اپنی حیات کے لئے اختیار کیا جو حضور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلّم کا تھا۔ قرآن مجید نے بار بار یہ تاکید فرمائی کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرو، ان کو زندگی کا بہترین نمونہ سمجھو۔

بہ ظاہر یہ ایک معمولی سی بات معلوم ہوتی ہے کہ کسی جماعت کو اپنے پیشوا کی اتباع کرنے کے لئے کہا جائے، لیکن ذرا غور کیجئے تو یہ ایسی غیر معمولی جرأت اور اتنا بڑا کمال ہے کہ شاید اس کی کوئی دوسری مثال نہ مل سکے، انبیاء علیہم السّلام کے سوا کون ہے جو اپنی زندگی کو دنیا کے سامنے بطور نمونہ پیش کرنے کی جرأت کر سکے، کوئی دوسرا پیشوا، مصلح فاتح، بادشاہ، استاد یا فلسفی تاریخ میں نظر نہیں آتا جس کی زندگی ہر پہلو اور ہر اعتبار سے ایک مکمل اور نمونہ کی زندگی ہو اور وہ پوری جرأت و بے باکی کے ساتھ اپنی خلوت و جلوت کی زندگی کو ساری انسانیت کے لئے بطور ایک مثالی زندگی کے پیش کر سکے۔ دنیا میں ہزاروں ہی بڑے لوگ پیدا ہوئے، اور آج بھی ہوتے رہتے ہیں، لیکن ذرا گہری نظر سے دیکھئے تو ان میں سے کوئی زندگی ہر پہلو سے مکمل نظر نہیں آتی۔ ایک آدمی اگر اچھا رہنما نظر آتا ہے تو اچھا باپ نہیں دکھائی دیتا، دوسرا اچھا باپ دکھائی دیتا ہے تو اچھا سپاہی نہیں ہوتا، ایک بہادر سپاہی ہوتا ہے تو اس میں رحم و انصاف کی کمی نظر آتی ہے۔ دوسرا بڑا رحیم آدمی ہوتا ہے تو اس میں منصفانہ احکام کے نفاذ کی قوت کم ہوتی ہے۔ آج اس زمانہ میں دیکھئے یا قدیم بزرگوں کے حالات پر نظر ڈال کر غور و فکر کیجئے، یہ دیکھ کر آنکھیں کھل جاتی ہیں کہ کوئی زندگی بھی ہر پہلو سے مکمل نظر نہیں آتی۔ اسی زمانہ میں دیکھئے ایک اعلیٰ درجہ کا سائنس داں، اپنے فن میں اور شوق و تجسّس میں اگر انہماک و توغل کا بے مثال نمونہ نظر آتا ہے تو آپ دیکھیں گے کہ وہی شخص اپنے کنبہ اور گھرانے کے لئے بالکلیہ بے کار ہستی ہے۔ اسی طرح ایک فلسفی اپنی پوری صلاحیتوں کے ساتھ فلسفیانہ مسائل کے حل میں منہمک تو دکھائی دے گا لیکن ایک اچھا ہمسایہ اور ایک اچھا باپ نظر نہیں آتا۔ اپنے گرد و پیش نظر ڈالئے آج بھی اچھے اور غیر معمولی صلاحیت رکھنے والے لوگ ہزاروں نہیں تو سیکڑوں کی تعداد میں مل جائیں گے، ایک اچھا جج، ایک بہترین منتظم، ایک ماہر ایڈوکیٹ، ایک کامیاب قائد، ایک مخلص مصلح، سب ہی قسم کے لوگ دکھائی دیتے ہیں، لیکن پوری توجہ کے ساتھ دیانت داری سے ان کی سیرتوں کو جانچئے، کیا ان میں سے ہر ایک نے اپنی زندگی کے دوسرے پہلوؤں کو قربان کر کے اور انسانی سیرت و کردار کی بے شمار تابناکیوں کو ظلمت و غفلت کے حوالہ کر کے کسی ایک پہلو سے اپنے آپ کو کامیاب نہیں بنایا ہے، کیا کسی ایک اعتبار سے کامیاب اور ممتاز شخصیت حاصل کرنے کے لئے ہر کامیاب آدمی نے اپنا سب کچھ قربان نہیں کر دیا ہے؟ کسی کامیاب ترین صنعت کار کو آپ نے دیکھا یا سنا ہے کہ اس نے غریب مزدوروں کی آبادی کو ڈاکوؤں سے بچانے کے لئے کسی اندھیری رات میں شجاعت اور بہادری کا ثبوت دیا ہو؟ کسی کامیاب دینی پیشوا کے متعلق آپ نے کہیں یہ پڑھا ہے

کہ اس نے کسی میدانِ جنگ میں کامیابی کے ساتھ سپہ سالاری کے فرائض بھی انجام دئے ہوں۔ کیا ایسا کوئی نمونہ آپ کی نظر سے گزرا ہے کہ ایک باکمال تاجر ایک باکمال واعظ، پیشوا، سربراہِ حکومت اور ایک کامیاب سپہ سالار بھی ثابت ہو، اور ساتھ ہی وہ شخص ایک اچھا ہمسایہ ایک اچھا باپ، ایک اچھا شوہر اور بہترین بھائی بھی نظر آئے۔

شاید آپ کو یہ خیال ہو کہ پچھلے زمانوں کے بڑے لوگ ایسے ہوتے ہوں گے، اگرچہ آج تو ایک شخص بھی ہر اعتبار سے مکمل نہیں ملتا، لیکن اُن بزرگوں کی سیرتیں آپ کو مکمل مل جائیں گی جنہیں آج انسانیت سے بلند ترین مقام دے کر دنیا والوں نے خدائی اور آفریدگاری کی مسندوں پر بٹھا دیا ہے، لیکن دیکھئے یہ خیال محض خیالِ خام ہے۔

تاریخ عالم شاہد ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی انسان ایسا پیدا نہیں ہوا جس نے خود اپنی ہی زندگی کو اپنی دعوت کی صداقت کے لئے بطور دلیل پیش کیا ہو؛ یہ بڑا ہی مشکل بلکہ ناممکن کام ہے کہ کوئی مصلح، قائد، یا پیشوا ایسی جرأت کر سکے، اور اپنی ہی زندگی کو اپنے دعوی کی صداقت کے لئے بطور دلیل پیش کر دے، لاکھوں اور کروڑوں عیب جو آنکھیں اُسے کبھی معاف نہیں کریں گی، اور اس کی زندگی کا سب سے کمزور پہلو ان آنکھوں سے چھپا ہوا نہیں رہ سکے گا۔

انسانوں کو اس دنیاوی زندگی میں کبھی باپ کے فرائض کبھی بیٹے کے فرائض انجام دینے ہوتے ہیں۔ سرداری، سپہ سالاری، حاکم، تاجر بننا پڑتا ہے۔ غربت و افلاس کا دور بھی دیکھنا پڑتا ہے۔ اور خوشحالی اور فراوانی سے بھی واسطہ پڑتا ہے، بال بچوں کی موت کا غم بھی آتا ہے اور ساتھ ہی ظالم کا مقابلہ بھی کرنا پڑتا ہے، مظلوم کی امداد کرنی پڑتی ہے، اپنے لئے ضروریاتِ زندگی کی بہم آوری کی مہم بھی سر کرنی پڑتی ہے۔ پوری قوم کی رکھوالی کے لئے اپنی آسائش کو قربان کرنا پڑتا ہے۔

دنیا میں انسانوں کی عملی زندگی تو یہی ہے، اور ہمیں نمونۂ کردار تو اسی زندگی کے لئے چاہئے، اب اگر کسی ہادیٔ دین کی سیرت ہماری عملی زندگی میں کوئی رہنمائی نہیں کر سکتی تو ہمیں رہنمائی اور ہدایت کہاں سے میسر آئے گی؟ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالی نے کبھی کسی کی زندگی کو بطور نمونہ دنیا کے سامنے رکھ کر دنیائے انسانیت کو اس کی اتباع کا حکم نہیں دیا بجز ایک اور صرف ایک شخص کی سیرتِ طیبہ کے اور وہ شخص حضور سرور کائنات فخر موجودات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اسی طرح دنیا کے کسی آدمی کی مکمل سیرت محفوظ و متواتر باقی نہیں رکھی گئی، کیونکہ اس کی کوئی ضرورت بنی نوعِ انسان کو نہ تھی۔ نہ کسی مصلح کی سیرت ہمارے پاس محفوظ ہے اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور شخص کی سیرت کے تمام پہلو ہی ہمارے سامنے ہیں۔

چونکہ خداوند تعالی نے نمونہ کی زندگی صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ ہی کو قرار دیا، اس لئے صرف آپ کے ہی حالات کی تاریخی طور پر حفاظت بھی کی گئی، اور صرف آپ ہی ایک ایسے شخص ہیں جنہوں نے اپنی زندگی کے ہر پہلو کو دنیا کی نظروں کے سامنے اتباع اور پیروی کے لئے پیش فرمایا، اور بار بار تاکید کی کہ جو کچھ میرے اقوال سنو، یا اعمال دیکھو، اسے چھپاؤ نہیں، اپنے ہی تک محدود بھی نہ رکھو؛ بلکہ زیادہ سے زیادہ اس کی اشاعت کرو، دوسروں کو سناؤ، دوسروں کو اس کی اتباع کرنے کی تاکید کرو، مسلمانوں ہی کو نہیں بلکہ اپنے شدید ترین مخالفوں کو، ابو جہل اور ابو لہب کو مخاطب کر کے بھی آپ نے تبلیغ اسلام کے اوّلین مرحلہ ہی میں خود اپنی سیرت و کردار کو بطور دلیل صداقت پیش فرما دیا۔ اور بار بار کہا کہ:

"سمجھتے ہو تم مجھ کو صادق کہ کاذب؟"

یہ ایک ایسی ہمت و جرأت ہے کہ عام انسان تو کیا کوئی دوسرا دینی پیشوا بھی نہیں کر سکتا، ہر آدمی میں کوئی نہ کوئی کمزوری ہوتی ہے، اور کبھی نہ کبھی اس سے کوئی ایسا قول یا فعل سرزد ہوتا ہے جس کو خود اس کی نظر بھی عیب اور قابلِ گرفت قرار دیتی ہے، وہ خوب اچھی طرح جانتا ہے کہ اس پر بعض ضروری امور سے تغافل اور بعض غیر ضروری بات میں توغل کا الزام عائد کیا جا سکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دنیا میں کبھی کوئی ایسا آدمی پیدا نہیں ہوا جس کو خود اپنے بعض اقوال و اعمال میں عیب یا کم از کم ناپسندیدگی کا پہلو نظر نہ آتا ہو، یہ تو صرف آپ ہی کی زندگی ہے جس کو خداوند تعالی نے مکمل ترین انسانی حیات اور اعلی ترین نمونۂ کردار بنا کر بھیجا تھا، اور حکم دے دیا تھا کہ:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

کہہ دو! اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میرے نقشِ قدم کی پیروی کرو، اللہ تعالے تم سے محبت کرے گا۔

اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ ان کی سیرت

(باقی صفحہ ۱۹۲ پر)

مطلعِ انوار

نازش حیدری

غمِ حیات کی شدّت میں تھا اسیر مَیں کل
چھلک کے رہ گئے آنکھوں میں یاس کے بادل
قدم قدم پہ نمایاں سلامتی کی شکست
سخن سخن تھا گلو گیر جیسے دامِ اجل
نظر نظر میں روایاتِ گردشِ ایّام
نفس نفس کی فضا بارِ ضبط سے بوجھل
خوشی کا دور تھا ممنوعہ نخلِ جنّت سا
بلا رہا تھا گناہوں کی سمت جس کا پھل
ہر ایک سانس اذیّت کا جال بُنتا تھا
ہر ایک گام پہ تھا نظمِ زندگی میں خلل
ہوائے گردشِ دوراں کے چند جھونکوں سے
کچھ اور پھیل گیا اضطراب کا آنچل
چمک کے چاند دُھندلکوں سے ہمکنار ہوا
طلوع جب ہوا سورج تو چھا گئے بادل
ہر ایک لمحہ یہ اندیشہ کھا رہا تھا مجھے
اجل نواز نہ ہو زندگی کا ردِّ عمل
بہ راہِ گردشِ آفاق کا غبار بنا
دکھا رہے تھے شب و روز اس قدر کس بل
نہ دن پہ کوئی یقیں تھا نہ رات تھی مری رات
زمانۂ گذراں میں ہوا یہ ردّ و بدل

نہیں ہوا تھا ابھی اہتمامِ شانہ کشی
پڑے ہوئے تھے ابھی زلفِ کائنات میں بل
سنایا مژدہ کسی نے ربیع الاوّل کا
کہا کسی نے کہ ہے رویتِ ہلال افضل
زہے نصیب کہ ماہِ مبارک آپہنچا
کہ جس سے ٹوٹ گئے گردشوں کے شش محل
صدا یہ غیب سے آئی کہ اے خرابِ الم
یہی ہے رشد و ہدایت کی آخری مشعل
وہ دیکھ مطلعِ عالم ہے مطلعِ انوار
زمیں پہ پھیل گئے مہر و ماہ کے آنچل
چمک اٹھا وہیں جوہر مری طبیعت کا
پڑھا یہ مطلعِ روشن بپاسِ نورِ ازل
ادب کہ اے دلِ بے تاب، اے نگاہ سنبھل
ظہورِ قدسی خیر الانام کا ہے عمل
وہ جس کی ذات سے تکمیلِ دینِ فطرت ہے
نگاہ جس کی بہر طور احسن و اکمل
وہ کائنات کا محسن وہ زندگی کا طبیب
کہ جس کی ایک نظر لاکھ حادثوں کا بدل
طلوعِ مہرِ نبوت کا احترام نہ پوچھ
ادب ہے گا یہاں چشمِ ہوش کا کاجل

ملی وہ منزلِ معراج سرورِ دیں کو
جہاں نہیں ہے فرشتوں کو اذنِ دخل و عمل
اسی کی ایک نظر سے بہار کو ہے فروغ
اسی کے واسطے نکہت فزا ہیں دشت و جبل
اسی کی بھیک سے زندہ ہیں مہر و ماہ و نجوم
کھلے ہوئے ہیں اسی سے یہ آسماں کے کنول
روانی اس کے جلو میں، سکوں بھی اس کے حضور
یہ استقامتِ ساحل یہ موج کی ہلچل
اسی کے واسطے قائم ہے شب کے دامن پر
یہ کہکشاں کی دل افروز نقرئی جدول
بہر زماں وہ نمائندہ ذاتِ باری کا
حدودِ ارض و سما میں سفیرِ عزّ و جل
ہوئی مشیتِ ربّی کی اس طرح تشکیل
ابد کے طاق پہ روشن کیا چراغِ ازل
میں وہ کہ اس کے کفِ پا کا ایک ذرّۂ خاک
مرے لئے ہے مری زندگی کا رنگ محل
ظہورِ جلوۂ سالارِ انبیاء تک ہے
یہ اختلافِ عقائد یہ طرزِ جنگ و جدل
خدا کرے کہ ہوائے مدینہ آجائے
نفس نفس کے مسائل کا ہے یہی اک حل

درود اس پہ جو ممدوح ہے مرا نازشؔ
سلام اس پہ کیا جس نے دیں کو اکمل

عطیاتِ محمدیؐ

سید ہاشمی فریدآبادی

تاریخ مذہب کا مطالعہ کرنے والے یہ مشاہدہ کئے بغیر نہ رہ سکیں گے کہ پیغمبر اسلام (علیہ التحیاۃ والسلام) نے تمام انبیائے سلف کی تصدیق و تعظیم کو شرطِ ایمان قرار دیا۔ خاص طور پر حضرت مسیحؑ اور ان کی والدہ ماجدہ، کی بڑی ستائش فرمائی۔ قرآن مجید میں حضرت ممدوح کی خرق عادت ولادت، پیدا ہوتے ہی کلام کرنا، پھر مُردوں کو جِلا دینے تک کے متعدد معجزات بہ تکرار گنائے گئے (آل عمران ع ۵ سورہ مریم ع ۲)۔ اور قیامت کے ایک منظر میں بھی ان کا عقیدۂ تثلیث سے تبری کرنا، رحمت الٰہی سے اپنی امت کو بخشوانے کی التجا نہایت پُر اثر الفاظ میں بیان کی۔ (المائدہ، ۱۲۶) حضرت مریم کو نہ صرف ہر قسم کی تہمت سے پاک ثابت کیا بلکہ تمام دنیا کی عورتوں ("نساء العالمین") میں برگزیدہ ٹھہرایا (آل عمران ۵۶) اس درجہ واضح اور مؤثر حمایت کے باوجود عیسائی دنیا ہی پیغمبر اسلام (علیہ التحیاۃ والسلام) سے نہ صرف ناراض بلکہ سخت عداوت میں سرگرم پائی جاتی ہے اور آج تک گہرے تعصب و عناد کا اظہار کر رہی ہے زیادہ حیرت، انگریز اور اب ان کے جانشین، ولایت ہائے متحد امریکہ والوں پر ہوتی ہے، جن کو مسلمانوں سے کوئی آزار یا قومی نقصان کبھی نہیں پہنچا۔ مگر پھر بھی وہ دوسری عیسائی قوموں سے کچھ زیادہ ہی اسلام دشمنی کے مرض میں مبتلا نظر آتے ہیں۔

ان تعصبات کے بعض تاریخی اور نفسی اسباب سے اہل علم آگہی رکھتے ہیں۔ اس لئے یہاں ان کی تصریح کا موقع نہیں۔ البتہ یہ اور جتا دینا مناسب ہوگا کہ گذشتہ دو صدی میں بہت سے الزام جو پادریوں نے اسلام پر لگائے اور عیسائی یورپ میں پھیلائے تھے، سراسر جھوٹے ثابت ہو چکے ہیں۔ اسلام کی آسمانی کتاب: قرآن مجید، اب قطعی صحت کے ساتھ دنیا کے سامنے کھلی ہوئی موجود ہے۔ اکثر زبانوں میں اس کے ترجمے اور خود مغربی مستشرقین میں اس کے عربی متن کی نسبت کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہی۔

یہ اس عجیب دعوے انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون کی روشن تصدیق ہے جو ساڑھے تیرہ سو برس پہلے ایسے ملک اور زمانے میں کیا گیا تھا جہاں لکھنے کا سامان میسر نہ تھا اور لکھنے والے بھی معدودے چند ہی تھے۔ پھر یہ واقعہ کہ ہر دور میں ایسی قوموں کے ہزاروں افراد ــــ عربی جیسی سخت نحوی زبان سے مطلق ناواقف افراد ایک غیر منظوم، خاصی بڑی کتاب کو زیر زبر میں کامل صحت کے ساتھ حفظ کرتے رہے۔ قرآن کا محض معجزہ ہی نہیں بلکہ صریحی دلیل بھی ہے کہ یہ اسی مصنف کا کلام ہو سکتا ہے جس نے انسان کے حافظہ اور نطق کو اس کلام کے مناسب و مطابق تخلیق کیا۔

کہتے ہیں صرف محمد مارماڈیوک پکھتال مرحوم کا انگریزی ترجمۂ قرآن، لاکھوں کی تعداد میں مسیحی دنیا میں نشر ہو رہا ہے۔ غرض یہ کہ عقائد، عبادات، اخلاق وغیرہ کی اصل قرآنی تعلیم آج اس طرح محفوظ و بہ ہیں ہمارے سامنے ہے کہ اور کسی بڑے مذہب کی اصل تعلیم اس طرح صحیح سلامت نہیں رہی۔ یہی دعویٰ بانیٔ مذہب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرتِ شریف کی صادق اور "ان الذین عند اللہ الاسلام" کی بدیہی تفسیر ہے۔ البتہ اس کتاب و سنت کے معارف و معانی

جاننے کے لئے ہمیں عربی زبان کے اساتذہ اور مستند علمائے دین کی طرف ہی رجوع کرنا ہو گا۔

قرآن کا سب سے نمایاں اور تاکیدی پیام توحید الٰہی ہے۔ اس کی قطعیت اور تواتر کی خصوصیت کا غیر مسلم بھی اعتراف کرتے ہیں۔ یہ تعلیم، سب وسائل و وسائط کو چھوڑ کر براہِ راست انسان کو خدائے کائنات سے تعلق پیدا کرنے کی دعوت دیتی ہے۔ قرآن کی یہ پُرہیبت و جلالت آواز اس وقت بلند ہوئی جبکہ دنیائے معلومہ عموماً تثلیث، تنویت، شرک و بت پرستی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ یہی اہل عرب کا مذہب تھا۔ وہ خالق کُل کے وجود سے انکار نہیں کرتے تھے۔ مگر بہت سی غیبی طاقتوں کو بھی انسانی یا دنیاوی معاملات میں کارساز حقیقی مانتے تھے۔ ایک حیّ و قیوم، حاضر و ناظر، خالق و پروردگار کا تصور جس قوت اور وضاحت سے اسلام نے دنیا کو دیا کسی انسانی یا الہامی کتاب میں اس کی مثال نہ پہلے تھی نہ آج تک دیکھی جا سکتی ہے۔

(ب) محمدؐی تعلیم کی دوسری خصوصیت مساواتِ انسانی کا وہ عجیب عقیدہ ہے جس نے ملک، و وطن، نسل و قوم، رنگ و نسب، دولت و افلاس کی ساری تفریقوں کو یک قلم کالعدم کر دیا۔ تمام نوع بشر کو ایک باپ کی اولاد، اور ایک ہی کنبے کے افراد قرار دیا ـــــ صرف اصولی اور اعتقادی طور پر نہیں، بلکہ فی الواقع عملاً حبشی غلاموں کو اشراف قریش پر فضیلت کا حق دار بنا دیا۔ (زیدؓ۔ بلالؓ، طیب المطیبؓ عمارؓ وغیرہم کی طرف دیکھئے) فیلپ حتّی اپنی تاریخ عرب (ص ۱۶۲) میں لکھتا ہے کہ بازنطی والیٔ مصر (کائرس۔ عربی مقوقس) یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ شرائط صلح کے لئے مسلمانوں کا جو وفد آیا، اس کا رئیس ایک حبشی تھا! ممالک اور غلاموں کی بادشاہیاں اسلامی تاریخ کے مشہور ابواب ہیں جن کی تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں۔

(ج) غالباً اس قرآنی حکم کو کہ یتامیٰ کی املاک کی حفاظت کا بندوبست قوم کا ذمہ ہے (النساء ۱۔ بنی اسرائیل ۳۶)

ہم اسی انسانی برادری کے تصور پر مبنی کر سکتے ہیں۔ کسی دوسری قوم یا معاشرہ میں ایسا قانون ضروری نہیں سمجھا گیا۔

لاوارث یا مجہول النسب بچوں کی پرورش گاہیں جو عالمی جنگوں کے بعد یورپ میں بنیں، دوسری نوعیت رکھتی ہیں اور عام شہریوں کے یتیم بچوں کے لئے نہیں ہیں۔

انسانی برادری کا بھی بنیادی تصور اسلامی شریعت میں سود (ربا) کی قطعی حرمت کا باعث ہوا اور اس کے لئے ایسے تہدیدی الفاظ میں ممانعت کی گئی کہ پڑھ کر دل کانپنے لگتا ہے۔ بایں ہمہ مغربی استیلا اور بظاہر یہودی ساہوکاروں کے اثر) سے مسلمان بھی اس کی زد سے نہ بچ سکے، اور معتنم مستثنیات کو چھوڑ کر، ہم میں سے اکثر دانستہ، یا نادانستہ، اس کے چکر میں گھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اسلامی حکومتیں بھی اس کی زد سے باہر نہیں۔ مسلمان تاجر، کارخانہ دار، اور اہل ثروت (الاماشاءاللہ) سب ہی سودی کاروبار میں کسی نہ کسی عنوان سہیم و شریک ہیں۔ اور یہ دیکھ کر تو بہت ہی افسوس ہوتا ہے کہ وہ صاحبان شریعت جو پہلے اس کے سخت مخالف تھے، سرمایہ دار بننے کے بعد اس کے مؤید ہو گئے ہیں اور "تجارتی منافع" اور "نفع" وغیرہ کے شرعی حیلوں سے جواز پیدا کر رہے ہیں۔

سرمایہ اندوزی کی جڑ سُود ہے۔ میرے علم کے مطابق اشتراکی نظام میں سودی سرمایہ کاری کی اس جڑ پر بھی ضرب لگائی گئی ہے۔ کوئی تعجب نہیں کہ لادین اشتراکیت میں حرمتِ ربا کے قرآنی اصول پر عمل کیا جا رہا ہو۔ ہر قسم کے سودی کاروبار میں ـــ بینک کے سود سمیت ـــ قباحت ہی قباحت ہے اور اس کے اقتصادی نقصانات کو تو اب بعض مغربی ماہرینِ مالیات بھی تسلیم کر رہے ہیں مگر ساتھ ہی یہ اعتراف بھی کرتے ہیں کہ تہذیب حاضر کے تار و پود میں یہ چیز اس قدر سرایت کر چکی ہے کہ بغیر کسی عظیم عالمی انقلاب کے نوع انسانی کو اس تسمہ پا سے نجات نہیں مل سکتی۔

(د) اسلام کے دو اور قانون قمار و مسکرات کی ممانعت ہیں جن کے نقصانات علم اور تجربے سے برابر آشکارا ہو رہے ہیں۔

باقی ص ۱۶۳ پر

پیکرِ نور

زہے شکوہ کہ اندر طراز صورت تو
زخود برآمدن صورت آفرین پیداست
(غالب)

وجاہت سونی پتی

نورِ خدا عیاں ہے نبیؐ کے وجود میں
ہر جلوہ معتبر ہے نبیؐ کے حدود میں

یہ وہ حدود ہیں کہ پرے لامکاں سے ہیں
یکسر بلند ذہنِ بشر کے گماں سے ہیں

سب عالمِ مثال کی تخلیق انؐ سے ہے
خلاقِ کائنات کی تصدیق انؐ سے ہے

انؐ سے بہارِ شام و سحر عطر بیز ہے
انؐ سے ہر ایک نجمِ فلک نور خیز ہے

انسانیت کی عظمت و سطوت انہیؐ سے ہے
آئینہ کارِ جلوۂ فطرت انہی سے ہے

وہؐ رحمتِ خدائے جہاں کا ثبوت ہیں
لطف و کرم کی موجِ رواں کا ثبوت ہیں

وہ آئے اور ظلمتِ باطل فنا ہوئی
وہ آئے اور نور فشاں ہر فضا ہوئی

انؐ کا وجود زینتِ بزمِ حیات ہے
انؐ سے ہی مستنیر وجاہت کی ذات ہے

تفسیرِ واللیل

راغب مراد آبادی

وہ فخرِ دو عالم وہ رسولِؐ عربی
قربان بنامِ پاکش امی و ابی
ہے رازِ نجات اس کا بیاں اے راغبؔ!
ذکر اس کا ہے سرنامۂ نطقِ ادبی

اسلام کا پیغام سنایا تو نے
سوئی ہوئی دنیا کو جگایا تو نے
اے رہبرِ کائنات اے ختمِ رسل!
انساں کو انسان بنایا تو نے

واللیل کی تفسیر ہے گیسوئے رسولؐ
والشمس کی تصویر جلی روئے رسولؐ
سرچشمۂ نورِ حق ہے اک اک ذرہ
چمکتے ہیں مہ و مہر سرِ کوئے رسولؐ

اللہ کی رحمت کا جو بادل چھایا
بخشش کا پیام اس جہاں نے پایا
کیوں کر ہوں صفات اسکے بیاں جس کیلئے
لولاک لما خلقت الافلاک آیا

دنیا طلبی سے اور کیا ہوتا ہے
لالچ انساں کا سوا ہوتا ہے
دنیا کی وجاہت کو سمجھتا ہے وہ ہیچ
جو شخص ترے در کا گدا ہوتا ہے

یا شاہِ امم، لطفِ مجسم تم ہو
فخرِ ایوب و ابنِ مریم تم ہو
"اتممت علیکم" ہے خدا کا ارشاد
کیسے نہ کہوں رحمتِ عالم تم ہو

نقیبِ حشمِ پیغمبرؐ[1]
(مسجدِ نبویؐ)

محشر رسول نگری

وہ جس کا ذوق اس حد تک پہنچ گیا ہو کہ وہ ہو ہی مستقلاً "رسول نگری" یعنی فنا فی الرسول۔ وہ کیوں نہ خوبیِ قسمت پہ اپنی ناز کرے؛ جناب محشر رسول نگری اس فضیلت کے ساتھ ہی التزاماً فنا فی النعت بھی ہیں۔ چنانچہ ان کا مدحتِ رسول پر مشتمل شاہکار "فخرِ کونین" اس شرف کا آئینہ دار ہے۔ ذیل کا جریدۂ رنگیں ساغرِ شوق کے دور ثانی کتاب کے حصہ دوم ــــ کی سرمستیوں کا حاصل ہے ــــ خوشا وہ وقت کہ دیدارِ عام ہو اس کا!

اس شہ پارہ کا مزید شرف و امتیاز یہ ہے کہ بہ قولِ مصنف گذشتہ برس کوئٹہ کے ایک تعلیمی ادارے کے پرنسپل اسے نقل کرکے حج کے موقع پر مدینہ منورہ لے گئے تھے اور وہاں بارگاہِ نبویؐ کے حضور اسے مجمعِ کثیر میں پڑھ کر سنایا تھا، جس کے عجیب و غریب اثرات اسی شب میں نے کوئٹہ میں محسوس کئے۔

ہم اور دیگر حلقہ بگوشانِ رسولؐ ان عجیب و غریب اثرات کی نعمتِ عظمیٰ سے محروم کیوں ہوں؟ (ادارہ)

اے یادگارِ طاعتِ سردارِ دوسرا — اے رازدارِ صحبتِ محبوبِؐ کبریا
آتی ہے تجھ سے آج بھی خوشبوئے مصطفٰےؐ — تجھ کو شمیمِ زلفِ محمدؐ کا واسطا
جام اک ولائے ختمِ رسلؐ کا پلا ہمیں
دیکھا ہے تیری آنکھ نے جو کچھ دکھا ہمیں

کچھ التفاتِ ساقیِ دوراں کا ذکر کر — گل ریزیٔ تبسمِ پنہاں کا ذکر کر
روئے نبیؐ کا مصحفِ قرآں کا ذکر کر — صدق و صفا کا، فقر کا، عرفاں کا ذکر کر
عشق و رضا کا نقطۂ آخر بتا ہمیں
آئینۂ جمالِ پیمبرؐ دکھا ہمیں

ہم سے بیان کر تو سراپائے مصطفٰےؐ — لفظوں ہی میں دکھا رخِ زیبائے مصطفٰےؐ
رکھتے ہیں دل میں ہم بھی تولائے مصطفٰےؐ — یہ تیغ ہے، یہ سر ہے، یہ سودائے مصطفٰےؐ
بیشک جنونِ عشق کا تو امتحان کر
لیکن حدیثِ محفلِ جاناں بیان کر

---

[1] حضرت بلالؓ کی طرح مسجد نبوی بھی تو نقیبِ حشمِ پیغمبرؐ ہے۔ جہاں زمانۂ رسولؐ میں روز و شب حضرت بلالؓ کی بانگِ اذاں بلند ہوتی تھی ــــ ادارہ

ہیبت[1] سے کانپتا تھا جو ملتا تھا پہلی بار — ہوتا تھا جب قریب تو بنتا تھا جاں نثار
وہ سادگی کہ صبحِ نخستیں بھی شرمسار — وہ دلبری کہ روزِ ازل سے جہاں شکار
خُلقِ محمدؐی میں کچھ ایسا کمال تھا
اس وار سے قلوب کا بچنا محال تھا

حضرتؐ نے دل کسی کا بھی توڑا نہ عمر بھر — زخمی دلوں کے واسطے مرہم تھی ہر نظر
جُود و سخا میں فرد تھے، رحمت تھے سر بسر — آیا نہ "حرفِ لا" کبھی لب ہائے ناز پر
فیاض و نرم خُو تھے، کریم و قسیم تھے
شیوا تھا درگزر کہ رؤف و رحیم تھے

اللہ رے مقامِ شہنشاہِ دوسرا — پایا نہیں کسی نے بھی یہ رُتبۂ رضا
ذاتِ خدا[2] نے اپنی محبّت کو برملا — حضرتؐ کی اتباع سے مشروط کر دیا
جو تابعِ نبیؐ ہے اُسی کی نجات ہے
خیر الوریٰ کا عشق ہی آبِ حیات ہے

اُن کا جمال، خالقِ اکبر کی معرفت — اُن کا جلال، مشرق و مغرب کی سلطنت
اُن کا کمال، عشق و رضا خلق و مرحمت — اُن کا خیال، شمعِ رہِ صدق و حرّیت
انساں کو اُن کے خلق نے انساں بنا دیا
اس خاکداں کو صاحبِ عرفاں بنا دیا

جملہ صفاتِ حق کا ہیں وہ مظہرِ اتم — ہیں اُن کی گردِ راہ زر و دولت و حشم
وہ رازدارِ "کُن فیکون"، مصدرِ کرم — محبوبِ "پاک"[3]، جانِ عرب، شاہدِ عجم
بے کل نہیں ہوں میں ہی بڑے اشتیاق میں
روئی[4] ہے "چوبِ خشک" بھی اُن کے فراق میں

میں پا گیا ہوں تیری ادائے خرام سے — موجِ صبا تو آئی ہے باب السلام سے
کہنا یہ جا کے سیدِ خیر الانام سے — بس ایک جرعہ محبت کے جام سے
گردش میں تا بہ حشر ہے پیمانہ آپ کا
ہے محشرِ غریب بھی دیوانہ آپ کا

★

---

[1] : بحوالہ روایت حضرت علی رضؓ

[2] : قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی۔

[3] : پاک سے مراد "پاکستان"
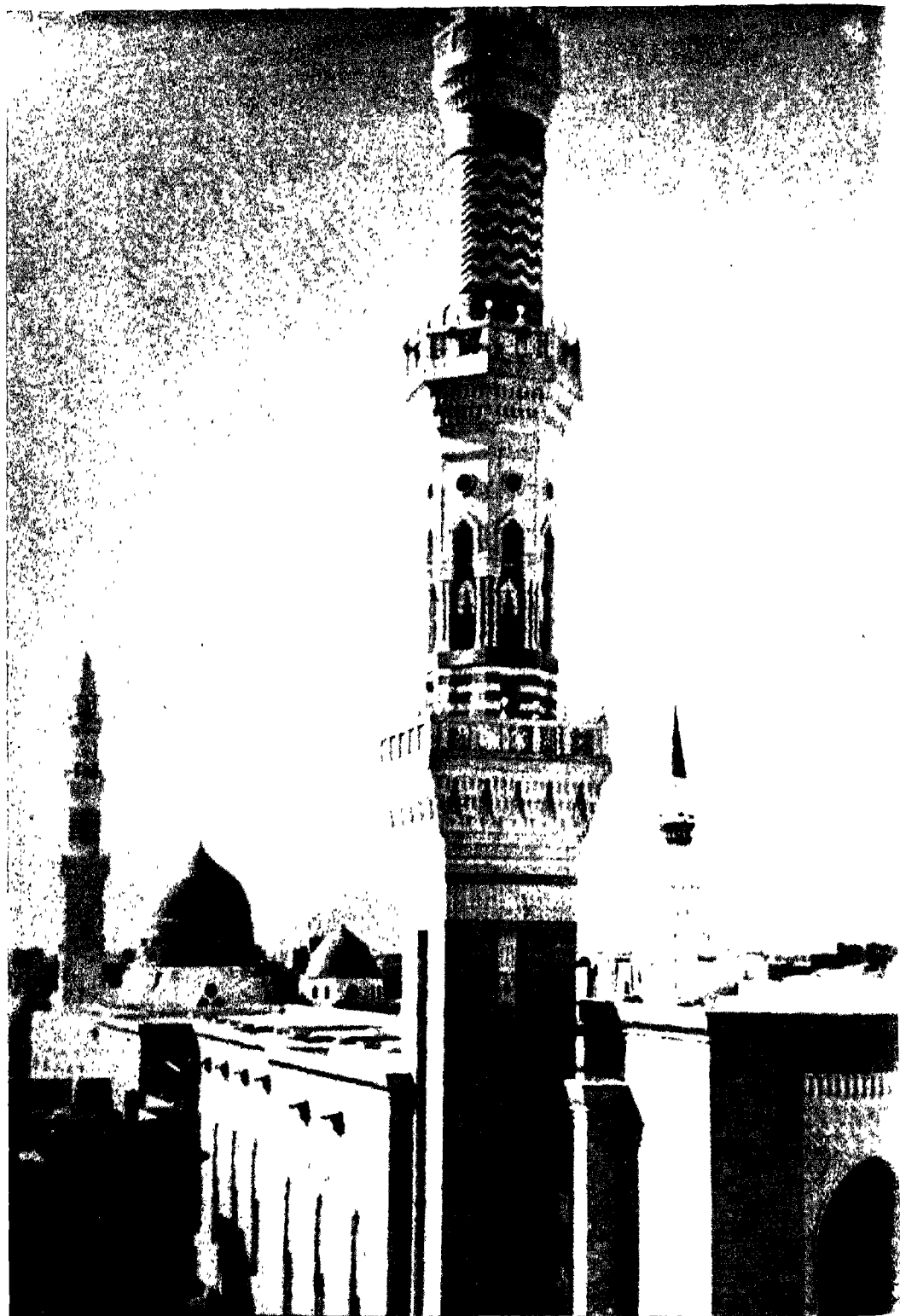
[4] : خشک چوبے در فراق او گریست (اقبالؔ)

باب حضرت عثمان رض　　　منارۂ جدید　　　گنبد خضراء

محراب النبی : " ریاض الجنۃ " میں
جہاں سرور کائنات (ص) امامت فرماتے تھے -

کتاب اللہ، محمد رسول اللہ والذین معہ

تمنا عمادی

انسان کی پیدائش پر غور کیجئے۔ اس کی تقویم اور سپھر تخلیق پر غور کیجئے۔ صُلب پدر سے بطن مادر میں جلوس کرنے سے قبل اس کے عناصر بکھرے پڑے تھے۔ انسان نے اس دنیا میں آکر ہوا، پانی پھل پھول اناج، سے تمتع کیا اور وہ اس کے جزو بدن بنے جو تخلیق دگر کے لئے کام میں آئے۔ فطرتاً ہر مخلوق کے وظائف و فرائض معین کر دیئے گئے ہیں۔ ان میں ایک تو وہ ہیں جو اسے اس منزل میں کام آتے ہیں جس میں وہ ہے، دوسرے اُس وقت کے لئے ہیں جب وہ اگلی منزل میں قدم رکھے گا۔ انسان کو قرآن نے یاد دلایا ہے کہ کیا تم نے اپنی پہلی اٹھان (نشاۃ الاولیٰ) کو نہیں سمجھ لیا ہے، پھر اس سے درس نصیحت کیوں حاصل نہیں کرتے، مقصود یہ بتانا ہے کہ کارخانۂ قدرت میں ہر مخلوق کے وظائف و فرائض ہیں اور انسان بھی ان منازل سے گذرا ہے۔ پہلی منزل، بطن مادر میں اسے وہ تمام چیزیں مہیا کر دی گئی تھیں، جس کی اسے وہاں ضرورت ہو سکتی ہے۔ جب یہ منزل گذر گئی اور وہ پیدا ہو گیا تو یہ تمام چیزیں، پیدائش کے فوراً بعد اس سے لے لی گئیں مگر جن چیزوں کی اسے اس دنیا میں آنے کے بعد ضروری ہو سکتی تھیں، وہ سب وہیں دے دی گئی تھیں آنکھ، ناک، کان، منہ، اعضا و جوارح، مگر عقل و شعور ابھی بالکل خام حالت میں ہیں۔ اس نکتہ پر تفصیل سے غور کرنے کی ضرورت ہے :۔

اس دنیا میں آنے سے پہلے تک خواہش و ارادہ و حرکت کی صلاحیت بچے میں نہیں آتی۔ مگر کہا جا سکتا ہے ولادت سے کچھ پہلے بطن مادر ہی میں یہ تینوں باتیں بچے میں فی الجملہ آجاتی ہیں بچہ پیٹ میں حرکت کرتا ہے اور پیدا ہونے کے وقت خود بچے کا ارادہ بھی بڑی حد تک کام کرتا ہے۔ اور ارادہ بغیر خواہش کے نہیں ہوتا۔ بہرحال، اس کو یوں سمجھئے کہ جس طرح بچے کو روئے زمین پر کام آنے والے سامان، آنکھیں، کان، ناک، منہ، زبان، ہاتھ پاؤں وغیرہ بطن مادر ہی میں ملے اسی طرح پیدائش کا زمانہ قریب آگیا تو اصل کام آنے والی صفتیں یعنی خواہش، ارادہ اور حرکت بھی اس کو وہیں دیدی گئیں تاکہ وہ دنیا میں انہی صفتوں کے ذریعے اپنے اعضا سے کام لے سکے۔ اور یہی صفتیں بچے میں ذمہ داری پیدا کرنے والی ہیں۔ اور اب اس دنیا میں اس کو ذمہ دارانہ زندگی بسر کرنا ہے۔

ماں کے پیٹ میں بچے کو غذا خود بخود مل رہی تھی۔ فطرت پہنچا رہی تھی۔ مگر پیدائش کے بعد صرف فطرت کی مدد کافی نہیں رہی۔ بچہ جب تک اپنی خواہش، اپنے ارادے اور اپنی حرکت سے کام نہ لے اس کو غذا نہیں مل سکتی۔ ماں اس قدر کر سکتی ہے کہ بچے کو اپنا دودھ پلا دے۔ بچہ جب تک اپنی خواہش، اپنے ارادے، اپنے لبوں کی اور اپنے کام و زبان کی ایک خاص حرکت سے کام نہ لے، جس کو چوسنا کہتے ہیں، اس وقت تک اس کے معدے میں غذا نہیں پہنچ سکتی۔

جیسے جیسے بچہ سیانا ہوتا جاتا ہے اس کی ذمہ داری بھی بڑھتی جاتی ہے اور ماں باپ اور گھر کے دوسرے لوگوں سے وہ مستغنی اور خود کفیل ہوتا جاتا ہے اور اپنی ضرورتیں خود پوری کرنے کا ڈھنگ سیکھتا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ بالغ اور جوان ہو کر ایک مکمل حیوان ہو جاتا ہے، مگر صاحب عقل حیوان۔ حیوانی زندگی اسی قدر ہے کہ کھاؤ، پیو اپنی خواہشیں پوری کرو۔ اپنے جوڑے کے ساتھ اپنے بال بچوں کے ساتھ اور کسی حد تک اپنے ہم جنسوں کے ساتھ اچھا برتاؤ رکھو دوستوں سے اپنی غرض کے ماتحت دوستی رکھو، غیروں سے مغائرت برتو، دشمنوں کے ساتھ قوت ہو تو کسی قسم کی کوئی رعائیت نہ کرو۔ اپنی غرض، اپنا مفاد اگر صلح میں ہو تو غیروں سے بلکہ دشمنوں سے بھی صلح کر لو، وہ غرض و مفاد باقی نہ رہے تو صلح کو بالائے طاق رکھ کر جنگ چھیڑ دو۔ آپ پالتو حیوانوں کو نہ دیکھیں ان کی اپنی فطرت آپ کے طریق پرورش اور آپ کے ساتھ رہنے سہنے کے باعث بہت حد تک بدل چکی ہے۔ جنگلوں میں جس طرح ہر حیوان اپنی جنس کے ساتھ آزاد

زندگی بسر کرتا ہے اس کو دیکھیں کہ وہ حقوق نفس، حقوق اہل و عیال اور حقوق ہم جنس کی کس طرح نگہداشت کرتے ہیں، باوجود اس کے کہ وہ عقل سے محروم ہیں۔ انسان بھی ایک حیوان ہی ہے مگر اس کو عقل دی گئی ہے۔ اور عقل ہی کی بدولت ساری کائنات پر اس کو اپنا تسلّط قائم کرنے کا حق دیا گیا ہے،

الم تروا ان اللہ سخر لکم ما فی السمٰوٰت
وما فی الارض و اسبغ علیکم نعمہٗ
ظاھرۃ و باطنۃؕ،

(کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے
ان سب چیزوں کو جو بلندیوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں
اور تم پر اپنی بہت سی ظاہری و باطنی نعمتیں انڈیل دی ہیں)

اور یہ تسخیر صرف عقل ہی کی بدولت ہے۔ عقل ہی میں اللہ نے قوتِ تسخیر بخشی ہے۔ انسان اپنی عقل کی قوت سے بڑی سے بڑی چیزوں کو مسخر کر لیتا ہے، ہاتھی، گھوڑے اونٹ، بڑے بڑے اژدھے، زہریلے سے زہریلے سانپ اور بڑے بڑے شیروں کو غلام بنائے رکھتا ہے۔ اور اب تو چاند اور مریخ بھی اس کی زد میں آنے والے ہیں جس سے "تسخیر سماوات" کی تفسیر اور بھی واضح ہو جائے گی۔ مگر یہ ساری تگ و دو حیوانی ہی ہے۔ آج سائنس کی ساری ترقیاں عقل حیوانی کے کارنامے ہی ہیں۔ یعنی انسان کی عقل اپنی حیوانیت میں، درندگی میں، خونریزی میں، اپنے ذاتی مفاد کے لئے دوسروں پر زیادہ سے زیادہ ظلم کرنے میں زیادہ سے زیادہ ترقی کر رہی ہے۔ انسانی فرائض کیا ہیں اس کو کوئی جانتا بھی نہیں اور نہ بطور خود جان سکتا ہے۔

دنیا کی ساری چیزیں اللہ نے انسان کے لئے بنائیں خلق لکم ما فی الارض جمیعًا مگر انسانوں کو صرف دنیاوی زندگی میں حیوانوں کی طرح منہمک رہ کر مر جانے اور مٹ جانے کے لئے بھی نہیں پیدا کیا، اس کے ذمے سب سے بڑا فریضہ بندگی (عبادت) کا رکھا ہے

ما خلقت الجن و الانس الا لیعبدونؕ

(میں نے جن و انس کو صرف اسی لئے پیدا کیا ہے کہ
وہ میری عبادت، میری بندگی کا حق ادا کریں)

یہ مسئلہ کا دوسرا پہلو ہے، مگر مادّی پہلو سے فروتر نہیں کیونکہ انسان صرف مادّہ کا ہی ظہور ترتیب نہیں ہے بلکہ روح و نفس بھی اس کے ساتھ پیدا ہوئے تھے اور سہیم اولیٰ ہیں۔

عام حیوانوں کے پاس عقل سلیم نہیں ہے۔ اس لئے ان کو ذمہ دار زندگی نہیں دی گئی۔ فطری بندگی یعنی اللہ تعالیٰ کے قانون قدرت و قانون فطرت کی اطاعت پر تو ہر چیز مجبور ہے اور اس اطاعت فطری کے ماتحت ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید، بزبان حال کر رہی ہے۔ وان من شیئ الا یسبح بحمدہٖ۔ ہر چیز اللہ کی حمد و تسبیح کر رہی ہے۔ کل قد علم صلوتہ وتسبیحہ و لکن لا تفقھون تسبیحھم۔ (ہر چیز اپنی عبادت اور اپنی تسبیح کو جانتی ہے (اور ادا کر رہی ہے۔) لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھ سکتے) بہرحال عام جمادات و نباتات کی طرح عام حیوانوں کا معاملہ ہی کچھ اور ہے۔ انسانوں کے لئے آخرت کی زندگی ہے۔ انسان بطن مادر میں مقامی سامان سے زیادہ دنیا میں کام آنے والے سامان، فطرت کی مدد سے مہیا کرتا رہا۔ اور وہاں سے آنکھیں، کان، ناک، منہ، زبان اور ہاتھ پاؤں اور ان کے ساتھ خواہش، ارادہ، اور قوتِ حرکت، عقل، ساتھ لایا۔ مگر اس مرحلہ پر تنہا فطرت کی مدد کا وقت ختم ہو گیا۔ اب ذمہ دار زندگی ملی تو پہلے مقامی ضروریات کی فراہمی کی صلاحیت پیدا کرنے اور حیوانی فرائض انجام دینے کا وقت، بلوغ سے قبل تک کا کافی وقت ملا۔ بلوغ کے بعد آنے والی منزل کے لئے فراہمی اسباب معاد کی ذمہ داری بھی اب انسان کے سر آ گئی۔ اور آنے والی منزلِ آخرت کے نقصانوں سے بچنا اور منافع کے حاصل کرنے کی ذمہ داری بھی خود انسان ہی پر عائد ہے مقامی یعنی دنیاوی فرائض کی انجام دہی، باوجود اس کے کہ وہ اپنی عقل اور خواہش و ارادہ سے کرتا رہا، مگر فطرت انسانی اس میں برابر اس کی مدد کرتی رہی۔ فطرت نے اس کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ فطرت کے خلاف جہاں اس نے کوئی کام اپنی غلط خواہش اور بیجا ارادے سے کیا ضرور ٹھوکر کھائی اور اس سے نقصان اٹھایا۔ یہ ہمارا ہر وقت کا مشاہدہ ہے۔ مگر مقامی دنیاوی نفع و ضرر کو تو وہ خود اپنے اور دوسروں کے تجربے سے سمجھتا رہا۔ دوسروں سے پوچھ کر، دوسروں کو دیکھ کر جانتا اور سیکھتا بھی رہا۔ آنے والی منزل کے نفع و ضرر کے سمجھنے کا اس کے پاس کوئی ذریعہ نہ تھا۔ جو شخص مر کر اس آنے والی منزل میں پہنچتا ہے، پھر واپس نہیں آتا کہ اس سے وہاں کا کچھ حال

معلوم ہو نہ وہ وہاں سے اپنی یا وہاں کی کچھ خبر کسی ذریعے سے بھیجتا ہے۔ اس لئے ناممکن ہے کہ کوئی انسان بطور خود آخرت کی آنے والی منزل کے نفع و ضرر کے متعلق کوئی صحیح رائے قائم کر سکے۔

اب یہ بات انسانوں کے خالق ہی کے ذمے تھی کہ جس طرح انسان کی ذمہ دار زندگی سے پہلے انسان ہی کی ذات کے اندر فی انفسہم ایک ہادی و رہنما انسانی فطرت رکھ دی تھی جو بطن مادر میں اس کی رہبری اور مدد کرتی رہی، اسی طرح اب جبکہ انسانی عقل آنے والی منزلِ آخرت کے نفع و نقصان کے سمجھنے سے عاجز ہے تو وہی خالق ایک رہبر و ہادی مددگار اپنی طرف سے انسانوں کو دیدے جو منزل آخرت کے نفع و نقصان کو قطعی و یقینی طور سے انسانوں کو بتائے اور صحیح بالکل صحیح رہنمائی کرے۔

بطن مادر میں دنیاوی مفاد کی رہنمائی کے لئے فی انفسہم خود انہیں کی ذات میں فطرت انسانی ملی تھی یہاں عالم آخرت کی رہنمائی کے لئے مِنْ اَنْفُسِهِمْ، ان میں سے ایک فرد کو نبی و رسول بنا کر مبعوث فرمایا۔ اور ان پر وحی نازل فرمائی۔ وحی بھی محض صوفیا مکاشفات یا اشراقیین یا جوگیوں اور راہبوں کے ریاضات و مجاہدات کے وجدان کی طرح محض وہمی بھی نہیں بلکہ وہ نبی و رسول ایک فرشتے کو اپنی آنکھوں سے دیکھے، اپنے کانوں سے اس کی بات سنے، ایک بار نہیں بار بار کہ خود اس کو آنکھوں دیکھے کا یقین حاصل ہو کہ یہ اللہ تعالےٰ کا بھیجا ہوا فرشتہ ہے اور جو کچھ یہ ہم سے کہہ رہا ہے وہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے ایک وحی ہے۔ اور وہ وحی رفتہ رفتہ پوری ایک کتاب بن جاتی ہے۔ کتاب بھی ایسی جو قیامت تک سارے انسانوں کا دستور العمل بن سکے، جو انسانوں کو دنیا میں محض حیوانی زندگی بسر کرنے سے بچا کر انسانی زندگی بسر کرنے کا طریقہ بھی سکھا سکے۔ اور عالم آخرت کے نفع و ضرر کو پوری طرح بتا سکے۔ دنیا میں ایسی زندگی بسر کرنے کا ایک شارع عام قائم کر دے جس پر چل کر انسان دنیا میں بھی بہتر سے بہتر طریقے سے انسانی زندگی بسر کر سکے اور پھر مرنے کے بعد آخرت میں بھی اس کو نہایت کامیاب فرح بخش دائمی زندگی ملے۔ رسول کو حکم ہوا کہ تم اسی کتاب قرآن مجید ہی کے مطابق لوگوں کی رہنمائی کرو۔ فذکر بالقرآن من یخاف وعید ٥

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنی احکام پر خود عمل کیا صحابہ رضی اللہ عنہم کو اسی قرآن کے مطابق تعلیم فرمائی۔ اور ایک سیدھا قابل عمل طریقہ بتا دیا، راستہ قائم کر دیا جس پر زندگی بھر خود چلتے رہے اور دن رات اپنے پیچھے پیچھے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی چلاتے رہے۔ یہاں تک کہ جب دنیا سے تشریف لے گئے تو وہ چلتا ہوا راستہ جس پر خود چلتے رہے اور صحابہ کو چلاتے رہے۔ اسی طرح چھوڑ کے تشریف لے گئے جس پر صحابہ اور پھر اکابر، تابعین، و تبع تابعین صدیوں تک چلتے رہے۔ اسی راستے کو قرآن مجید سبیل المومنین کہتا ہے، یعنی "ایمان والوں کا راستہ"۔ اور اسی کو حدیث میں سُنَّتِیْ وَسُنَّةُ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْن فرمایا گیا ہے۔ سُنَّت ہی کو فارسی میں "جادہ" اور ہندی میں "پگ ڈنڈی" کہتے ہیں۔ لوگوں کے چلتے چلتے جو قدموں کے نشانوں سے میدانوں میں راستہ بن جاتا ہے۔ غرض سبیل المومنین اور سنت نبوی ایک ہی چیز ہے۔

قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔ لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ (اے مسلمانو!) تمہارے لئے اللہ کے رسول کی ذات میں ایک بہترین نمونہ ہے" یعنی چاہے جس طبقے کا انسان ہو اگر وہ فقیر و مسکین ہے تو بھی اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی میں فقر و مسکینت کا بھی ایک دور ملے گا، اور آپ کے اُس دَور کی زندگی کے حالات سے وہ سبق لے سکتا ہے کہ فقیری و مسکینی میں کس طرح صبر و شکر اور سیر چشمی سے زندگی آپ نے بسر فرمائی تھی۔ اگر کوئی مزدور ہے تو آپ نے مزدوری بھی کی ہے۔ ایک مزدور کو کس طرح اپنے مفوضہ فرائض انجام دینا چاہیئے، کام سے جی چرانا، وقت کو برباد کرنا اور مزدوری پوری لینا ایک مسلمان مزدور کا شیوہ نہیں ہو سکتا۔ اگر آپ مزدوروں سے کام لے رہے ہیں تو آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ مزدوروں کو ان کا پسینہ سوکھنے سے پہلے ان کی مزدوری دیدو۔ یعنی ادائیگی میں دیر نہ کرو۔ ان کو جلد رخصت کرو کہ وہ اپنے گھر جا کر آرام کر سکیں۔ اگر آپ حکمران ہیں تو آپ کو کس طرح عدل و انصاف کرنا چاہیئے۔ رسولؐ کی زندگی سے اس کو سیکھئے۔ غور کیجئے جنگ بدر میں فتح کے بعد ستر مشرکین مکہ قید ہوئے۔ سب کی مشکیں کسی گئیں۔ رات بھر سب اسی طرح مشک بند رہے۔ ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی

کہ ایک قیدی کے کراہنے کی آواز آئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز سے پہچان لیا کہ وہ آپ کے چچا عباس تھے۔ آپ نے پوچھا کہ کیا عباس کراہ رہے ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا کہ جی ہاں آپ چپ رہے۔ صحابہ نے اس کو محسوس کیا کہ وہ آپ کے چچا ہیں اس لئے اُن کی کراہ سن کر آپ کا قلب مبارک بے چین ہو گیا ہے۔ اس لئے لوگوں نے عرض کیا کہ حضور حکم دیں تو ان کی مشکیں ڈھیلی کردی جائیں۔ آپ نے فرمایا کہ سب قیدیوں کی مشکیں ڈھیلی کردو۔ یہ تھا نبوی عدل و انصاف۔ کبھی آپ نے کوئی خاص رعایت کسی عزیز و قریب کے لئے روا نہیں رکھی۔ رعایت کا وقت آیا تو سب کے ساتھ بلا تخصیص و امتیاز کی۔

تعلیمِ رسول ؐ: سارے انبیاء و مرسلین کی ایک ہی تعلیم رہی۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ ابتدائی دور میں جیسے "مڈل" تک کی تعلیم تھی۔ جس طرح مڈل اسکول ہر بستی میں ہوتا ہے اور ہر اسکول میں بچے ابتدائی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ بعض بعض اسکولوں میں ماحولی خصوصیات کے ماتحت دوسرے اسکولوں سے کچھ جزئی فرق بھی رہتا ہے مگر ان میں اصولی اختلاف نہیں ہوتا۔ اسی طرح ہر قوم میں، ہر ملک میں ایک رسول بھیجا گیا، اور ہر رسول اپنے حلقے میں اپنی امت کی تعلیم کرتے رہے۔ بیک وقت متعدد رسول بھی مبعوث ہوتے رہے کیونکہ وہ تخلیق انسانی کا ابتدائی یا وسطانی دور تھا۔ جس طرح ابتدائی درجوں کے طلبہ میں شرارتیں زیادہ ہوتی ہیں اور کھیل کود میں جی لگانے کی عمر بھی وہی ہوتی ہے۔ علم کو علم سمجھ کر نہیں حاصل کرتے بلکہ والدین اور نگارحین کے دباؤ سے پڑھتے ہیں، اس وقت ان پر دباؤ رکھنے کے لئے طلبہ کی گوشمالیاں اور مناسب سزائیں گھر پر بھی اور اسکولوں میں بھی ہوتی رہتی ہیں۔ اسی طرح اس وقت مناسب یہی تھا کہ شریر اور سرکش قوموں پر عذاب آیا کرے تاکہ دوسری قوموں کے لئے باعثِ عبرت ہو یہ فلسفہ تادیب ہے۔

حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی حیثیت "یونیورسٹی" کی تعلیم کی سی ہے۔ انسانی ذہن اب اس قدر تیار ہو چکا ہے کہ وہ دنیا اور دین دونوں کے مفاد کو سمجھ سکے گا۔ اب ونفسٍ وّما سوّٰھا فالھمھا فجورھا وتقواھا قد افلح من زکٰھا وقد خاب من دسّٰھا کا وقت آگیا ہے۔ یعنی اب نفس نوع انسانی کی تربیت مکمل ہو چکی، اس کو بتا دیا گیا اور سمجھا دیا کہ بدکاری، یعنی مالک سے سرکشی کی راہ کیا ہے اور اپنے خالق و مالک کی بازپرس سے ڈرتے ہوئے بدکاریوں سے بچنے کی راہ کیا ہے۔ تو جس نے بدکاریوں اور سرکشیوں سے بچ کر اپنے نفس کو ہوا و ہوس کی گندگیوں سے پاک کر لیا تو بس وہی کامیاب رہا (دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی) اور جس نے اپنے نفس کو (ہوا و ہوس کی گندگیوں سے آلودہ رکھ کر) خراب کر دیا وہ ناکام رہا۔

سورۂ حدید کے تیسرے رکوع کے آخر میں ارشاد ہے:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ
وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ
لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَاَنْزَلْنَا
الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّ
مَنَافِعُ لِلنَّاسِ۔

(ہم نے کھلی کھلی دلیلوں کے ساتھ اپنے رسولوں کو بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اتاری اور (حق و باطل، عدل و ظلم کو تولنے پرکھنے کی) ترازو (یعنی عقل و ہوش کی ترازو انسانوں کو دی) اور لوہا (پیدا کیا) جس میں سخت جنگی قوتیں ہیں اور لوگوں کے لئے (طرح طرح کے) منافع ہیں۔)

اللہ تعالیٰ نے رسول کو کھلی کھلی دلیلوں کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ ان دلیلوں سے رسول تسلیم کئے جائیں۔ پھر ان پر کتاب اتاری تاکہ اسی کتاب کے مطابق وہ لوگوں کو تعلیم دیں زبانی بھی اور عملی بھی۔ اور ہر شخص کو حق و باطل کی تمیز دی اور عدل و انصاف اور ظلم و جور کا فرق سمجھنے کی عقل دی اور پھر ایسے ظالم و سرکش جو بات سے کسی طرح بھی نہ مانیں اور وعظ و نصیحت کے ذریعے ان کو ظلم و ستم اور سرکشی و بغاوت سے باز نہ رکھا جا سکے ان کے لئے لوہا بھی پیدا کر دیا کہ اس سے آلاتِ جنگ تیار کریں۔ اور سرکشوں کو نافرمانوں کو ان کے ذریعے راہ راست پر لانے کی کوشش کی جا سکے۔ مگر بنیتِ اصلاح، محض جذبۂ انتقام میں حربے سے کام لینے کی اجازت نہیں حتی تفیئی الی امر اللہ یہاں تک کہ وہ سرکش و نافرمان باغی جماعت اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرے یعنی اطاعتِ حق پر آمادہ ہو جائے۔ فتنہ و فساد پھیلانے والوں

کو آزاد نہیں چھوڑا جاسکتا۔ الفتنۃ اشد من القتل: چند فتنہ پردازوں کے قتل سے پورے ملک میں فتنہ و فساد کا پھیلنا زیادہ سخت بات ہے۔ اس لئے ملک کو فتنہ و فساد سے بچانے کے لئے چند فتنہ پردازوں کا قتل بھی گوارا کیا جاسکتا ہے۔ دشمن اگر ملک پر حملہ آور ہو تو اس کی مدافعت بھی ایک فریضہ ہی ہے اور مدافعت بغیر آلات حرب کے ممکن نہیں، اسی لئے حکم ہے:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝

(اے مسلمانو) اور تم ان (دشمنوں، حملہ آوروں کے مقابلے اور مدافعت) کے لئے جو قوت بھی تم مہیا کرسکو مہیا رکھو (آلات حرب کی قوت) اور اصطبلوں کے پلے ہوئے گھوڑوں سے (اپنے کو لیس رکھو) جن سے تم اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو مرعوب رکھ سکو اور ان (چھپے ہوئے دشمنوں) کے علاوہ دوسروں کو بھی جن کو تم نہیں جانتے اللہ ان کو (خوب) جانتا ہے۔ (یعنی منافقین کو)۔ اور تم جو کچھ سامان مدافعت مہیا کرنے میں خرچ کروگے وہ پورا پورا تمہیں (اللہ کی طرف سے) ادا کردیا جائے گا۔ تم کو (نقصان پہنچا کر تم پر) ظلم نہیں کیا جائے گا۔)

سامان ہدایت: اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے انسانی زندگی بسر کرنے کے لئے سب سے پہلے تو رسول مبعوث فرمایا جو زبانی و عملی تعلیم لوگوں کو دیں۔ پھر ان پر اپنی کتاب اتار دی کہ وہ اسی کتاب کے مطابق تعلیم دیں۔ اور دوسرے لوگ رسول سے کتاب اللہ پڑھ کر کتاب اللہ کی ہدایت اور رسول کی تعلیم کے مطابق انسانی زندگی بسر کرسکیں۔

غرض رسول اللہ مبعوث ہوئے تو تمام انسانوں کے لئے ایک ہادی و رہنما اللہ تعالیٰ کی طرف سے آگئے۔ ان پر کتاب اللہ اتاری گئی تاکہ یہ ہدایت نامہ رسول کی زندگی میں اور رسول کی وفات کے بعد بھی قیامت تک انسانوں کے لئے دستاویز ہدایت رہے۔ جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں وہ اس رسول اور اس کتاب پر ایمان لاکر اس کتاب کی ہدایت اور اس رسول کی تعلیم کے مطابق اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی بسر کریں، اور انسانیت کے فرائض ادا کرکے آخرت کی بہتر سے بہتر زندگی حاصل کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرہ سال بعثت کے بعد سے ہجرت تک مکے میں رہ کر ایک نہایت پختہ ایمان والے مہاجرین کی معقول جماعت تیار کردی تھی۔ قرآن مجید میں جن کی تعریف آئی ہے۔ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ وہ لوگ رسول اللہ کے ساتھ لگے رہے تنگی اور دشواری کے زمانے میں۔ ہجرت کے بعد بھی غزوۂ خندق تک کا زمانہ دشواریوں کا زمانہ کہا جاسکتا ہے۔ اس لئے انصار میں بھی ایک کافی تعداد اس آیت کی مصداق ہوسکتی ہے، مگر مہاجرین تو اس میں بھی شریک رہے۔ اس لئے مہاجرین کا رتبہ اس اعتبار سے ضرور فضیلت خاص رکھتا۔ جس طرح انصار نے جو ایثار مہاجرین کے لئے کیا اور جس طرح ان کو اپنے شہر بلکہ اپنے گھروں میں رہنے سہنے کا موقع دیا۔ یہاں تک کہ مال بھی مواخات کے بعد آدھا آدھا تقسیم کردیا۔ خصوصی فضیلت اللہ تعالیٰ نے انصاریوں ہی کے لئے رکھی تھی۔

ہجرت کے بعد انصار نے بھی مہاجرین کی طرح صحبت نبوی سے بالمشافہ تعلیم نبوی سے، اور پھر مہاجرین کی روش دیکھ دیکھ کر دین اسلام یعنی انسانیت کی پوری تعلیم حاصل کرلی اور سارے مہاجرین و انصار جو وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ تھے۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر دینی کام میں ساتھ ساتھ رہے۔ خصوصاً وہ، جو ابتدائے بعثت سے یا اس کے کچھ بعد سے، مگر ہجرت کے قبل سے آپ کے رفیق راہ رہے اور ہر دینی کام میں شریک رہے اور وہ انصار جو ہجرت سے پہلے ہی ایمان لے آئے تھے یا ہجرت کے بعد ابتدائی زمانے میں ہی ایمان لائے جن کو

اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَار فرمایا گیا ہے، جن کا یہ درجہ ہے کہ نہ صرف وہ بلکہ ان کی پیروی کرنے والے بھی ایسے تھے جنہیں رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ "اللہ ان سے راضی ہے اور یہ اللہ سے راضی ہیں" کہا گیا۔ دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا بزرگ، کیسا ہی عابد و زاہد ہو ان سابقون الاولون، مہاجرین و انصار کی' پیروی کے بغیر اللہ کی رضامندی کبھی حاصل نہیں کر سکتا۔ یہی اگلے مہاجرین و انصار اور پھر ان کے بعد جو لوگ ایمان لالا کر صحابۂ رسول کی جماعت میں شامل ہونے لگے۔ یہ سب بغیر کسی باہمی اختلافِ عقائد و عبادات کے ایک ہی طریقے، ایک ہی راستہ پر اپنے رسول کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ اسی طریقے اسی راستے اور اسی روش کا نام صراطِ مستقیم بتایا گیا ہے۔ اور اسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "سُنَّتِيْ" فرمایا اور اسی کو قرآن مجید نے سبیل المؤمنین کہا۔ اور صاف کھل کر کہہ دیا کہ:

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا۝

"ہدایت کی راہ جس پر واضح ہو چکی اس کے بعد بھی اگر اس نے اس رسول کی مخالفت کی اور سبیل المومنین (اُن مومنین یعنی مہاجرین و انصار کی راہ) کے سوا (کسی دوسری راہ) کا اتباع کیا تو پھر جدھر اس نے رُخ کیا ہے ہم اس کو اسی طرف جانے دیں گے۔ پھر (جزا و سزا کے وقت) اس کو جہنم میں جھونک دیں گے۔ اور وہ بہت بری جگہ ہے پہنچنے کی۔"

اللہ کی کتاب اور محمد رسول اللہ والذین معہ یہی تین ذریعے ہیں ہدایت کے کہ یہ تینوں ایک دوسرے سے الگ نہیں ہو سکتے۔ اور نہ کوئی ان تینوں میں سے کسی ایک کو بھی چھوڑ کر راہِ ہدایت پا سکتا ہے۔

کتاب اللہ ہر سچے مسلم کے گھر میں موجود ہے محمد رسول ؐ کی سیرت پر چھوٹی بڑی کتابیں اکثر زبانوں میں موجود ہیں مگر جو شخص قرآن مجید سمجھ سمجھ کر تلاوت کرتا رہتا ہے وہ مؤرخین کی لکھی ہوئی سیرت نبوی سے زیادہ صحیح اور سچی سیرت نبوی خود قرآن مجید سے ہی سمجھ سکتا ہے۔ اسی طرح والذین معہ یعنی صحابہ کرام خصوصاً مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم اجمعین کی سیرت بھی تاریخ کی کتابوں میں نہ دیکھئے۔ یعنی ان کے متعلق تاریخی روایات پر بھی اتنا تکیہ نہ کیجئے کیونکہ مؤرخین نے اپنے فرقہ وارانہ جذبات کے ماتحت بہت سی تہمتیں، بعض صحابۂ کرام پر لگائی ہیں۔ صحابہ کی سیرت بھی آپ قرآن مبین ہی میں دیکھئے۔ سورہ حجرات کی ساتویں آیت میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو مخاطب کرکے فرمایا گیا ہے:

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝

یعنی (اے صحابہ) لیکن اللہ نے ایمان کو تمہارا محبوب بنا دیا ہے اور اس کو تمہارے دلوں میں (نگینے کی طرح) جڑ دیا ہے اور کفر سے بدکاری سے اور نافرمانی سے نفرت (تمہارے دلوں میں) ڈال دی ہے۔ اور ایسے ہی لوگ راہِ راست پر ہوتے ہیں۔"

بتائیے جن لوگوں کی یہ شان قرآن مجید میں مذکور ہو، اللہ تعالیٰ نے جن کی پاک نفسی کی شہادت خود دی ہو، ان کے اخلاق پر کون انگشت نما ہو سکتا ہے؟ اسی لئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو جو آپ کے آخر وقت میں ایمان لائے تھے اور پھر بعد والوں کے لئے فرمایا تھا کہ اَصْحَابِيْ كَالنُّجُوْمِ بِاَيِّهِمْ اِقْتَدَيْتُمْ اِهْتَدَيْتُمْ۔ یعنی میرے صحابہ (مہاجرین و انصار) ستاروں کی طرح ہیں ان میں سے تم جن کا اتباع بھی کروگے ہدایت پاؤگے۔ آپ نے فرمایا تھا کہ میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی جن میں سے ایک فرقہ نجات یافتہ ہو جائے گا۔ اور باقی سب گمراہ ہوں گے اور جہنم میں جائیں گے۔ ——— صحابہ نے پوچھا کہ وہ ایک

فرقہ نجات پانے والا کون ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا: مَا اَنَا عَلَیْہِ وَ اَصْحَابِیْ جو اس طریقے پر ہوگا جس طریقے پر میں ہوں، اور میرے صحابہ ہیں۔ اور اسی طریقے کو آپؐ نے "سنتی" فرمایا اور قرآن مجید میں سبیل المؤمنین فرمایا گیا ہے۔ جس میں نہ کسی طرح کی فرقہ بندی تھی، نہ ان میں باہم عقائد و عبادات کا کوئی اختلاف تھا۔ سب کے سب صرف مسلم تھے۔ سب کا دین صرف اسلام تھا۔ سب کے سب قرآن مجید اور سنت نبویؐ کا اتباع کر رہے تھے اور سب کے سب ایک طرح سے سبیل المومنین کے صراط مستقیم پر چل رہے تھے۔

والذین معہ: یاد رکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت کے سوا کسی اہم دینی و انسانی شرف کو کسی خاص زمانے، یا خاندان یا ملک کے لوگوں کے لئے مخصوص نہیں فرمایا۔ ہر زمانے والوں کو، ہر خاندان والوں کو، اور ہر شہر، ہر ملک والوں کو اس کا موقع دیا ہے کہ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّہٖ سَبِیْلًا۔ جس کا جی چاہے اپنے رب کی طرف پہنچنے کی راہ اختیار کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت زمانی اور مکانی تو بعض کفار و منافقین کو بھی حاصل تھی۔ اس لئے صرف زمانی و مکانی معیت کی تو ظاہر ہے کوئی اہمیت نہیں۔ اصل معیت تو ایمانی معیت ہے جس کو آج ہم آپ اور ہر شخص حاصل کر سکتا ہے۔ صحابہؓ کو یہ شرف ضرور حاصل تھا کہ وہ ایمانی معیت کے ساتھ زمانی و مکانی معیت بھی رکھتے تھے۔ بگر اصل سونا تو ایمانی معیت ہے زمانی و مکانی معیت سہاگا بن گیا! مگر ہم لوگ سہاگا حاصل نہیں کر سکتے لیکن سونا تو حاصل کر سکتے ہیں۔ ما انا علیہ و اصحابی والے سبیل المومنین کا اتباع کر کے۔ مگر فرقہ پرستی کے ساتھ ساتھ سبیل المومنین کا اتباع ناممکن ہے۔ ہر مسلم کا نصب العین صرف اتباع رسول ہونا چاہئے — سبیل المومنین کا اتباع بھی ایک واحد ذریعہ ہے اتباع رسول کا، جس طرح اصل مقصود اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا واحد ذریعہ ہے اطاعت رسول۔ ہم اطاعتِ رسول ہی کر کے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر سکتے ہیں۔ اسی طرح ہم اتباع صحابہ ہی کر کے اتباع رسول کر سکتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی خاص شخص سے یا کسی خاص خاندان یا کسی خاص طبقے کے ساتھ دینی وابستگی پیدا کر کے اسی کا ہو رہنا اور دینی معیار کسی طبقے کو اپنے لئے بنالیں، فرقہ پرستی کی جڑ ہے، اور اسی سے انسان سبیل المومنین سے دور جا پڑتا ہے۔ اور پھر اسلام، جو دراصل کل انسانیت کی تعلیم کے لئے آیا مگر افسوس اس منشائے الٰہی، اس نصب العین اسلام سے ہم ہی زیادہ دور چلے گئے۔

فرائض انسانی: خالق کائنات نے انسانوں کو عقل دے کر پیدا کیا اور ذمہ دارانہ زندگی بسر کرنے کی صلاحیت بخشی تو ان کے ذمے کچھ تو اپنے حقوق رکھے، اور ہر شخص پر خود اس کے اپنے نفس کے حقوق عائد کئے اور کچھ ان کے آپس میں، بعض کے حقوق بعض پر رکھے۔ اور پھر عام مخلوقات کے حقوق بھی ان پر رکھے۔ اب اس نکتہ پر غور کیجئے:

حقوق اللہ: اللہ تعالیٰ کا پہلا حق یہ ہے کہ لا تشرک باللہ ان الشرک لظلم عظیم o اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اس کی قدرت و اختیار میں اس کی عبادت میں کسی دوسرے کو اس کا شریک نہ بناؤ کیونکہ شرک بہت بڑا ظلم ہے جو انسان آپ اپنے پر کرتا ہے۔ شرک کو ظلم عظیم کہنے کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ہر مجرم اپنے کو مجرم سمجھتا ہے۔ ہر کافر خوب سمجھتا ہے کہ ہم اللہ کا یا رسالت محمدؐی کا یا قرآن کے کتاب اللہ ہونے کا انکار کر رہے ہیں۔ مگر دنیا میں کوئی مشرک اپنے کو مشرک نہیں کہتا۔ سورج، آگ اور بعض جانوروں تک پوجنے والے اپنے کو موحد ہی سمجھتے اور کہتے ہیں۔ وہ کبھی اپنے کو مشرک نہیں سمجھتے ہر مشرک اپنے شرک کی کچھ نہ کچھ تاویل کر کے اپنے دل کو سمجھا لیتا ہے کہ میں جو کر رہا ہوں یا بول رہا ہوں شرک نہیں ہے۔ تو جس جرم کو مجرم جرم ہی نہیں سمجھتا وہ اس سے اس وقت تک باز نہیں آنے کا جب تک اس پر یہ ثابت نہ ہو جائے کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں یا عقیدہ رکھتے ہیں، یہ شرک ہے۔ اور چونکہ وہ تاویل کر کر کے اپنے دل کو مطمئن کر لیتا ہے۔ اس لئے بہت مشکل ہے کہ وہ اپنے شرک سے باز آجائے۔ بخلاف ایک منکر کے کہ خدا کا منکر رسالت کا منکر، اگر بطور خود بھی کچھ ٹھنڈے دل سے غور کرے تو اس کے ذہن میں خود بخود اللہ کے وجود اور ضرورت نبوت و رسالت کے دلائل آنے لگیں گے۔

اور پھر اگر کسی مخلص کے سمجھانے سے سمجھ لے گا تو بآسانی اپنے انکار سے رجوع بھی کرلے گا۔

عبادت: عبادت محض اعمال سے تعلق نہیں رکھتی۔ یہ درحقیقت قلبی چیز ہے۔ عبادت ایک جذبہ کا نام ہے جو دل میں پیدا ہوتا ہے اور قائم رہتا ہے۔ اس میں کمی بیشی، سکون اور جوش پیدا ہوتا رہتا ہے۔ مگر ایک مسلم کا دل جذبہ عبادت سے کبھی خالی نہیں رہتا۔

جذبہ عبادت درحقیقت کئی جذبوں کا ایک مجموعہ ہے۔ والہانہ شیفتگی، عاجزانہ فروتنی، فدویانہ گرویدگی، غلامانہ تندہی، بے عذر بندگی، مخلصانہ حاضر باشی، اور وفادارانہ جان نثاری!

ان سات جذبوں کے مجموعے کا نام ذوقِ عبادت ہے۔ چھ جذبے تو واضح ہیں "مخلصانہ حاضر باشی" کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنا معبود سمجھنے والا اپنے کو بارگاہ الٰہی کی حاضری کے لئے مخلصانہ اشتیاق کے ساتھ ہر وقت تیار رکھے۔ اللہ تعالیٰ تو ہر جگہ حاضر و ناظر ہے وہ تو کفار و مشرکین سے بھی ان کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہے انسان جتنا اللہ تعالیٰ سے غافل رہتا ہے اتنا ہی اللہ تعالیٰ سے دور رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے دوری کا اصل باعث غفلت ہے۔ ان جذبات عبادت کے اظہار کے لئے کچھ اعمال بتا دیئے گئے ہیں۔ ان اعمال کو مجازاً عبادت کہا جاتا ہے کیونکہ وہ اظہار جذبہ عبادت کے طریقے ہیں جو بتا دیئے گئے۔ ان بتائے ہوئے طریقوں کے سوا کسی اور طریقے سے عبادت جائز نہیں۔ اور ہر عبادت میں کسی نہ کسی چیز کا ایثار ہے۔ مثلاً نمازوں میں وقت کا، اپنی ذاتی مصروفیتوں، نیند کا ایثار ہے روزوں میں خواہش نفس کا اور زکوٰۃ میں مال کا ایثار ہے اور حج میں مال کا بھی اور "عقل" کا بھی ایثار ہے۔ یہ عالم ہی دوسرا ہے اللہ کی خاطر از خود رفتگی کا عالم۔ دیوانہ وار بے سلے کپڑے پہنے ایک میدان میں پڑے رہو۔ ایک مکان کے گرد گھومتے رہو۔ دو ٹیلوں کے درمیان دوڑو۔ کنکریاں چنو اور ایک پتھر پر مارو۔ کیوں؟ — یہ نہ پوچھو۔ مالک کا حکم ہے۔ بجا لاؤ۔ ؎

اچھا ہے دل کے پاس رہے پاسبانِ عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

اقبالؒ

اور یہی مطلب ہے۔ "بمے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید" کا، مگر یہ منصب رسول کے سوا اور کسی کا نہیں ہوسکتا۔ یہاں تک کہ سابقون الاولون، مہاجرین و انصار میں بھی کسی کا یہ منصب نہیں ہوسکتا۔ وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو بات وحی سے فرماتے تھے صحابہ بلا چون و چرا سر تسلیم خم کردیتے تھے۔ ورنہ پوچھتے تھے کہ حضورؐ یہ بات وحی سے فرما رہے ہیں یا محض بشری حیثیت سے۔ جو بات وحی سے نہیں ہوتی تھی ان میں آپ لوگوں کو اطاعت و اتباع پہ مجبور نہیں فرماتے تھے

تو جس عبادت کا وقت آجائے۔ اشتیاق کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں حاضری کے لئے تیار ہوجانا اس "مخلصانہ حاضر باشی" سے مراد ہے گویا ایک مسلم اپنے کو ہر وقت حاضر دربار سمجھے جس وقت پکار ہو فوراً موجود ہوجائے:

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا
بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ
وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ
فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ

ایسے لوگ جن کو ان کی تجارت، ان کے خرید و فروخت کا کاروبار ان کو اللہ کی یاد سے غافل نہیں کردیتا نہ نماز سے نہ ادائے زکوٰۃ سے (وہ غافل رہتے ہیں) وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس دن لوگوں کے دل الٹ جاتے ہیں اور آنکھیں الٹ جاتی ہیں یعنی مرنے کا وقت۔ (میں یہی سمجھا ہوں عام طور سے لوگ قیامت کا دن بھی مراد لیتے ہیں اور دل الٹ جائیں گے اور آنکھیں الٹ جائیں گی ترجمہ کرتے ہیں وہ بھی صحیح ہے۔)

یہ جذبہ عبادت جو سات جذبوں کا مجموعہ ہے صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ ان میں سے کسی جذبے کو بھی غیر اللہ کے لئے پیدا کرنا مستقل شرک نہیں تو قریب شرک ضرور ہوجائے گا اور کسی وفات یافتہ بزرگ کے ساتھ ان میں سے کسی جذبہ کا رکھنا تو یقیناً مستقل شرک ہے۔

حقوقِ نفس :۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقٌّ۔ تمہارے نفس کا بھی تم پر ایک حق ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے : يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ اے مومنو! تم ذمہ دار اپنی جانوں کے ہو۔ اسی لئے خودکشی حرام ہے روزوں میں سحر کھانے کی تاکید اسی لئے ہے کہ بھوک پیاس کی شدت ناقابل برداشت نہ ہو جائے۔ اپنے جسم کو ریاضات و مجاہدات کے ذریعے تکلیف دینا کوئی کار ثواب نہیں نہ رضائے الٰہی حاصل کرنے کا یہ ذریعہ ہو سکتا ہے۔ مالی صلاحیت رکھتے ہوئے پھٹے پرانے کپڑے یا محض معمولی حقیر کپڑے پہننا یا ستو پینا اور حقیر کھانے کھانا وہ بھی بلا وجہ اور اس کو رضائے الٰہی حاصل کرنے کا ذریعہ سمجھنا اسلام کی تعلیم نہیں۔ قرآن میں فرمایا ہے قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ ۔ کہدو (اے رسول) کہ اللہ نے اپنے بندوں کے لئے جو زیب و زینت کی چیزیں اور پاکیزہ غذائیں پیدا کی ہیں ان کو کس نے حرام کیا ہے؟ غرض اللہ تعالےٰ کی بخشی ہوئی جائز و حلال نعمتوں سے جو جائز طریقوں سے حاصل کی جائیں بلا وجہ باوجود مواقع میسر ہونے کے اپنے آپ کو ان سے محروم رکھنا دین اسلام کی تعلیم کے خلاف ہے۔ اسی طرح دینی و دنیوی فرائض سے اپنے کو غافل رکھ کر یا شرک و بدعات میں مبتلا ہو کر اپنی عاقبت برباد کرنا تو سب سے زیادہ اپنے نفس کے حق کو پامال کرنا ہے۔

اپنے نفس کے حقوق کے مطابق فرائض بھی ہر شخص پر عاید ہیں۔ شرک و بدعت سے محفوظ رہنا، اور ہر گناہ کبیرہ سے خصوصاً اور عام گناہوں سے عموماً بچے رہنا۔ اپنے میں صفات حمیدہ پیدا کرنا، برے خصائل سے اپنے کو پاک رکھنا۔ بدنامیوں سے بچنا، نیک کاری نیک کرداری کے ذریعے نیک نامی حاصل کرنا مگر صرف نیک نامی ہی کے لئے نیک کاری اختیار کرنا درحقیقت شرک ہے۔ مطلب یہ کہ وَيُحِبُّونَ أَنْ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا کا مصداق نہ بنے۔ یعنی جس نیکی کو وہ کرتا نہیں ہے مگر چاہتا ہے یہ کردہ نیکی اس کی طرف منسوب ہو اور لوگ اس کو اس نیکی کی رو سے ممدوح سمجھیں جیسے بعض لوگ حاجی نہیں ہیں مگر اپنے کو حاجی مشہور کئے ہوئے ہیں۔ غرض نیکی وہی ہے جو محض اللہ کے لئے ہو۔

آپس کے حقوق و فرائض :۔ ماں باپ کے حقوق کا ذکر قرآن میں صاف طور سے موجود ہے۔ ان کی بات ماننے کا حکم ہے، ان کی نافرمانی سے ان کو دکھ پہنچانے سے منع کیا گیا ہے۔ البتہ کسی گناہ کی بات کا وہ حکم دیں تو ان کی وہ بات نہیں ماننی چاہیے۔ ان کے ساتھ احسان وحسن وسلوک کی بار بار تاکید فرائی گئی ہے اسلئے ان کے حقوق کی نگہداشت فرض ہے۔

زن و شو کے باہمی حقوق :۔ زن و شو میں ایک کا حق دوسرے پر ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے :۔ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ عورتوں کا حق بھی مردوں پر اس کے مانند ہے جیسا کہ مردوں کا حق عورتوں پر ہے وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ البتہ مردوں کو ان پر ایک درجہ فضیلت حاصل ہے۔ مرد مہر ادا کرتا ہے، نان و نفقہ کی ذمہ داری اپنے سر لیتا ہے اسلئے اس کو ایک درجہ فضیلت دی گئی ہے۔ حقوق کی مماثلت سے مراد مساوات نہیں ہے کہ مرد عورت کا مہر ادا کرے تو عورت بھی مرد کا مہر ادا کرے۔ یہ مطلب نہیں ہے۔ اگرچہ آجکل بہت جگہ یہی ہو رہا ہے بلکہ عورت کا مہر تو محض زبانی ہوتا ہے۔ خدا جانے ادا ہوگا یا نہ ہوگا مگر مرد نکاح کے وقت لڑکی والوں سے اپنے مطالبے رکھوا لیتا ہے۔ یہ ہندوؤں کے تلک والی رسم مسلمانوں کے بعض طبقوں میں ایک لعنت کی طرح اکثر نوجوانوں پر مسلط رہتی ہے۔ اللہ تعالےٰ اس لعنت سے بچنے کی ہر مسلم نوجوان کو توفیق دے۔ آمین ثم آمین۔

زن و شو کے درمیان حسن معاشرت قائم رکھنے کی دونوں کو تاکید ہے۔ مردوں کو خصوصیت کے ساتھ اس کی تاکید ہے وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ان کے ساتھ بہتر طریقے سے بسر کرو حدیث میں ارشاد ہے خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ وَشَرُّكُمْ شَرُّكُمْ لِأَهْلِهِ تم میں بہتر وہی شخص ہے جو اپنے اہل وعیال کے لئے بہتر ہو۔ اور تم میں برا وہ ہے جو اپنے اہل وعیال کے ساتھ برا ہے۔

اہل قرابت کے حقوق :۔ قرآن مجید میں ہے وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ ۔ اہل قرابت کو ان کا حق ادا کرو۔ اہل قرابت کا یہی حق نہیں ہے کہ وہ اگر محتاج ہوں تو ان کی کچھ مالی مدد کر دو۔ بلکہ ان سے محبت کی رسم و راہ قائم رکھنا، بھلے برے میں ان کی خبر گیری کرتے رہنا۔ شادی غمی کے موقع پر ان کے کاموں میں ان کا ہاتھ بٹانا وہ جس قسم کی مدد کے حاجتمند ہوں حتی الوسع اُن کی اس طرح کی

مدد کرنا۔ اُن کو بُرے کاموں سے روکنا۔ نیک کاری و نیک کرداری کی طرف اُن کو مائل کرنا۔ (اس آیت کی تفسیر جن روایات کی بنا پر کی جاتی ہے میرے نزدیک وہ روایات محل نظر ہیں اسلئے میں نے اس آیت کا وہی مفہوم لکھا ہے جو الفاظ آیت سے ظاہر ہو رہے ہیں)۔

اقربا پروری:۔ بہت اچھی صفت ہے بلکہ فرائض میں داخل ہے اگر اپنے ذاتی مال سے کی جائے۔ اپنے ذاتی کاروبار میں غیروں کی جگہ اپنے اقربا کو ملازمت دی جائے۔ مگر دوسرے کے مال سے، یا حکومت کے عہدہ دار اگر حکومت کے خزانے سے اقربا پروری کرنا چاہیں تو یہ صاف خیانت ہوگی۔ اگر آپ کے ہاتھ میں عہدوں کا تقرر ہے تو اگر امیدواروں میں آپ کا کوئی قرابت مند بھی ہے اور دوسرے لوگ بھی تو ایسی حالت میں آپ بہتر اور لائق امیدواروں کا انتخاب کریں۔ صرف اپنی قرابت کی وجہ سے اپنے قرابت دار کا انتخاب نہ کریں اور اگر آپ کا وہ قرابت دار ہی سب امیدواروں سے زیادہ لائق ہے تو صرف اس لئے کہ وہ آپ کا قرابت دار ہے، اس کو نظر انداز کرکے اس سے ادنیٰ درجے کے امیدوار کو بحال کرنا صرف لوگوں کے طعنۂ اقربا پروری کے خوف سے ہوگا اور یہ بھی درحقیقت ظلم ہی کی ایک شکل ہے۔

ایک سچے مسلم کی صفت یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ لَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ یعنی ایک مسلمان کسی کی ملامت اور طعن و تشنیع سے نہیں ڈرتا۔ مسلمان صرف اللہ تعالےٰ سے، قیامت کی بازپرسی سے ڈرتا ہے۔ ایک مسلمان اپنے ہر کام کے وقت یہ سوچ سمجھ لیتا ہے کہ اس کے متعلق ہم سے اللہ تعالےٰ قیامت کے دن بازپرس کریگا۔ آپ کا ضمیر آپ کی دیانت اگر آپ کو ملامت کر رہی ہے تو کسی دوسرے کی ملامت کی پروا نہ کیجئے اور جو حق سمجھتے ہیں وہی کیجئے۔ مگر اللہ تعالےٰ سے ڈرتے رہیئے۔ قیامت کی بازپرس اور داروگیر سے لرزتے رہیئے۔

پڑوسیوں کے حقوق:۔ قرآن مجید میں ہے

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا
وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَ
الْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي
الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ
بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ
اَيْمَانُكُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ
مُخْتَالًا فَخُوْرًا ۙ

اللہ کی عبادت میں لگے رہو۔ کسی کو کسی بات میں ذرا بھی اس کا شریک نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ بھی احسان کرتے رہو۔ اور قرابت داروں کے ساتھ یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ قرابت دار پڑوسی کے ساتھ اجنبی پڑوسی کے ساتھ اور ہمنشینوں کے ساتھ اور مسافروں کے ساتھ اور لونڈی غلام کے ساتھ (اب لونڈی غلام کا زمانہ نہیں ہے تو ان کی جگہ نوکر چاکر۔ ماما کو سمجھئے) یاد رکھو کہ اللہ تعالےٰ اِترانے والوں شیخی بگھارنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

(سورہ نساء آیت ۳۶)

اس آیت کریمہ میں پڑوسیوں کے علاوہ ماں باپ، اہل قرابت اور یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور لونڈی غلام یا نوکر چاکر، دائی، ماں کے حقوق بھی بیان فرمادیئے اور ان سب کے ساتھ احسان یعنی حسن سلوک کا حکم دیکر ان سب کے حقوق کے ادا کرنے کو اسلامی وانسانی فرائض میں داخل فرمادیا ہے۔ مگر شروع آیت میں جو فرمایا اللہ کی عبادت میں لگے رہو اور کسی کو کسی بات میں بھی اس کا شریک نہ بناؤ۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ تم جس کے ساتھ بھی احسان کرو یہ سمجھکر احسان کرو کہ اللہ تعالےٰ نے اس کا حق میرے ذمے رکھ دیا ہے۔ ان کے حقوق کا ادا کرنا مجھ پر فرض ہے۔ میں ان میں سے جس کے ساتھ بھی احسان کر رہا ہوں تو ان کا حق ادا اپنا فرض ادا کر رہا ہوں اس لئے اُن پر کبھی احسان جتانے کا خیال بھی دل میں نہ آئے اور نہ ریاکاری کی نیت سے، دوسروں کو دکھانے کے لئے کسی پر احسان کرو کیونکہ حقیقت میں یہ شرک ہے۔ جن کاموں سے اللہ تعالیٰ کو اپنے سے راضی رکھنا تھا تم ان کاموں کو اس لئے کر رہے ہو کہ دیکھنے والے تم سے راضی اور خوش رہیں۔ نیکی کرنی چاہیئے اللہ تعالےٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اور تم نیکی کر رہے ہو مخلوق میں نیک نامی اور اپنی نیک کرداری کی شہرت کے لئے۔ اور پھر اپنی نیک نامی کی شہرت پر اتراتے رہتے ہو کہ دس جگہ تمہاری نیک کرداریوں کے چرچے ہوتے رہیں۔ یا تم خود شیخی بگھارا کرتے ہو کہ ہم نے فلاں کے ساتھ یہ کیا اور فلاں کے ساتھ یہ کر رہے

ہیں۔ تو یاد رکھو کہ ایسے اترانے والے شیخی بگھارنے والے اللہ تعالےٰ کے نزدیک نہایت ناپسندیدہ لوگ ہیں۔

حدیثوں میں پڑوسیوں کے حقوق کے متعلق بہت کچھ ہے۔ اور اہل جنت کی نشانی بتائی گئی ہے پڑوسیوں کا خوش اور راضی رہنا۔ اور اہل دوزخ کی نشانی بتائی گئی ہے کہ پڑوسی ان سے ناخوش اور نالاں رہتے ہوں۔

عَامْ مُسلمانوں کے حقوق:۔ فرمایا گیا اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ اِخْوَۃٌ سارے مسلمان (بلا امتیاز ذات پات اور بلا تفریق قوم وملک کے سب کے سب) آپس میں بھائی بھائی ہیں چاہے وہ مختلف ملکوں کے مختلف قبیلوں کے باعتبار سکونت یا باعتبار نسل و رنگ مختلف قوموں ہی کے کیوں نہ ہوں۔ مگر اسلام کے شیرازے سے سب کے سب منسلک ہیں تو سب کے سب آپس میں ایک دوسرے کے بھائی ہیں ایک اللہ، ایک رسول؛ ایک کتاب پر ایمان رکھنے والے ایک قبلے کی طرف رخ کرکے نمازیں پڑھنے والے اسی طرح بھائی بھائی ہیں جس طرح ایک ماں باپ کی اولاد بھائی بھائی ہوتے ہیں۔ اس لئے ذوی القربیٰ میں سب داخل ہیں۔ البتہ الاقرب فالاقرب کا خیال ضرور رکھا جائیگا۔ جو جتنا قریب تر ہے اسی قدر اس کا حق پہلے ادا کرنا فرض ہوگا۔ اپنا بھائی چچیرے بھائی پر مقدم ہوگا۔ قرابت مند پڑوسی اجنبی پڑوسی پر مقدم ہوگا۔ مگر پھر بھی جو زیادہ تر ادائے حق کا محتاج ہو وہ اس سے مقدم رکھا جائیگا جو اس سے کم محتاج ہے۔ ایک اجنبی مسلمان اگر زیادہ محتاج قرابت مند سے ہو تو اس اجنبی کا حق مقدم رکھنا چاہیئے۔

ذمی کفار و مشرکین کے حقوق:۔ اسلامی مملکت میں جو کفار ومشرکین حکومت اسلامیہ کے وفادار بن کر آباد ہوں ان کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان فرمانے کا حکم دیا تھا کہ اَنْبِأْھُمْ بِاَنَّ لَھُمْ مَا لِلْمُسْلِمِیْنَ وَعَلَیْھِمْ مَا عَلَی الْمُسْلِمِیْنَ ذمی کفار کو مطلع کردو کہ شہری حقوق ان کیلئے بھی وہی ہیں جو سب مسلمانوں کے لئے ہیں۔ اور شہری ذمہ داریاں بھی ان پر وہی عائد ہیں جو سب مسلمانوں پر عائد ہیں۔ شہری حقوق میں ان کے ساتھ مسلمانوں کے برابر برتاؤ ملحوظ رہیگا کوئی فرق نہیں کیا جائیگا۔ وہ پورے امن وامان کے ساتھ اسلامی ملک میں اپنا کاروبار کرسکتے ہیں۔ اپنی مذہبی عبادتیں ادا کرسکتے ہیں مگر ایسی رسمیں جو دوسروں کے لئے دل آزار اور مضرت رساں نہ ہوں۔

حربی دشمن کفار کے حقوق:۔ دشمنوں سے مدافعانہ جنگ کی اجازت ہی نہیں بلکہ حملہ آوروں کی مدافعت کا حکم ہے۔ اور اس کے لئے ہمیشہ تیار رہنے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ مگر دشمن اگر صلح کی درخواست کرے تو اس کی درخواست قبول کرلینے کا حکم ہے وَاِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَھَا اگر دشمن کفار صلح پر مائل ہوجائیں تو تم بھی صلح کی طرف مائل ہوجاؤ۔ مگر خود سے پیغام صلح کرنے میں پیش قدمی سے منع فرمایا گیا ہے۔ سورہ محمدؐ کی آیت ۳۵ میں ہے فَلَا تَھِنُوْا وَتَدْعُوْا اِلَی السَّلْمِ تم کمزوری نہ دکھاؤ اور صلح کی درخواست نہ کرو۔ دشمن سے انتقام لو تو برابر کا انتقام لو۔ انتقام میں زیادتی نہ کرو۔ سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے۔ وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ط اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ہ جو لوگ تم سے مار کاٹ کررہے ہوں تم بھی ان سے مار کاٹ کرو مگر اللہ کی راہ میں (یعنی محض جذبہ انتقام میں نہیں)، اور (مار کاٹ میں) حد انصاف سے آگے نہ بڑھ جاؤ۔ اللہ تعالےٰ حد سے گذرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ اور سورۂ بقرہ آیت نمبر ۱۹۴ میں ہے فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْہِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ جو شخص تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر زیادتی کرو (مگر) جیسی زیادتی اس نے کی ہے۔ یعنی دشمن کی زیادتی سے تمہاری زیادتی بڑھ نہ جائے۔

غور فرمائیے! جو دین دشمنوں کے حقوق کی نگہداشت کی تعلیم دیتا ہو اس دین سے بڑھ کر انسانیت کی تکمیل کونسا دین کرسکتا ہے؟ اس سے بڑھ کر تکمیل انسانیت کی تعلیم اور کیا ہوسکتی ہے کہ دشمن اگر حالت جنگ میں مقابلے کی تاب نہ لاکر صلح کا پیغام دے تو قبول کرلو۔ اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اس پر زوردار حملہ کردینے کا حکم نہ ہوا۔ اگر دشمن نے کوئی زیادتی کی ہے تو بدلہ لینے کی اجازت تو دی گئی۔ مگر برابر کے بدلے کی جس قسم کی اور جیسی زیادتی دشمن نے کی ہے بس ویسی ہی زیادتی تک آنے کی اجازت دی گئی ہے۔ اس سے زیادہ کی نہیں۔ یہ ہے تکمیل انسانیت اور یہ ہے فرائض انسانیت کی تعلیم۔ اور یہ ہے حقوق انسانیت کی نگہداشت۔

باہمی تعاون :- آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کا حکم ہے مگر کس طرح؟ ارشاد ہے تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ آپس میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو مگر نیکو کاری کی باتوں میں اور اللہ کا ڈر یاد دلا کر۔ گناہ و سرکشی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے ایک بار فرمایا۔ اُنْصُرْ اَخَاكَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا یعنی اپنے بھائی کی مدد کیا کرو وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ صحابہ نے عرض کیا کہ مظلوم کی مدد کو تو ہم سمجھتے ہیں کہ اسکی مدد کرکے ہم اسکو ظالم کے ظلم سے بچا لینگے مگر ظالم کی مدد کس طرح کرینگے؟ تو آپ نے فرمایا کہ ظالم کی مدد یہ ہے کہ اس کو ظلم کرنے سے روکو۔ سمجھاؤ، اللہ سے قیامت کی بازپرس سے ڈراؤ۔ نہ ماننے تو اپنے ہاتھ پاؤں سے اس کو ظلم کرنے سے باز رکھو۔ یہ حدیث اسی آیت کی تفسیر ہے مظلوم کی مدد تو تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ ہے اور ظالم کی مدد اس کو ظلم سے باز رکھو کر تعاون عَلَى التَّقْوٰى ہے۔ اسی لئے کسی مجرم کی مدد کرنا چاہے وہ مجرم اپنا باپ یا بیٹا ہی کیوں نہ ہو اسلام نے جائز نہیں رکھی۔ اپنا کوئی عزیز کوئی جرم کر بیٹھے تو اس کو سزا سے بچانے کی جدوجہد اور مقدمات کی پیروی وغیرہ اسلام نے قطعاً حرام قرار دی ہے۔ یہاں تک کہ کسی مقدمے میں گواہی دینے سے انکار کرنا یا چھپ جانا، کہیں بھاگ جانا محض اس لئے کہ وہ گواہی اپنے کسی عزیز کے خلاف ہوگی اور اس کی گواہی سے اس عزیز کا نقصان ہوگا یا خود اپنا نقصان ہو گا، جائز نہیں چنانچہ حکم ہے :-

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝

اے ایمان والو! تم انصاف پر پوری طرح قائم رہو اللہ کے گواہ رہو۔ "اللہ کے گواہ" رہنے کا مطلب اس طرح سمجھئے :-

(باقی صفحہ ۲۲۵ پر)

مہرِ عرب، ماہِ عجم

بشیر فاروق

تو آفتابِ ازل ہے محمدِ عربی
تو ماہتابِ ابد ہاشمی و مطلبی

تری ضیا سے منوّر ہے کائناتِ وجود
تری ادا پہ فدا حسنِ رومی و حلبی

اٹھائی دہر سے تمیزِ رنگ و بو تو نے
مٹائی تو نے زمانے سے لعنتِ نسبی

ملا ہے سرورِ کونین کا لقب تجھ کو
یہ وہ لقب ہے کہ نازاں ہے جس پہ خوش لقبی

وہ جام روزِ ازل تو نے جو پلایا تھا
کچھ اور اس نے بڑھا دی ہے میری تشنہ لبی

ترے کرم کا گلہ بھی زباں درازی ہے
تری نظر کی شکایت بھی ایک بے ادبی

ترے ہی سوز نے صبر و رضا دیا دل کو
ترے ہی عشق نے بخشی مجھے حجف طلبی

چراغ محفلِ شب بجھ گئے مرے آقا
مرے نصیب میں کب تک رہے گی تیرہ شبی

ترے حضور میں مدت سے سر خمیدہ ہوں
اِدھر بھی ایک نظر ہو محمدِ عربی

نقد و نظر:

"خوشا وہ دور"

(سیاستِ طیّبہ پر ایک نظر)

رفیق خاور

سیاست! اس سے زیادہ رسوا لفظ شاید ہی کوئی ہو۔ اس کے معنی جھوٹ، فریب، افترا، ریاکاری اور چالبازی کے سوا اور کچھ نہیں۔ تمام تر کاروبار شیطانی! آج کل جس سیاست کا بول بالا ہے اس میں انہی چیزوں کی گرم بازاری ہے۔ اور جو قوم بساطِ سیاست پر جتنی شاطرانہ چالیں چل سکے اتنی ہی چالاک و ہوشیار خیال کی جاتی ہے، خواہ یہ بساط اس کی اپنی ملکی بساط ہو یا بین الاقوامی۔ مدعا صرف یہ ہے کہ بازی جیتی جائے اور ہر قیمت پر جیتی جائے، خواہ اس کے لئے کوئی بھی طریقے اختیار کئے جائیں۔ اب یہ ہتھکنڈے اپنوں پر برتے جائیں یا بیگانوں پر، بات ایک ہی ہے۔ بہرحال سیاستِ حاضرہ کی معراج یہی ہے۔ یہ وہ پیمانہ ہے جس سے فی زمانہ عظمت کا اندازہ لگایا جاتا ہے اور اقوامِ عالم کے شائستہ اعتبار ہونے کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔

درحقیقت سیاست فی نفسہٖ نہ اچھی ہے نہ بری۔ یہ پسندیدہ بھی ہو سکتی ہے اور ناپسندیدہ بھی۔ جیسے اور باتیں کبھی درست ہوتی ہیں کبھی نادرست، اسی طرح سیاست بھی کبھی صحت مند ہوتی ہے اور کبھی غیر صحت مند، کبھی زیبا کبھی نازیبا۔ ایسا بارہا ہوا ہے اور ہوتا رہے گا۔ درحقیقت یہ سیاست کی مسخ شدہ صورت ہی ہے جو نظرگاہ جہاں ہے۔ اور جس سے ——— ہوئی ہے زیرِ زمیں امتوں کی رسوائی۔ آج سے صدہا سال پہلے "فلارنسا" کے باطل پرست میکیاولی نے اس نوع کی سیاست کا شد و مد سے پرچار کیا تھا۔ مغرب نے قرونِ وسطیٰ کی کلیسائی فضا سے ابھر کر اس اندازِ سیاست کو انتہائی ذوق و شوق سے لبیک کہا اور اسے اپنے سیاسی لائحۂ عمل کا سنگِ بنیاد ٹھہرایا۔ یہ سیاست محض دنیاوی ہے۔ اس کا نہ دین سے کوئی تعلق ہے نہ اخلاق سے۔ اسلئے کہ خود زندگی ہی ان دونوں سے یک قلم بیگانہ ہے۔ یورپ کا تمام جدید نظامِ فکر و عمل اور نظامِ حیات عقل کی خود رائی، خود بینی اور مادیت پر استوار ہے۔ اسلئے اس سے توقع ہی عبث ہے کہ کبھی اخلاقی اصول یا ضابطے پر کاربند ہو گا۔

اور اب فرنگی معاشرے کا فساد شومئی قسمت سے مغرب ہی تک محدود نہیں رہا۔ یہ عالمگیر ہو کر تمام اقوامِ عالم پر محیط ہو چکا ہے اور وہ بہت، رقابت، خود فروشی، ناشکیبائی، ہوسناکی، مسابقت، جوع الارض، بالادستی اور گلوتراشی کے جنون میں اس مسموم سیاست ہی کو آلۂ کار بنانے میں ایک دوسرے سے پیش پیش ہیں جس کے معنی ہیں مسلسل آشوب، عدمِ توازن، ابتری، پریشانی، خلفشار، روز افزوں کشمکشِ حیات، حالانکہ نوعِ انسان کے لئے راہِ نجات ایک، اور صرف ایک ہی ہے۔ اخوت کی فراوانی، محبت کی جہانگیری۔ بالفاظِ دیگر باہمی تعاون، ہم آہنگی، اتحاد، خیر سگالی۔

> "ڈپلومیسی اِن اسلام" (انگریزی): افضل اقبال
>
> صفحات: ——— ۱۵۶
>
> ناشر: ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ لاہور

بلاشبہ افرنگ کی سیاسی روش تلخکامیاں ہی تلخکامیاں، شکوک ہی شکوک، غلط فہمیاں ہی غلط فہمیاں اور خرابیاں ہی خرابیاں پیدا کر سکتی ہے۔ سوال اٹھتا ہے کہ اس وبائے عام کا علاج کیا ہے۔ کیا اس دورِ آشوب میں کوئی سیاستِ حسنہ ہے جو ہمارے لئے شمعِ راہ ثابت ہو؟ اس کا جواب بانئ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہے جو تمام اقوامِ عالم کے لئے دعوتِ فکر بھی ہے اور درسِ بصیرت بھی۔ شرارِ بولہبی کے مقابلے میں چراغِ مصطفوی۔ اس دنیائے ظلمات و آشوب میں برابر "تا بہ مصطفٰے برسی" کی یاد دلاتا ہوا۔ خود نوعِ انسان کی فلاح و بہبود اور جدید حالات کا تقاضا ہے کہ ہم اس چراغ کی طرف رجوع ہوں اور اس سے روشنی پانے کی کوشش کریں۔

سیرتِ نبویؐ کے دوسرے پہلوؤں کی طرح اس پہلو میں بھی ایسے مردِ راہ کی ضرورت ہے جو اس کے مقامات سے بخوبی واقف ہو اور

ہماری پوری طرح رہنمائی کر سکے۔ یہ مردِ راہ "ڈپلومیسی اِن اسلام" کے مصنف جناب افضل اقبال سے بہتر اور کون ہوگا جس نے سیاستِ نبوی کا نہایت گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے۔ مبسوط، محققانہ اور بصیرت افروز اور جسے پاکستان کے سررشتۂ سفارت سے متعلق ہونے کے باعث عالمی روابط کو بچشمِ خود دیکھنے کا موقع بھی ملا ہے۔ آیئے ہم آنحضرتؐ کے اسوۂ حسنہ کے اس اہم پہلو کو اس مردِ راہ داں کی نظر سے دیکھیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام سے پہلے بین الاقوامی معاملات کو باہمی بات چیت، مراسلت، ثالثی یا توسل وغیرہ کے ذریعہ سے طے کرنے کی کوئی معقول نہج ہی نہ تھی۔ بنی اسرائیل تھے تو وہ خود کو خدا کی برگزیدہ قوم سمجھتے تھے اور دوسروں کو تسلیم کرنے ہی کو تیار نہ تھے۔ یہی کیفیت اہلِ یونان کی تھی جو دوسروں کو "بربری" خیال کرتے تھے۔ رومیوں کے عروج سے کوئی فرق نہ پڑا اور بین الاقوامی روابط کی انسانیت پر مبنی کوئی اساس نہ قائم ہو سکی۔

اسلام کے ساتھ صورتِ حال یکسر بدل گئی۔ اور نہ صرف عالمی سیاست بلکہ بین الاقوامی قانون میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ کیونکہ اسلام نے رنگ، خون، نسل کے تمام امتیازات مٹا کر نوعِ انسان کو ایک ہی برادری قرار دیا اور علی الاعلان کہا کہ تمام انسان اور ریاستیں بلا لحاظ نسل و مذہب یکساں حقوق و فرائض کی حامل ہیں۔ بالفاظ دیگر اسلام پہلا مذہب ہے جو اس بنا پر کہ:

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند
کہ در آفرینش ز یک جوہر اند

ایک عالمگیر ریاست کا قائل ہے۔ اور نہ صرف مسلمانوں کے باہمی تعلقات بلکہ غیر اسلامی ریاستوں کے ساتھ روابط کی بھی ایسے اصولوں کی بنا پر تنظیم کرتا ہے جو زیادہ سے زیادہ عدل و انصاف کے حامل ہوں۔ یہ ایک بہت بڑا فیضان ہے جو یورپ کی روش سے زبردست انحراف ہے۔ اور یہ روش آج ہی سے نہیں، ابتدا ہی سے تہذیبِ مغرب کے بانی مبانی، اہلِ یونان، اسے ہے جو سیاست کو حیلہ کاری کا مترادف خیال کرتے تھے۔ ایسے طور طریق جن کا اخلاق و شرافت سے کوئی تعلق نہیں۔ عشق و جنگ کی طرح سیاست میں بھی ہر بات جائز تھی چرب زبانی، دروغ گوئی، مکر و فریب، چالاکی، خوشامد، عیاری۔ یہ سب سیاست کا جزوِ لاینفک تھے۔ رومیوں اور دوسری مغربی قوموں کا بھی صدہا سال یہی شعار رہا۔ ان کے نزدیک سفیر بالتدبر درحقیقت سفیرِ شر تھا، سفیرِ خیر نہ تھا۔ اور قومیں اپنے مقاصد دباؤ، تحریص، ترغیب اور ریشہ دوانی سے حاصل کرتی تھیں اور ایک میکیاولی کیا، مغرب کا ہر مدبر ایک عیار شاطر تھا۔ لہٰذا جدید یورپ نے اس لحاظ سے بھی اپنے اسلاف کی پوری پوری پیروی کی ہے۔

اسلام کے ساتھ ایک اور ہی تصور ابھرا ہے۔ ایک پاکیزہ تصور جو ایک پیغمبر اور الہامی مذہب دونوں کے شایانِ شان اور ان کی صحیح پیداوار ہے۔ اس میں مکر و فریب کو کوئی دخل نہیں۔ جو کچھ ہے برملا ہے اور باہمی گفت و شنید، مراسلت، مصالحت، توسل اور ثالثی پر مبنی ہے۔ جو بھی کیا یا کہا جاتا ہے وہ خلوص، حسنِ نیت اور اخلاقی اصولوں کی بنا پر ہے۔ اور آنحضرتؐ کے اسوۂ حسنہ نے جو نہج مقرر کر دی وہ اسلامی سیاست کی مستقل بنیاد قرار پائی، اور اکثر و بیشتر اسی پر عمل ہوتا رہا۔ رسولِ کریمؐ کی زندگی میں ایک واقعہ بھی ایسا نظر نہیں آتا جس میں اس مسلک سے سرِمو انحراف کیا گیا ہو۔

زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ ابھی حضورؐ کی بعثت نہیں ہوئی تھی تو بھی ان کا مسلک یہی تھا۔ خلوص اور نیک نیتی کا مسلک چنانچہ وہ واقعہ کسے معلوم نہیں کہ جب آپ کی عمر پچیس سال بھی نہ تھی تو حجرِ اسود کے نصب کرنے پر کتنی خطرناک فضا پیدا ہو گئی۔ سارے قبائل چاہتے تھے کہ یہ شرف ان کو حاصل ہو اور وہ مرنے مارنے پر تلے ہوئے تھے۔ کچھ عجب نہ تھا کہ خون کی ندیاں بہہ نکلیں۔ ایک خون کا بھرا ہوا پیالہ لے آیا۔ دوسرے خونخواروں نے خون میں انگلیاں ڈبو دیں کہ وہ اپنی جانیں تک قربان کرنے کو تیار ہیں۔ خدا ساز اتفاق کہ ثالثی کا بارِ امانت آنحضرتؐ کے شانوں پر پڑا۔ معاملہ بے حد نازک تھا اور اس کا فیصلہ اس سے بھی زیادہ نازک۔ لیکن آپ ذرا بھی پریشان نہ ہوئے۔ اور ایک دم ایسا فیصلہ صادر فرمایا جیسے یہ معاملہ کچھ بھی نہ ہو۔ اس سے شروع ہی میں آپ کی غیر معمولی دانائی اور قوتِ فیصلہ کا پتہ چلتا ہے۔ یہاں تک کہ سب لوگ انہیں "امین" پکار اٹھے۔

بعثت کے بعد نبی اکرمؐ کو قریش کے ہاتھوں جو مصائب اٹھانے پڑے وہ محتاجِ بیان نہیں۔ مدینہ پہنچ کر آپ کو ایک بالکل نئے ماحول میں نئی زندگی کا آغاز کرنا پڑا۔ جس میں خطرے ہی خطرے تھے۔ اور قبیلوں سے قبیلے، مفادات سے مفادات دست و گریباں تھے۔ سب سے

کٹھن کام تھا قبائل کو شیر و شکر کرنا اور اہل مدینہ او ر یہودیوں کے ساتھ میثاق تیار کرنا۔ یہ میثاق آنحضرتؐ کی معاملہ فہمی اور دقیقہ سنجی کا شاندار کارنامہ تھا۔ اور اس لحاظ سے تاریخی اہمیت کا حامل ہے کہ اس میں پہلی دفعہ امتِ واحدہ کا تصور کارفرما نظر آتا ہے۔ اور ایک ایسی مملکت کا تصور جو تمام تر مذہبی ایقان و ایمان پر مبنی ہے۔ عہدِ جاہلیت کے تشتت و افتراق کے خلاف ایک انقلاب عظیم۔ ساتھ ہی مدینہ کے یہودیوں کو بھی مساوات کا درجہ دیا گیا اور ان کی مذہبی آزادی تسلیم کی گئی۔ دونوں کے حقوق و واجبات متعین کئے گئے۔ سب سے بڑی بات یہ کہ رسم و رہ کہن کے خلاف معاملات کے سرانجام میں اخلاقی روش نمایاں ہے۔ یہی وجوہ ہیں جن کی بنا پر اس معاہدہ کو "منشور مدینہ" تعبیر کیا جاتا ہے۔ بڑی بات یہ ہے کہ معاہدہ کو عملاً کامیاب بنانا تھا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ وہ غیر معمولی فہم و فراست کے بغیر ناممکن تھا۔ آنحضرتؐ کوئی جابر حکمراں نہ تھے بلکہ اکثر بڑے بڑے معاملات صلاح و مشورہ، خصوصاً صحابہ کرام کے ساتھ صلاح و مشورہ سے طے کرتے تھے۔ مدینہ میں مہاجر اور انصار یک جان و دو قالب قرار پائے۔ ایک ہی امت کی روح رواں۔

مدینہ میں مسلمان تھے اور چکی کے دو پاٹ۔ ایک طرف مدینہ کے یہودی اور دوسری طرف ان کے دوسرے جانی دشمن قریش مسلمانوں کی جمعیت تھی ہی کیا۔ کل ۳۱۳ افراد۔ ان میں ایک ایک آدمی کی ضرورت تھی چہ جائیکہ ان میں کمی ہو۔ یہ حالات تھے جب دو مسلمان مکہ سے بھاگ کر مدینہ کو روانہ ہوئے۔ راستے میں قریش نے انہیں روک لیا۔ اور اس وعدہ پر جانے دیا کہ وہ جنگ بدر میں ان کے خلاف نہیں لڑیں گے۔ جب وہ مدینہ پہنچے تو انہوں نے حالات کو دیکھتے ہوئے اپنی خدمات پیش کیں۔ کوئی اور ہوتا تو کتنی خوشی سے اس پیشکش کو قبول کرتا لیکن آنحضرتؐ نے وعدہ شکنی کو کسی صورت میں گوارا نہ کیا۔ پھر جب مسلمانوں کو جنگ بدر میں فتح ہوئی تو انہوں نے ذاتی انتقام لینے کی کوئی کوشش نہ کی بلکہ امن و انصاف ہی کے تقاضوں کو ملحوظ رکھا۔

جنگِ احد کے شدائد کے بعد بھی وہی صبر وہی تحمل، وہی صلح و آشتی سے ان کو اپنی طرف کھینچنے کی کوشش تاکہ نرمی و ملائمت اور برداشت سے وہ حاصل کیا جائے جو زبردستی اور خوف و تہدید سے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔

اب ہوتے ہوتے نوبت یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ فریقین میں مفاہمت ہو جائے۔ حرم سے بچھڑے ہوئے آنحضرت کو چھ سال گذر چکے ہیں۔ عربوں میں دستور ہے کہ ہر کوئی ہر سال حریم کعبہ میں جہاں مقدس مہینوں میں لڑائی منع ہے، ہتھیار لگائے بغیر داخل ہو سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت ۱۴۰۰ ہمراہیوں کے ساتھ ذی قعد میں عمرہ یعنی حج اصغر پر روانہ ہوئے لیکن قبائل مکہ ان کا راستہ روکنے کے لئے آمادۂ جنگ ہو گئے۔ آنحضرتؐ نے موقع دیکھتے ہوئے ایک صلحنامہ کی تجویز کی۔ ایک باعزت مفاہمت۔ اس دوران میں قریش نے زیادتیوں پر زیادتیاں کیں لیکن حضور نے ان کا کوئی خیال نہ کیا۔ ان کی آنکھوں کے سامنے حالات کا پورا پورا نقشہ موجود تھا۔ اس لئے وہ اپنے مقصد پر اڑے رہے۔ اور کسی بات کا کوئی انتقام نہ لیا۔ آخر قریش بھی صلح پر آمادہ ہو گئے۔ یہ آنحضرتؐ کی پہلی بڑی کامیابی تھی۔ اس کے بعد جو گفت و شنید ہوئی اس میں آپ نے اور بھی زیادہ تدبر کا ثبوت دیا۔ گفتگو اور خود صلحنامہ سے ہر عنوان نمایاں تھا کہ اس میں مکہ ہی کا پلہ بھاری ہے۔ اور مسلمان بے بس ہونے کے ساتھ برہم بھی ہو رہے تھے۔ خصوصاً ابوجندل کے معاملہ میں جو کفار کے جور و ستم سے بچ بچا کر کسی نہ کسی طرح پا بہ زنجیر مدینہ پہنچ گیا، اور آنحضرتؐ نے نازک ترین حالات میں اس کا واپس جانا منظور کر لیا۔ اس طرح تمام لوگ بری طرح مایوس تھے کہ رسولؐ نے اس صلحنامہ کو ایک فتح مبین قرار دیا۔ یہ ایک ایسی بات تھی جسے بمشکل باور کیا جا سکتا تھا۔ لیکن آخرکار رسول اکرم کی دوربینی بالکل صحیح ثابت ہوئی۔ یہ صلحنامہ واقعی ایک فتح عظیم ثابت ہوا۔ یہ وہ معاہدہ تھا جس نے مسلمانوں کو پھر سے مکہ میں داخل ہونے کا موقع دیا اور بے شمار لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ قریش کو اس نتیجہ کا وہم و گمان بھی نہ تھا۔ اس لئے وہ بعدہٗ معاہدہ میں ترمیم کرانے پر مجبور ہو گئے۔ جبھی قرآن مجید کی ایک سورت میں اس کو فتح عظیم قرار دیا گیا ہے۔ یہ اخلاقی فتح بھی تھی اور سیاسی بھی۔ سب سے بڑی بات جو اس صلحنامہ سے ظاہر ہوتی ہے وہ آنحضرتؐ کی دوربینی، غیر معمولی فہم و فراست، تدبر، جگرداری اور اصول پرستی ہے۔ وہ موقع و محل اور نشیب و فراز کو خوب جانتے ہیں عجلت پسندی اور جذباتیت کی بجائے وہ ٹھنڈے دل سے غور اور عمل کرتے ہیں کوئی مبالغہ، کوئی سنسنی خیزی، کوئی ہنگامہ آرائی نہیں، وہ بلا کے مردم شناس ہیں اور حالات سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ معاہدۂ حدیبیہ کے معنی یہی تھے کہ اہل مکہ نے آنحضرتؐ کو سردار مدینہ تسلیم کر لیا۔

آخر وہ دن بھی آ پہنچا جب حضرت محمدؐ اور ان کے پیرو مکہ میں

فاتحانہ طور پر داخل ہوئے۔ ایسے حالات میں فاتحین جو کچھ کیا کرتے ہیں وہ کسے معلوم نہیں۔ اور پھر جب انتقام کی آگ بھی سینوں میں شعلہ زن ہو۔ اور بدترین دشمن بالکل بے دست و پا ہوں۔ ان تمام باتوں کو دیکھتے ہوئے آنحضرتؐ نے جو سلوک روا رکھا اس کی تاریخ میں کوئی نظیر نہیں ملتی۔ اس لئے کہ آپ کی ذات میں حلم، شفقت اور رحمت کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے تھے اور ان کے ساتھ حکمت و تدبر بھی شامل تھا۔ یہ پیغمبر اسلام ہی تھے جنہوں نے اس فتح عظیم کے موقع پر اہلِ مکہ کو پیغام لاتثریب دیا بلکہ انہوں نے یہ اعلان فرمایا کہ جو لوگ ابوسفیان جیسے دشمن اسلام کے گھر پناہ لیں انہیں امان ہے۔ پھر انہوں نے "ہندا ئے جگر خوار" جیسی خونخوار عورت تک کو معاف کر دیا۔ آنحضرتؐ ان لوگوں میں سے نہ تھے جو نشۂ کامرانی سے بدمست ہو کر کشت و خون اور ظلم و ستم پر اتر آتے ہیں اور انسانوں کے خون سے ہولی کھیلتے ہیں بلکہ وہ سراپا عجز و انکسار تھے اور خدا کے شکر گذار جس نے اپنے بندے کو اس قدر سرافراز کیا۔ ظاہر ہے کہ ان تمام امور کا کس قدر گہرا، وسیع اور دوررس اثر ہوا۔ اور اسلام عرب میں بڑی تیزی سے پھیلنے لگا۔

فتح مکہ اور اس سے قبل پیغمبر اسلام نے جس شفقت و تدبر کے مظاہر کئے تھے وہ کوئی جستہ جستہ واقعات نہ تھے، جو بات بنیادی طور پر اہم ہے وہ یہ مظاہرے نہیں بلکہ ان کی تہہ میں کارفرما خلقِ عظیم ہے، وہ پاک و بلند فطرت جو ان کی حیات کے ہر ہر واقعے میں جلوہ گر ہوئی۔ چنانچہ جس لطف و کرم اور بلند نظری کا مظاہرہ فتح مکہ پر ہوا تھا وہی جنگ حنین کے بعد بھی ہوا۔ مغلوب دشمن کو جان کی امان دی گئی۔ یہی نہیں بلکہ غنیم کے قیدی اور اہل و عیال بھی لوٹا دیئے گئے۔ مال غنیمت کی تقسیم پر مہاجر و انصار کا جو نازک مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا تھا، اس کو اس خوش اسلوبی سے نبٹانا پیغمبر اسلام ہی کا کام تھا۔ ایسے ہی بے شمار نازک معاملات تھے جو محض حسن تدبیر اور مصالحانہ اقدام سے طے پائے ورنہ عرب ایک ایسا تودۂ بارود تھا جس کا کسی وقت ذرا سی چنگاری سے بھی بھڑک اٹھنا بعید نہ تھا۔ اور اس زمانے میں جب کہ اسلام نیا نیا ابھرا تھا اور اس کے گرد و پیش منافق ہی منافق اور فتنہ پرداز ہی فتنہ پرداز تھے۔

ایک بڑا ہی نازک معاملہ بنی المصطلق کی مہم سے واپسی پر مہاجرین و انصار کا معمولی تنازعہ تھا۔ ایک مفسد نے اس شعلے کو ہوا دے کر نہایت خوفناک بنا دیا۔ آنحضرتؐ نے اس موقع پر عجیب حکمت عملی اختیار کی۔ وہ سارا دن اور رات اور دوپہر تک برابر مارچ کرتے رہے، یہاں تک کہ سب تھک کر سو گئے اور اس طرح ان کی توجہ اس معاملے سے ہٹ گئی۔ یہاں بھی بانیٔ فساد کو سزا دینے کی بجائے لطف و کرم اور شفقت ہی سے کام لیا گیا جس سے بہترین نتائج مترتب ہوئے۔

ام المومنین حضرت عائشہؓ پر سنگین اتہام آنحضرتؐ کی ذات اور حیثیت پر ہی نہیں خود اسلام پر ایک زبردست حملہ تھا۔ لیکن آپ نے حسب معمول انتہائی ضبط اور تدبر سے کام لیا جس سے فضا خود بخود نکھر گئی۔

آنحضرتؐ کے دیگر قبائل اور اقوام کی طرف وفود بھی بعینہٖ یکسانیت تدبر اور لطف و مدارات کی اسی داستان کو دہراتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہاں بھی ہر قبیلے اور قوم کے صحیح صحیح حالات جاننے کی اشد ضرورت تھی۔ اور جو بھی لائحہ عمل اختیار کیا گیا وہ کسی عام سیاست دان یا مدبر کا لائحہ عمل نہ تھا جس میں سوچ بچار کی ضرورت پیش آتی ہے، بلکہ محض وجدانی احساس ہی کا نتیجہ تھا، جس میں جو کچھ بھی سوچا یا کہا جاتا ہے ایک دم کیا جاتا ہے۔ بڑی دلچسپ بات یہ ہے کہ آنحضرتؐ امیر مدینہ تو تھے لیکن آج کل کے امیران ریاست کی طرح ناقابل مواخذہ نہیں چنانچہ آنحضرتؐ نے ایک خطبہ میں صاف کہہ دیا تھا کہ جو بھی چاہے ان پر دعویٰ کر سکتا ہے۔ اور تاریخ شاہد ہے کہ ایسا ہوا بھی۔

آنحضرت قاصدوں اور سفیروں سے ہمیشہ نہایت خوش خلقی کے ساتھ پیش آتے۔ ان کی ذات محفوظ تھی اور کسی سے کبھی بدسلوکی نہ کی گئی چہ جائیکہ انہیں ہلاک کیا جاتا۔ اسلام سے پہلے یہ دستور نہ تھا۔ حدیہ ہے کہ وفود کو اپنے طور طریق کے مطابق مساجد میں عبادت کرنے اور مذہبی رسمیں ادا کرنے تک کی اجازت تھی۔ ایسا بھی ہوا کہ کسی سفیر نے قبول اسلام کر لیا تو آنحضرتؐ نے اسے ہدایت کی کہ وہ اپنے قبیلے میں واپس چلا جائے۔ پاس عہد اور پاس وفا بہرحال لازم ہے۔

آنحضرتؐ اصولاً حسن سلوک کے اس قدر قائل تھے کہ اگر کسی قاصد یا سفیر کا رویہ نامناسب ہو تو بھی وہ درگزر ہی سے کام لیتے۔ چنانچہ سفاک وحشی جس نے عم رسول حضرت حمزہؓ کو قتل کیا تھا، سفیر بن کر آیا تو اس سے کوئی مواخذہ نہیں کیا گیا۔ اور وہ اسی حسن اخلاق کی بنا پر مشرف بہ اسلام ہوا۔ آنحضرتؐ یا سفرا کو جو تحفے تحائف دیئے جاتے وہ بیت المال میں داخل ہوتے۔ انتہا

(باقی ص۲۲۵ پر)

میرِ خمستانِ حجاز

(لفٹیننٹ کرنل) خواجہ عبدالرشید

زادنِ او مرگِ دنیائے کہن
مرگِ آتش خانہ و دَیر و شمن
حرّیت زاد از ضمیرِ پاکِ او
این مئے نوشیں چکید از تاکِ او
عصرِ نو کایں صد چراغ آوردہ است
چشم در آغوشِ او وا کردہ است

خالقِ کائنات نے اپنے کلامِ عزیز میں جس اہتمام کے ساتھ اپنے پیارے نبی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا ہے اس کی تصدیق اس بات سے ہوتی ہے کہ روزانہ کروڑہا مسلمان کلمۂ طیّبہ میں رسول اکرمؐ کا نام دوہراتے ہیں۔ اور حدیث قدسی لولاک لما خلقت کی سند پر صوفیائے کرام نے ایک پورا فلسفہ انسانِ کامل کا تشکیل دیا ہے۔ شیخ محی الدین ابن العربی اور عبدالکریم الجیلی نے اس حدیث قدسی سے استفادہ کیا ہے اور علّامہ اقبال نے انہی دو بزرگوں سے متاثر ہو کر ایک نئے مکتبۂ فکر کو تخلیق کیا ہے جس کے گرد ان کا فلسفۂ خودی چکر لگا رہا ہے۔ اقبال کے فلسفہ کا نچوڑ شخصیت کی صحیح تشکیل ہے اور شخصیت کا اعلاترین نمونہ جو اقبال کے پیشِ نظر ہے وہ یہی انسانِ کامل کا جدید ترین تخیل ہے جس کا لب لباب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے ؏ اگر بہ اُو نرسیدی تمام بولہبی است!

اس ذاتِ گرامی نے زندگی کا جو اعلاترین نمونہ پیش کیا ہے یہ اسی کا فیض ہے اس سے ایسی شخصیتیں ترتیب پاتی جا رہی ہیں جو پاک طینت اور پاک سرشت ہوتی ہیں۔ ایسے لوگ موتیوں کی مانند ہیں جن کی آب و تاب حضورؐ ہی کے فیض سے ہے۔

طینتِ پاکِ مسلماں گوہر است
آب و تابش از یمِ پیغمبر است

پاک طینت ویسے تو نیٹشے کے "فوق البشر" میں بھی ہے۔ مگر اس میں یمِ پیغمبر کی آب و تاب نہیں ہے۔ اقبال خود ایک مقام پر نیٹشے ہی کے متعلق کہتے ہیں

اگرچہ پاک ہے طینت میں راہبی اس کی
ترس رہی ہے مگر لذّتِ گنہ کے لئے!

اقبال کا انسانِ کامل اخلاقِ فاضلہ کا نمائندہ ہے۔ مگر نیٹشے کا "فوق البشر" جیسا کہ اقبال کے اس شعر سے ظاہر ہے، کسی اخلاق کا قائل نہیں۔ اور یہ اس لئے ہے کہ وہ خود خدا کا قائل نہیں! چنانچہ اس کی لذّتِ گناہ یا نیکی موجود نہیں، اسی لئے اس میں رحمت بھی مفقود ہے۔ یہ بات صرف حضورؐ کی ذات میں عیاں ہے اور اسی سے خُلقِ عظیم کے فوّارے پھوٹ پڑتے ہیں:-

یہی خُلقِ محمدی ہے جس سے اقوام کا اخلاق سدھرتا ہے اور اس میں تخلیقِ خداوندی کے کرشمے بھی نظر آتے ہیں۔ چونکہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کے اندر ہر چیز کی تکمیل موجود ہے، اس لئے اقبال اسے اکملیت اور افضلیت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور خاتمیت تک پہنچا دیتے ہیں:-

رونق از ما محفلِ ایّام را
او رُسل را ختم و ما اقوام را
لانبی بعدی ز احسانِ خداست
پردۂ ناموسِ دینِ مصطفےٰ است

گویا ہر لحاظ سے، خواہ وہ مادّی ہو یا روحانی، رسولِ اکرمؐ کی ذاتِ اقدس اقبال کے لئے ایک ایسا نمونہ ہے جس کو سامنے رکھ کر انسان اپنا مقصد تخلیق پا لیتا ہے۔ اور چونکہ تخلیقِ انسانی کا منتہائے نظر ہی عبودیت کے بعد نجات ٹھہرایا گیا ہے اسی لئے اقبال کو حضورؐ کی ذات کے اندر وہ تمام خصوصیتیں نظر آتی ہیں جن کے بغیر زندگی نامکمل رہ جاتی ہے اور حصولِ نجات ناممکن۔ انسان کا ذہنی اور روحانی ارتقا رسولِ اکرمؐ

کی ذات پر ختم ہوجاتا ہے اور یہی خاتمیت حضورؐ کا خاصہ اور افضلیت ہے۔ اقبال نے اپنے لکچروں میں ایک شعر نقل کیا ہے:

موسیٰؑ زہوش رفت بیک جلوۂ صفات
تو عین ذات می نگری در تبسمی!

اس شعر میں "صفات" اور "ذات" کے الفاظ غور طلب ہیں۔ یہ کیا مقام تھا کہ اللہ تعالیٰ نے خود حضور سرور کونین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ آ میرے محبوب میں تجھکو اپنا آپ دکھاؤں حالانکہ ان سے پیشتر دیگر انبیاء اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں یہ درخواست کر چکے تھے کوئی آپ کی صفات کا طالب تھا — مثلاً حضرت ابراہیمؑ نے ایک مرتبہ درخواست کی تھی جس میں کیف تحی الموتیٰ پر تقاضا تھا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ کی یہ صفت سمجھ میں نہیں آتی تھی پھر ایک بار حضرت موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ رب العالمین مجھے اپنا آپ دکھا۔ اور جواب ملا تھا کہ نہیں تو مجھے نہیں دیکھ سکے گا! یہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر استفسار تھا۔ مگر یہ کیا مقام تھا کہ جب دیگر انبیا کو صفات اور ذات کے متعلق استفسار کرنے پڑے وہاں ہمارے محبوب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خود اللہ تعالیٰ اپنے حضور معراج کی رات بلاتے ہیں۔ جہاں رسول کریمؐ کو دیگر انبیا پر بہت سی فضیلتیں ہیں وہاں یہ دو سب سے اہم ہیں (۱) خاتمیت اور (۲) معراج۔ کسی اور پیغمبر کے نصیب میں یہ باتیں نہیں آئیں۔ اقبال بار بار اپنے کلام میں ان فضائل کی طرف لوٹ لوٹ کر آتے ہیں، خصوصاً "اسرار و رموز" میں انکا اظہار عقیدت بڑا عیاں نظر آتا ہے۔ اقبال فرماتے ہیں:

غنچہ از شاخسار مصطفےٰ
گل شو از بادِ بہار مصطفےٰ
از بہارش رنگ و بو باید گرفت
بہرہ از خُلق او باید گرفت

خُلق نبی، شعور نبوت کا ایک خاصہ ہے جو معمراتی بھی ہوتا ہے اور تخلیقی بھی۔ اسی سے اقوام تخلیق پاتی ہیں اور امت کے درجے تک پہنچتی ہیں۔ اس سے قوموں کے رخ مڑ جاتے ہیں۔ اور ان کی توجہ ایک مرکز کی طرف منتقل ہوجاتی ہے۔ رسول جس منزل بیداری پر خود ہوتا ہے اسی مقام پر اپنی قوم کو بھی لا کھڑا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا نمونہ ہمیشہ اپنے سامنے رکھتے ہیں۔

اس سے ان کا مرد حُر اور مرد قلندر تخلیق پاتا ہے۔ جو خاتم النبیینؐ کے نقش قدم پر چل کر خود اپنی شخصیت کو ایسے انداز اور پیمانے میں ڈھال لیتا ہے کہ لوگوں کو بیدار کرنے کی اس میں اہلیت پیدا ہوجاتی ہے،

تمہارے نقش کف پا یہ سینکڑوں کے ہجوم
کمالِ حسن تری رہ گذر کو کیا کہئے (نامعلوم)

رسالت تو ختم ہوگئی مگر معراج کی منزل کو خاتم النبیینؐ نے اپنے قدموں پر چلنے والوں کے لئے کھول رکھا ہے۔ معراج شعور انسانی کا بلند ترین مقام ہے۔ الصلوٰۃ معراج المومنین:

از شعور است این کہ گوئی نزد و دور
چیست معراج؟ انقلاب اندر شعور!

مرد قلندر کا اعلا ترین مقام معراج ہی ہوتی ہے! جب شعور بیدار ہوتا ہے تو عام سطح سے اٹھ کر تجلیاتی شعور بن جاتا ہے۔ یہ شعور ولایت میں منتقل ہو کر شعور نبوت تک جا پہنچتا ہے جو اس کی آخری حد ہے، مگر معراج کے حصول کے لئے شعور نبوت شرط نہیں۔ یہ تجلیاتی شعور کی منزل ہی میں حاصل ہوجاتی ہے اور صلوٰۃ تجلیاتی شعور کے موجب بن جاتی ہے۔ شعور کی بیداری ہی سے انسان کی شخصیت تربیت پاتی ہے اور اس کی سیرت تخلیق ہوتی ہے۔ اس کا اعلا ترین نمونہ خود رسول کریمؐ کی زندگی ہے۔ جب شعور بیدار ہوتا ہے تو انسان محسوس زمان و مکان کی قیود سے نکل کر آزاد ہوجاتا ہے۔ یہ سمجھنا سراسر غلط ہے کہ انسان مادی یا محسوس زمان و مکان کے باہر پرواز نہیں کرسکتا۔ وہ ضرور کرسکتا ہے "الا بسلطان"۔ ذرا اس آیت کریمہ پر غور فرمایئے:

"یٰمعشر الجن والانس ان استطعتم ان تنفذوا من اقطار السمٰوات والارض فانفذوا لا تنفذون الا بسلطان۔"

(اے جنوں اور انسانوں کے گروہ اگر تم سے ہوسکے تو آسمانوں اور زمین کے کناروں کے پرے نکل جاؤ لیکن تم نہیں نکل سکو گے مگر بغیر قوت کے!)

یہ قوت کیا ہے؟ یہ علم کی قوت ہے۔ مگر یہ علم ہے کیا؟ میں اس وقت اس بحث میں الجھنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ یہ ایک مستقل اور علاحدہ موضوع ہے۔ بس اتنا جان لینا ہی کافی ہوگا کہ یہ علم تاریخ یا علم ادب تو ہرگز نہیں! یہ علم وہ ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے

قرآن کریم میں یوں فرمایا ہے:

ومن الجبال جدد بیض وحمر مختلف الوانها وغرابیب سود ہ ومن الناس والدواب والانعام مختلف الوانه کذالک ط انما یخشی اللہ من عبادہ العلمٰؤا ط

اقبال اسی علم (الا بسلطان) کے متعلق اس طرح زمزمہ طراز ہیں:-

در وجود او نہ کم بینی نہ بیش
خویش را بینی از و او را ز خویش
نکتہ "الا بسلطان" یاد گیر
ورنہ چوں مور و ملخ در گل بمیر

جب مردِ حُر کا وجود مکمل طور پر بیدار ہو جاتا ہے تو اس کی خودی تقویت پکڑتی ہے اور اس کی شخصیت صحیح خطوط پر اُبھرتی ہے، اس کا جوہر اس قوت کے زور پر مادی زمان و مکان سے ماورا پرواز کر جاتا ہے اور وہ کائنات کی تسخیر کے قابل ہو جاتا ہے۔ یہی اس کی معراج ہے اور یہی خودی اور شخصیت کی منزل کا آخری مقام ہیں نے اس موضوع پر اپنی کتاب "معارف النفس" کے آخری تین ابواب میں سیر حاصل بحث کی ہے۔ مناسب معلوم نہیں ہوتا کہ اس کی تکرار یہاں کی جائے۔ اقبال کو ان تمام حقائق کا مکمل شعور تھا اسی لئے ان کے ہر شعر سے روحانی تجربات ٹپکتے ہیں:

عروجِ آدمِ خاکی کے منتظر ہیں تمام
یہ کہکشاں یہ ستارے یہ نیلگوں افلاک

انسان کی اس قوتِ تسخیر کا علم کائنات کی دیگر مخلوقات کو بھی ہے اور وہ اس "عروجِ آدمِ خاکی" سے سہمے جاتے ہیں۔ قرآن کریم اس پیرائے میں ایک لطیف نکتہ کی طرف اشارہ کرتا ہے:

ومن اٰیتہ خلق السمٰوات والارض وما بثّ فیهما من دابۃ ط وھو علیٰ جمعھم اذا یشآء قدیر ہ

اس آیت کریمہ میں جو بات غور طلب ہے وہ یہ ہے کہ "بثّ فیھا" نہیں کہا۔ بلکہ "بثّ فیھما" کہا ہے کہ ایک میں نہیں، ان تمام میں، جاندار بکھیر دئے ہیں: فتبارک اللہ احسن الخالقین ط اس آیت کریمہ سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق اس کائنات کے اندر (اس ہماری دنیا کے علاوہ) اور مقامات پر بھی موجود ہے اور بعینہٖ اسی طرح جیسے ہم ہیں۔ اور یہ سب ہمارے منتظر ہیں۔ اور پھر اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں کہ وہ جب چاہیں اس تمام مخلوق کو جو مختلف ثوابت اور سیاروں میں بکھری پڑی ہے، اکٹھا کر سکتے ہیں جمعھم کا لفظ مزید غور طلب ہے۔

یہ تو وہ نمونہ ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی سے ہمارے سامنے پیش کیا۔ اقبال اس کے گرویدہ ہیں۔ اس زندگی کے اندر اقبال کو جو جو رموز بیداریٔ قوم کے نظر آتے تھے وہ تو ان کا ہی حصّہ ہے۔ مگر یہ سب کچھ اقبال دیکھ بھال کر ہمارے لئے اُجاگر کر گئے ہیں۔ اکثر لوگوں کا یہ خیال ہے کہ علّامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ جدید تعلیم یافتہ ہونے کی وجہ سے احادیث کے متعلق چند در چند شکوک رکھتے تھے۔ مگر یہ خیال سراسر غلط ہے، علّامہ کے کلام سے جو عقیدت ٹپکتی ہے اس سے یہ استنباط کرنا زیادتی ہے۔ علامہ کو جس شدت کی عقیدت حضور سرورِ کائنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے تھی اس کی مثال نہ صرف ان کے کلام سے ظاہر ہے بلکہ ان کی خود اپنی روزمرّہ کی زندگی سے بھی یہ بات ثابت ہے۔ علامہ اقبال حضورؐ کی ہر حدیث پر غور و فکر کرتے تھے اور قبول کرتے تھے اور پھر اس پر عمل بھی کرتے تھے۔ ان کی والہانہ عقیدت کا حال اکثر لوگوں کو معلوم ہے۔ بقول مولانا مودودی "انہوں نے اپنے سارے تفلسف اور اپنی تمام عقلیت کو رسولِ عربیؐ کے قدموں میں ایک متاعِ حقیر کی طرح نذر کرکے رکھدیا ہے"۔ مولانا کا یہ بیان بالکل صحیح ہے۔ اور اقبال کا بیشتر کلام، خصوصاً وہ کلام جس میں زور ایقان ہے۔ رسولِ عربیؐ کی عقیدت میں رطب اللسان ہے۔ اسرار و رموز اور ان کی مثنوی "پس چہ باید کرد" اس حقیقت پر شاہد ہیں۔ علاوہ اس کے ان کے اردو کلام کے بیشتر اشعار جو زبان زدِ عام ہیں ان سے بھی ان کی عقیدت شفاعت تک پہنچی ہوئی نظر آتی ہے۔ شاہ بو علی قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے تو صرف اتنا ہی کہا تھا:

یا رسول اللہ شفاعت از تو می دارم امید
باوجودِ صد ہزاراں جرم در روزِ حساب

مگر اقبال اپنی عقیدت میں اس سے بھی دو قدم آگے بڑھے ہوئے نظر آتے ہیں:

لبِ شفاعت نے قیامت میں بلائیں کیا کیا
عرقِ شرم میں ڈوبا جو گنہگار آیا!

اور پھر فرماتے ہیں:

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر
از نگاہِ مصطفےٰ پنہاں بگیر

اللہ اللہ! کیا مقامِ عقیدت ہے کہ تقابل میں سراسر شرمساری ہی شرمساری ہے:

چوں بنامِ مصطفےٰ خوانم درود
از خجالت آب می گردد وجود

اور پھر یہ احساس خجالت نگاہِ التفات کا منتظر بھی ہے اور مکمل شعور کے ساتھ کہ اس کا تمام ذکر و فکر، علم و عرفان، انہی کی ذاتِ اقدس کا مرہونِ منت ہے اور کس زور سے منت پذیرائی کر رہا ہے۔ پس چہ باید کرد میں یوں گل افشانی کرتے ہیں:

شہسوارا! یک نفس درکش عناں
حرفِ من آساں نیاید بر زباں
گرد تو گردد حریمِ کائنات
از تو خواہم یک نگاہِ التفات
ذکر و فکر و علم و عرفانم توئی
کشتی و دریا و طوفانم توئی

اے پناہِ من حریم کوئے تو　　من بامیدے رسیدم سوئے تو

اقبال بیچارہ اگر اپنے پیارے رسولؐ کی طرف نگاہ اٹھا کر نہ دیکھتا تو کیا کرتا۔ اس کے لئے تو بجز اس کے اور کوئی چارہ ہی نہیں تھا۔ یہاں تو غیر مسلم بھی اس حقیقت کے معترف ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عظیم تر انسان آج تک کائنات پیدا نہیں کر سکی۔ کس کس کا حوالہ دیا جائے۔ قصہ بہت طویل ہو جائے گا —— تو اگر اقبال نے بھی اپنی عقیدت کے پھول بکھیرے تو حق بجانب ہے۔ اقبال نے تو یہ کہہ کر قصہ ہی مختصر کر دیا کہ نورِ مصطفےٰ کے بغیر زندگی زندگی ہی نہیں:

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو
آنکہ از خاکش بروید آرزو
یا ز نورِ مصطفےٰ او را بہاست
یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفےٰ است

صلی اللہ علیٰ حبیبہٖ محمد و آلہٖ وسلم

★

نورٌ علیٰ نور

منیر جعفری

یہ سحر کیسی ہے پُر نور کہ سبحان اللہ
نور ہی نور نظر آتا ہے ہر سُو پھیلا

لیلۃ القدر سے کچھ کم نہیں اُس کا رُتبہ
عَلمِ سبز نصب خانۂ کعبہ پہ ہوا

گوشہ گوشہ میں ہے اللہ کی رحمت کا نزول
چار سُو لطف و مسرت کی فضا جلوہ نما

آج میلادِ شہنشاہ عربؐ کا دن ہے
جن پہ سو جان سے خود خالقِ اکبر ہے فدا

یعنی سلطانِ رُسل، ختمِ رُسل، مظہرِ کُل
نام احمدؐ ہے لقب جن کا ہے محبوبِ خدا

شور ہے عرش سے تا فرش وہ لائے تشریف
جملہ ذی روح کریں وردِ زباں صلِّ علیٰ

اٹھو تعظیم کو اب وقتِ ولادت آیا
وِرد اپنا کرے ہر ایک بشر صلی علیٰ

ظلمتِ کفر ہوئی سارے جہاں سے محروم
حق پرستی کا لگا ہونے جہاں میں چرچا

السلام اے چمنِ حُسن سے آنے والے
السلام اے کہ ہُوا آپ پہ اللہ فدا

فقرِ غیور

لفظ اسلام سے یورپ کو اگر کد ہے تو خیر
دوسرا نام اسی دین کا ہے فقرِ غیور

عبدالحفیظ خان

آدمی کی کیا کیا نازبرداریاں کی گئی ہیں۔ اُس کے رہنے سہنے کے لئے دنیا جیسی بستی بسائی۔ اس کو سو سو طرح سے سجایا، بنایا۔ اس کا دل لبھانے کے کیا کیا سامان کئے۔ لہلہاتے سبزہ زار، برف پوش پہاڑ، گاتی گنگناتی ندیاں، چہچہاتی چڑیاں، رنگ برنگے پھول، میٹھے رسیلے پھل، نورانی صبحیں، سہانی شامیں، ساون کی مہکتی ہوائیں، بہکتی برساتیں، دلربا محبوب، ہنستے کھلکھلاتے بچے، دل کے ٹکڑے، نور کے مکھڑے، غرض ایک حسین نگری آباد کی۔

اس رنگ و بُو کی دنیا میں آدمی کو ایک امتحان سے گذرنا تھا، اس کو آدمی سے انسان بننا تھا، مشکل امتحان تھا کٹھن منزل تھی۔ اس سے گذرنے کے لئے بھی کیسا اچھا بندوبست کیا گیا ــــ امتحان میں کامیابی کے لئے ایک کتاب اتاری ــــ ام الکتاب، آسمانی کتاب، نورانی شمع اندھیرے میں اجالا کرنے والی، بھٹکتے کو راہ پر لانے والی، آدمی کو انسان بنانے والی ــــ آدمی کو اس کتاب کے پڑھانے اور اس کے سبق سکھانے کا طریقہ بھی کیسا پیارا اور نرالا اختیار کیا۔ جو جو اس کتاب میں کرنے اور نہیں کرنے کے لئے لکھا تھا وہ کسی نے کرکے اور نہیں کرکے دکھایا۔ جس نے یہ کرکے دکھایا اس کے نام کے خیال ہی سے روح وجد کرتی ہے:

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لئے

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی انوکھی اور اچھوتی سیرت کے بیان کے لئے الفاظ کہاں سے لاؤں:

خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھئے
ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہئے

آپ کی ذات پاک میں قرآن مجید کی آیات سمٹ کر انسان بن گئی تھیں یا یوں کہئے کہ اوّل قرآن پاک آپ کی زبانِ مبارک سے ادا ہوا ــــ وہ اللہ کے کلام کی آواز تھی، پھر وہ آپ کی سیرت و کردار، افکار و افعال میں نمودار ہوا ــــ وہ اللہ کے کلام کا پیکر ہوا۔ کلام اللہ نے انسانی روپ اختیار کر لیا ــــ بی بی آمنہ کی گود کا پالا نورِ مجسم بن گیا۔ آدمیوں کو اندھیرے سے روشنی میں لے جانے والا، بھٹکتے ہوؤں کو راہ پر لانے والا، آدمیوں کو انسان بنانے والا، "مسِ خام کو جس نے کندن بنایا"۔ وہ سچے راستے، راہ مستقیم کا رہبر بھی تھا اور راہبر بھی۔ اس راستہ کو خود جانتا پہچانتا بھی تھا اور اس پر خود گامزن بھی، وہ مقامِ انسانیت اور منزلِ انسانیت سے واقف بھی تھا اور اس منزل کا کامل رہنما بھی۔ اسوۂ رسول ؐ ویسے تو قدم قدم پر ہماری دستگیری کرتا ہے مگر دنیوی زندگی کی جو ایک سب سے دشوار گذار وادی ہے جہاں اس کے نقشِ قدم کی پیروی پر سارے عالم کی نجات کا دارومدار ہے، وہ ہے وادئ فقر، یہ فقر دولت کی گدائی نہیں، دولت سے بے نیازی سکھاتا ہے۔ یہ دولت سے وحشت نہیں، دولت کی محبت کی شکست سکھاتا ہے۔ زرپرستی نہیں، زرشناسی سکھاتا ہے۔ دولت سمیٹنا نہیں، دولت لٹانا سکھاتا ہے۔ یہ امیروں کو دولت کا مالک نہیں، امین بناتا ہے۔ چاندی سونے کے دفینہ پر سانپ بن کر بیٹھنا نہیں، چاندی سونے کو حقداروں میں مساویانہ تقسیم کرنا سکھاتا ہے۔ فقر، دولت سے محرومی نہیں، دولت پر فتح حاصل کرنا ہے۔ دولت میں ایک زہر چھپا ہے۔ فقر اس زہر کا تریاق ہے۔ اسوۂ حسنہ دولت شناسی سکھاتا ہے۔ دولت کی صحیح قدر و قیمت اس کی پوجا میں نہیں، اس کی ہمدردانہ تقسیم میں ہے۔ اس پر بلا شرکت

غیرے خود غرضانہ قبضہ میں نہیں بلکہ اس کی منصفانہ اور فیاضانہ بے غرض شرکت میں ہے۔ یہی وہ منزل ہے جہاں قدم ڈگمگاتے ہیں۔ گوشت دخون بہلنے بنا تاہے۔ رنگ و بو، ساغر و مینا، کاکل و رخسار آنکھوں پہ پردہ ڈال دیتے ہیں:

"ہوس سینہ میں چھپ چھپ کر بنالیتی ہے تصویریں"

انسانیت کی اس کسوٹی پر وہی کھرا اتر سکتا ہے جو ویسی ہی سادہ زندگی اپنائے جیسی پیغمبرِ اسلام کی تھی۔ تن آسانی، تن پروری، کیف و سرور کا شوق، ظاہری شان و شوکت کے لئے دیوانہ وار دوڑ یہی بے شمار سماجی گناہوں کا سبب بنے ہوئے ہیں۔ مکانوں کی زیب و زینت کا ارمان، جدید سامانِ آسائش کا سودا، ان اسباب کے حصول میں ایک دوسرے کی نقل اور باہم مقابلہ، یہی لوگوں کو رشوت خوری اور سیاہ کاری پر اکساتے ہیں۔ یہ لوگ سیاہ کار ہی نہیں، سیاہ روز بھی ہیں۔ اس سے بڑھ کر سیاہ بختی اور کیا ہوگی کہ یہ اپنی انسانیت کی بازی لگا کر جو کچھ حاصل کرتے ہیں، ان کے لئے سامانِ عیش نہیں، عذابِ جاں بن جاتا ہے۔ کیونکہ وہ ایک دھوکے کا شکار ہیں۔ ایک سراب کے فریب میں ہیں۔ حقیقی خوشی، جس کی ان کو تلاش ہے، محلوں اور موٹر کاروں میں نہیں، بلکہ جرأت مندانہ سادہ، معصومانہ زندگی میں ہے۔

اپنی آرام پسندی اور عیش کوشی دیکھئے۔ اور اپنے سالارِ کارواں میرِ حجازؐ کی جفاکشی اور جفا طلبی دیکھئے۔ یہ بھی خیال رہے کہ آپ کوئی مفلس اور نادار نہ تھے۔ بچپن آپ کے دادا، عبدالمطلب، اور چچا ابوطالب کی گودوں میں گذرا جن کا خاندان قریش کا معزز ترین قبیلہ تھا۔ آپ کی شادی بی بی خدیجہؓ سے ہوئی جو ایک متمول قریشی خاتون تھیں۔ پھر ایک وقت وہ آیا جب آپ فاتحِ بدر و حنین اور فاتحِ مکہ بنے۔ دینی اور دنیوی شہنشاہ اور رشکِ کونین بنے۔ مگر ہر حال میں زندگی کا انداز سادے سے سادہ ہی رہا۔ موٹا جھوٹا اوڑھنا بچھونا، روکھا سوکھا کھانا پینا:

"خاک کا بستر، ہاتھ کا تکیہ، صلی اللہ علیہ وسلم"

مگر کسی حال میں بھی سخاوت اور فیاضی کا دامن نہیں چھوڑا۔ آپ کے قدموں میں چاندی سونے، لعل و جواہر کے انبار لگے۔ آپ نے بینک میں دفن نہیں کیا، اپنے عزیز و اقربا میں نہیں بانٹا۔ آپ کی پیاری بیٹی خاتونِ جنتؓ ایک سونے کے ہار کی فرمائش کرتی ہیں، تو آپ فرماتے ہیں "فاطمہ کیا تم خوش ہوگی اگر کوئی کہے گا کہ پیغمبر زادی کے گلے میں آگ کا ہار ہے!" آپ نے

(باقی صفحہ ۱۶۳ پر)

مہرِ درخشاں

شمس وارثی لکھنوی

انسانیت کی شمعِ فروزاں تمہیں تو ہو
خُلق و کرم کے مہرِ درخشاں تمہیں تو ہو

تم ہو وہ عبد جس پہ ہے معبود کو بھی فخر
نازاں مَلک ہیں جس پہ وہ انساں تمہیں تو ہو

کونین کے چمن میں تمہیں سے ہے رنگ و نور
روح و روانِ جشنِ بہاراں تمہیں تو ہو

جس کی کوئی مثال نہ جس کی کوئی نظیر
مخلوق پر خدا کا وہ احساں تمہیں تو ہو

شاہد ہیں خود دنیٰ، فتدلّٰی کی رفعتیں
عرشِ خدائے پاک کے مہماں تمہیں تو ہو

تم پر عیاں ہیں رازِ جلی و خفی تمام
منشائے خاص حضرتِ یزداں تمہیں تو ہو

حاصل ہوا تمہارے سبب دین کو عروج
ہے کون وجہِ رفعتِ ایماں تمہیں تو ہو

بندے بھی بھیجتے ہیں درود اور اللہ بھی
صلِّ علیٰ کے لائق و شایاں تمہیں تو ہو

امیدوارِ لطف ہے یہ شمس وارثی
اس کے لئے نجات کا ساماں تمہیں تو ہو

عشقِ رسولؐ

شاہ محمد عبد الغنی نیازی

استھائے شرف :

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے ہزارہا انبیاء و مرسلین مبعوث فرمائے۔ کسی کو ہم کلامی کا شرف بخشا۔ کسی کو ید بیضا عطا فرمایا۔ کسی کو مردہ زندہ کردینے اور مبروص کو شفا بخشنے کے معجزات عنایت فرمائے، کسی کو صفی اللہ، کسی کو کلیم اللہ، کسی کو خلیل اللہ اور کسی کو روح اللہ کے خطابات سے نوازا۔ لیکن تاجِ محبوبیت صرف جناب سرورِ کائنات، خلاصۂ موجودات احمد مجتبیٰ، محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر رکھا۔ جو معجزات دیگر انبیائے کرام کو فرداً فرداً عطا ہوئے تھے وہ سب مجموعی طور پر آپؐ کو عطا ہوئے اور آپؐ ہی کو سید المرسلین و خاتم النبیین کے معزز ترین خطابات سے نوازا گیا۔

حسنِ یوسفؑ، دمِ عیسیٰؑ، یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

یعنی آنجنابؐ کی صفتِ محبوبیت تنہا جامع الصفات ہے بلکہ تمام انبیاء و مرسلین کے اجتماعی اوصاف بھی آنحضورؐ کی واحد صفتِ محبوبیت کے شرف و اعزاز کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔

شانِ محبوبیت کی بنیاد عشق و محبت پر قائم ہے مگر کس کی محبت کس کے ساتھ؟ ربِّ ذو الجلال والاکرام کی محبت ایک ایسی جامع الصفات ذاتِ گرامی کے ساتھ جس کی حقیقت و منزلت کا بیان انسانی قوت سے باہر ہے، وہ جس کی توصیف نامی مداحوں تک سے نہ ہوسکی اور وہ بھی یہ کہہ کر چپ ہوگئے :

"خاموشی از ثنائے تو حدِّ ثنائے تست"

اگر بہت کہہ سکے تو صرف اتنا کہ :

"بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر"

سچ ہے۔ جس بزرگ ہستی کی ثنا و صفت خود خالقِ کائنات بیان فرمائے اس کی تعریف و توصیف میں انسان کی زبان گنگ کیوں نہ ہوجائے۔

پورا قرآن پاک اسی محبت و محبوبیت کی تفسیر، اور تمام نظامِ تخلیق اسی محبت و محبوبیت کی تعبیر ہے۔ آپ غور کیجئے کہ فرقانِ مجید میں جابجا اللہ کے نام کے ساتھ محمدؐ موجود ہے۔ ہر جگہ محمدؐ کی اطاعت اللہ کی اطاعت، محمدؐ سے محبت اللہ سے محبت۔ محمدؐ کی مرضی اللہ کی مرضی۔ محمدؐ کی خوشی اللہ کی خوشی، محمدؐ کی ناراضگی اللہ کی ناراضگی بتائی جارہی ہے۔ اور اس کے مقابل احادیث میں جابجا اللہ کے پیارے حبیبؐ فرمارہے ہیں کہ اللہ کی اطاعت میری اطاعت اور اللہ سے محبت مجھ سے محبت ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہوا من رانی فقد رای الحق۔ یعنی جس نے مجھے دیکھا اس نے اللہ کو دیکھا۔ اسے عینیت نما غیریت کہئے، یا غیریت نما عینیت! اس رمز کو ہر اک کی فہم نہیں پاسکتی کیونکہ محبت و محبوبیت کی تجلیاں ایسی ہوتی ہیں کہ جنہیں دیکھنے کی طاقت بھی صرف نگاہِ محبت کو حاصل ہوتی ہے۔

ادب :

ہم گنہگاروں اور خطاکاروں کو قدم قدم پر ادب کی تاکید کی گئی ہے۔ ایسا ادب جو حضور محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے شایانِ شان ہو۔ اللہ کے محبوب کی شان میں ذرا سی بے ادبی یا اس کا خیال بھی دونوں جہان کی روسیاہی کا موجب ہوسکتا ہے۔ تاکید ہے کہ جب میرے حبیبؐ کا نام سنو تو درود و سلام پڑھو، گردنیں جھکالو، سراپا ادب بن جاؤ۔

اس شانِ محبوبیت کے قربان کہ خود ربِّ ذو الجلال اپنے

محبوبؐ کی مجلس کے آداب مقرر فرماتا ہے اور مومنین کو حکم دیتا ہے
کہ "اے ایمان والو! اللہ اور رسولؐ سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے
ڈرو، بے شک وہ سنتا اور جانتا ہے۔ اے ایمان والو! نبیؐ کی
آواز سے اپنی آوازیں بلند نہ کیا کرو، اور نہ ان سے اس قدر کھل کر
بولا کرو۔ جیسا کہ آپس میں بولتے ہو۔ (ایسا کرنے سے) کہیں تمہارے
اعمال (صالحہ) غارت نہ ہوجائیں اور تمہیں اس کی خبر تک نہ ہو۔ جو لوگ
رسول اللہؐ کے سامنے اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں یہ وہی لوگ
ہیں جن کے قلوب کو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے واسطے جانچا ہے۔
ان لوگوں کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔ جو لوگ حجروں کے باہر
سے آپ کو پکارتے ہیں ان میں سے اکثروں کو عقل نہیں۔ (بہتر
ہوتا) کہ یہ لوگ آپ کے باہر آنے تک صبر کرتے۔ اور اللہ بخشنے والا
اور رحمت کرنے والا ہے۔" (پارہ ۲۶۔ حجرات۔ رکوع ۱)

ان آیات میں تین باتوں سے منع کیا گیا ہے اور نہ ماننے
والوں کو اعمال غارت ہوجانے کی وعید بھی دی گئی ہے۔ اول:
اللہ و رسول سے آگے نہ بڑھو۔ اس حکم کی جامعیت اور وسعت
کا بیان بہت کافی وقت اور جگہ کا متقاضی ہے اور یہاں گنجائش
نہیں ہے، اس لئے صرف اتنا سمجھ لیا جائے کہ اس حکم میں زمان یا
مکان کی قید نہیں ہے نہ کسی خاص فعل کا ذکر ہے۔ دوم؛
اور سوم: اپنی آوازیں رسول پاکؐ کی آواز مبارک سے اونچی نہ
کرو۔ اور آپؐ کی بارگاہ میں چلا کر بھی بات نہ کرو۔

ان آیات کے نزول کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے
عرض کیا کہ یا رسول اللہ، روحی فداک، قسم ہے، اب مرتے دم تک
آپؐ سے اس طرح بولوں گا جیسے کوئی سرگوشی کرتا ہے۔ حضرت ثابت
بن قیسؓ جو بہت بلند آواز تھے بہت روئے اور اس دن سے اپنی
آواز بالکل پست کرلی۔ حضرت عمر فاروقؓ اس قدر آہستہ بولنے
لگے کہ بعض اوقات دوبارہ پوچھنے کی نوبت آتی۔ مسجد نبویؐ میں
آج تک یہ آیات دیواروں۔ کتبوں اور دروں پر لکھی ہوئی ہیں اور
صلوٰۃ و سلام بھی چلا کر نہیں پڑھتے۔

سورۂ احزاب میں ایک اور آیت ہے جس کا ترجمہ ہے:
"اے ایمان والو۔ نبی کے گھروں میں حاضر نہ ہو جب تک اجازت
نہ پاؤ۔ مثلاً کھانے کے لئے بلائے جاؤ۔ نہ یہ کہ کھانا پکنے کی راہ
(بلا اجازت گھر پہنچ کر) تکتے رہو۔" اس میں ایمان والوں کو اس
دولت خانے کا ادب و احترام سکھایا گیا ہے جس میں اللہ کا محبوبؐ
سکونت پذیر تھا۔ ایمان والوں میں فرشتے بھی داخل ہیں۔ وہ
بھی بلا اجازت اندر داخل نہ ہوتے تھے۔ چنانچہ مرقوم ہے۔
وفات کے وقت ملک الموت نے بھی اندر آنے کی اجازت
طلب کی اور جب تک اجازت نہ مل گئی اندر داخل نہ ہوا۔

آخر میں ان آداب کو ملحوظ نہ رکھنے والوں کو متنبہ بھی
کرایا گیا ہے کہ ان کی بڑی سے بڑی عبادت، اچھے سے اچھے عمل،
حتیٰ کہ راہ خدا میں تیغ زنی یا سرفروشی کو بھی محبوب خدا کی شان
میں ذرا سی بے ادبی ضائع کرسکتی ہے۔ اور مذکورہ اعمال صالحہ
کرنے والوں کو اس کی خبر تک نہ ہوگی۔

زریں اصول:

اسی لئے عاشقانِ خدا و رسولؐ نے یہ اصول مقرر فرمایا
ہے کہ پہلے محبوب خدا کے عشق میں فنائیت کا درجہ حاصل کرو
پھر دوسرے اعمال صالحہ کی فکر کرو آپؐ کے ادب و احترام کے
اظہار کو زندگی کا نصب العین بنالو، اس سے تمہارے اعمال
خود بخود صالح اور درست رہیں گے کیونکہ پھر جو عمل ہوگا،
محبوب خدا کی محبت اور ادب کے تحت ہی ہوگا۔ آپؐ کے
اسوۂ مبارکہ سے آگاہی حاصل کرنے اور ادب، احترام
عقیدت کے اظہار کے لئے مجالس منعقد کرو مگر اس میں مبالغہ
کرو۔ تاکہ تم بھی ادب و احترام کے عادی بن سکو اور شرکائے
محفل کو بھی اس کی عادت پڑے اور ہر شخص اچھی طرح سمجھ سکے
کہ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب ہی تمام اعمال صالحہ کی بنیاد ہے۔

اعمال صالحہ:

اب ذرا اس نکتے پر بھی غور کیجئے کہ ہمارے "اعمال صالحہ"
کی حقیقت کیا ہے؟ در اصل محبوبؐ خدا کی پاکیزہ اداؤں کی صحیح نقل
کرنے کا نام ہی "عمل صالح" ہے یعنی صحیح عمل، حضورؐ کے حکم کی تعمیل
اور سنت نبویؐ کی صحیح تقلید ہے کیونکہ وہی تقلید قرآن ہے۔
اگر کوئی شخص نماز میں ارکان کی وہ ترتیب قائم نہ رکھے جس پر
خود حضورؐ عمل پیرا تھے یا مثلاً کوئی شخص الحمد کی جگہ التحیات
اور التحیات کی جگہ الحمد پڑھے یا سبحان ربی العظیم کی جگہ

سبحان ربی الاعلیٰ اور سبحان ربی الاعلیٰ کی جگہ سبحان ربی العظیم پڑھے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی، کیونکہ اس نے اسوۂ محمدیؐ کی صحیح پیروی نہیں کی۔ یہی حال تمام عبادات و اعمال کا ہے۔ دنیا کی زندگی میں دیکھیے کہ جزئیات میں بھی محبوب مجازی کی پسند کا خیال اور انھیں اختیار کرنے میں مبالغہ آمیز حزم و احتیاط صرف وہ اشخاص مدنظر رکھتے ہیں جو اپنے محبوب مجازی کے عشق کے نشے میں سرشار رہوں۔ پھر جب معاملہ محبوب حقیقی کے ساتھ ہو تو اس نشے کی شدت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

اسی نشے سے ادب پیدا ہوتا ہے، وہ ادب جس پر جمال کا رعب طاری ہو۔ چنانچہ عاشقان رسولؐ کی رگ رگ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی اور ذکر گرامی سنتے ہی محبت و ادب کی برقی رَو دوڑ جاتی ہے اور وہ لرزہ براندام ہو جاتے ہیں شاید اسی مقام کے پیش نظر اقبالؒ نے کہا تھا:

با خدا دیوانہ باش و با محمدؐ ہوشیار

۳۔ پاس محبوبؐ:

مقام محبوبیت کی بلندی کا اندازہ اس آیت سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ خالق و مالک کائنات اپنے بندوں سے فرماتا ہے:

وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ
وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا

(پ ۲۸، سورہ حشر ع ۱)

(جو کچھ تمہیں رسولؐ دیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں اس سے باز رہو)

غور کیجئے کہ اللہ کو آپؐ کا کتنا لحاظ ہے کہ انہی کو ہر بات کا مالک مختار بنا دیا اور اپنے بندوں کو اُن کا بندۂ بے دام۔ خود کارخانۂ قدرت اور اپنے احکام کا مالک و مختار ہوتے ہوئے بھی یہ نہ فرمایا کہ جو کچھ میں دوں وہ لو اور جس سے منع کروں اس سے باز رہو، بلکہ حکم عام دیا جا رہا ہے کہ میرا محبوبؐ جو کچھ تمہیں دے دے لو اور جس سے وہ منع فرمائے اس سے باز رہو!

اس آیت کریمہ سے ایک طرف عظمتِ محبوبؐ اور اس کی جامعیت دونوں ثابت ہو رہی ہیں۔ اور دوسری طرف محبوبؐ پاک کی احادیث و سنت کی عظمت و اہمیت کا ناقابل تردید ثبوت بھی مل رہا ہے۔ فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کام خود کئے یا جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا۔ یا جو کسی کو کوئی کام کرتے ہوئے دیکھا اور منع نہ فرمایا سب "مَآ اٰتٰكُمُ" میں داخل ہیں۔ انہیں بالترتیب سنتِ فعلی، سنتِ قولی اور سنتِ سکوتی کہتے ہیں۔

ان کے علاوہ ایسے تمام اُمور جو حضورؐ کی سنت (فعلی۔ قولی یا سکوتی) کے پیش نظر زمانہ مابعد کے علمائے کرام نے اسلامی اصولوں کے مطابق مستنبط کئے ہیں وہ اس مسلک عشق نبویؐ میں سب جائز و مباح ہیں۔

دوسرا نکتہ یہ معلوم ہوا کہ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار میں اللہ کا دیا ہوا سب کچھ ہے، اور اُسی نے آپؐ کو اپنی مرضی کے مطابق عطا فرمانے کا اختیار بھی دے رکھا ہے۔ بلکہ یہ بھی ثابت ہوا کہ اللہ کی خوشی اسی میں ہے کہ اس کے بندے حضورؐ ہی سے مانگیں۔ حضورؐ سے مانگنا اللہ سے مانگنا ہے۔ اس امر کی تصدیق حدیث (اللہ معطی وانا قاسم) سے بھی ہو رہی ہے یعنی اللہ عطا فرمانے والا ہے اور میں تقسیم کرنے والا ہوں۔ ظاہر ہے کہ محتاج کو تقسیم کنندہ ہی کے پاس جانا چاہیئے نہ کہ براہ راست بادشاہ کے پاس۔ خالق کائنات کو یہی پسند آیا کہ ساری مخلوق بھکاری بن کر اس کے محبوبؐ سے بھیک مانگے۔ اور وہ جو کچھ عطا فرمادے وہ لے لے۔ (اللھم صل علی محمد و علی آل محمد و بارک وسلم)

۴۔ طاعت رسولؐ کے فیوض:

مندرجۂ ذیل آیت بھی حضور کی شانِ محبوبی کو متعدد طور پر واضح کر رہی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ
يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ
ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ○

(پارہ ۳۔ آل عمران۔ ع ۴۔)

(اے محبوبؐ تم فرما دو کہ اگر اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرے فرماں بردار بن جاؤ (اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ) اللہ تم کو دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دیگا

اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے)

اس آیت کریمہ پر غور کرنے سے متعدد اہم نتائج نکلتے ہیں مثلاً۔

(الف) اللہ کی محبت براہِ راست مقبولِ الٰہی نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کے محبوبؐ کی غلامی و فرماں برداری کا طوق بھی انسان اپنی گردن میں نہ ڈال لے۔

(ب) دنیا کی تمام اقوام کو، جن کا یہ دعویٰ تھا، یا اب بھی ہے کہ صرف وہ اللہ کی نظر میں محبوب ہیں، یہ ہدایت عامّہ دی جا رہی ہے کہ اللہ کے محبوب صرف وہ لوگ ہو سکتے ہیں جو اس کے محبوب، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کریں۔ یعنی صرف اقرارِ توحید کافی نہیں بلکہ اقرار و اتباعِ رسالت بھی لازمۂ ایمان ہے۔

(ج) اپنے محبوبؐ کی اطاعت کا صلہ خود اللہ یہ مقرر فرما رہا ہے کہ مطیعِ رسولؐ کو وہ اپنا محبوب بنائے گا! غور فرمائیے کہ انسان کو اس سے بڑا اور کون انعام مل سکتا ہے۔ نہ اللہ کی ضمانت سے بڑی کوئی دوسری ضمانت ہو سکتی ہے۔ انعام کی عظمت و اہمیت سے اطاعتِ رسولؐ کی عظمت و اہمیت بھی ظاہر ہے۔

(د) حبیبِ خدا کی محبت و اطاعت سے نہ صرف یہ کہ گناہ بخشے جاتے ہیں بلکہ گنہگار پاک صاف ہو کر اللہ کے مقبول بھی بن جاتے ہیں اور ان کے لئے آئندہ گناہ کے راستے بند ہو جاتے ہیں کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ جنہیں اللہ پاک اپنا محبوب اور دوست بنالے وہ گناہوں سے محفوظ نہ ہو جائیں۔ ضرورت صرف قلب ماہیت کی ہے۔

(ھ) حبیبؐ خدا سے سچی محبت ہی حاصلِ زندگی ہے۔ یہی ایمان کی بنیاد اور اسلام کی روح ہے۔

(و) جب تک قلب عشقِ محمدی کے سوز میں مبتلا نہ ہو اعمال پر تکیہ زبردست مغالطہ ہے۔ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ حضورؐ سے سچی محبت کے بغیر آپ کی صحیح اطاعت بھی ناممکن ہے۔ ایسی صورت میں جنہیں "اچھے اعمال" سمجھا جائے گا وہ اللہ و رسولؐ کی نظر میں اچھے ہو ہی نہیں سکتے کیونکہ اقرارِ توحید و رسالت، بغیر عشقِ حبیبِ خدا، بیکار ہے۔ اسی لئے کلمۂ توحید میں لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ بھی لازمی جزو کی حیثیت سے شامل ہے اور یہی ایمان کامل ہے۔

(ز) اطاعت تین قسم کی ہوتی ہے۔ خوف، حرص یا محبت کے باعث۔ یہاں محبت والی اطاعت ہی مراد ہے۔ کیونکہ خوف یا لالچ پر دین کی بنیاد ہی نہیں رکھی گئی۔ ان بنیادوں پر تو کفار منافقین بھی اطاعت کیا کرتے تھے۔

اسی آیت کی تفسیر میں حضرت انسؓ رضی اللہ عنہ ایک حدیث کے راوی ہیں جس سے عشقِ رسولؐ کی شدّت کا اندازہ ہوتا ہے۔ حضور فرماتے ہیں کہ "اس وقت تک کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ مجھ کو اپنے مال، اولاد اور جان سے زیادہ عزیز نہ رکھے!"

یہ پھر اس بات کی دلیل ہے کہ محض اعمال پر فخر یا بھروسہ جبکہ دل شدید عشقِ محمدی سے خالی ہو، بیکار ہے، اللہ کے محبوبؐ سے محبت ہی ایمان کی بنیاد ہے۔ اور جب تک ایمان نہ ہو کوئی عمل مقبول نہیں ہو سکتا۔

۵۔ ذاتِ نبویؐ کی مرکزیت:

اس سلسلے میں مندرجہ ذیل آیت ملاحظہ ہو۔

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ○

(پ ۲۲۔ الاحزاب۔ رکوع ۷)

(تحقیق۔ اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں نبیؐ پر، اے ایمان والو تم بھی ان پر درود بھیجو اور خوب سلام بھی)۔

یہ آیت کریمہ جس شان سے حبیبِ خدا، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی صفات کی "مرکزیت" کو واضح کر رہی ہے وہ بالکل مبرہن ہے۔ "مرکزیت" سے مراد یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ، ملائکہ اور جن و انس، سب حضورؐ پر درود بھیجتے ہیں یعنی توجہ و محبت کے مرکز ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ اللہ کے درود کا مطلب یہی ہے کہ وہ اپنی رحمتیں نازل کرتا ہے اور ملائکہ و مومنین کے درود سے مراد نزولِ رحمت کی دعا کرنا ہے۔ لیکن دونوں صورتوں میں ذاتِ محمدیؐ ہی کی جانب

ہر فرقی کی توجہ مرکوز رکھی گئی ہے۔

قرآن پاک میں عبادات و معاملات سے متعلق صدہا احکام موجود ہیں مثلاً اللہ کو ایک جانو۔ اس کی صفات پر ایمان لاؤ۔ نماز ادا کرو۔ زکوٰۃ دو۔ روزے رکھو۔ فریضۂ حج ادا کرو۔ وغیرہ، لیکن "صلوٰۃ وسلام علی النبیؐ" کے سوا اللہ نے کہیں یہ نہیں فرمایا کہ "ہم بھی یہ کام کرتے ہیں، اے مومنو تم بھی کرو"۔ یہاں نوعیت کار میں معنوی اختلاف بھی لیکن اشتراک توجہ و اشتراک عمل ثابت ہے۔

نکتہ: یہاں یہ ملحوظ رکھنا چاہئے کہ یہ حکم منسوخ نہیں ہوا۔ یہ ثابت ہے کہ ذات محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی معناً موجود ہے۔ اس پر اب بھی اللہ اور اس کے ملائکہ درود بھیج رہے ہیں اور مومنین کو ہمیشہ، ہر وقت، ہر جگہ، تا قیامت ابداً و لازماً آپؐ پر درود و سلام بھیجنے کا حکم موجود ہے۔ آنحضورؐ کو موجود نہ جاننا ایک طرح اس آیت کریمہ اور اس سے نکلنے والے نتائج کا انکار ہے۔ ویسے بھی غور طلب بات یہ ہے کہ کسی چیز کا نظروں سے محجوب ہونا اس کی عدم کی دلیل نہیں ہوا کرتی۔

۶۔ اولیت ظہور:

عارفین کرام وضاحت فرماتے ہیں کہ ذاتِ مبارکۂ محمدیؐ کی جانب اللہ جل شانہٗ کی توجہ اس وقت مرکوز ہوئی جب نہ زمان تھا نہ مکان۔ یعنی نہ زمین تھی نہ آسمان نہ کوئی پیمانۂ وقت صرف ہستی مطلق یعنی ذات لانہایت تھی اور کچھ بھی نہ تھا۔ چنانچہ اس واجب الوجود ہستی مطلق نے چاہا کہ اس کی ربوبیت ظاہر ہو۔ لہٰذا اس نے "حقیقت محمدیؐ" کو ظاہر فرمایا۔ اپنی صنعت کاملہ کی تعریف فرمائی۔ اس پر عاشق ہوا اور خود ہی اسے "محمدؐ" (تعریف کیا گیا۔ "ہر طرح قابل تعریف") کا معزز لقب عطا فرمایا۔ چنانچہ حدیث قدسی ہے: لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ۔ یعنی اے محمدؐ اگر تم نہ ہوتے تو میں افلاک (کائنات) کو پیدا نہ کرتا۔ دوسری حدیث ہے لولاک لما اظھرۃ الربوبیۃ: یعنی اے محمد اگر تم نہ ہوتے تو میں نہ ظاہر کرتا اپنی ربوبیت کو۔ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ آفرینش عالم اور ربوبیت حق تعالیٰ کا ظہور ہی ظہور ذاتِ محمدیؐ ہے۔ بعض دیگر احادیث سے ذاتِ محمدیؐ کا سب سے پہلے خلق ہونا ثابت ہے۔ مثلاً: اول ما خلق اللہ نوری (سب سے پہلے میرا نور پیدا کیا گیا) انا من نور اللہ والخلق من نوری ("میں اللہ کے نور سے ہوں اور تمام خلق میرے نور سے ہے")۔ اول ما خلق اللہ روحی ثم خلق جمیع الخلائق من روحی (اللہ نے پہلے میری روح پیدا کی پھر اس سے تمام مخلوق کو پیدا کیا)۔ اول ما خلق اللہ العقل (سب سے پہلے اللہ نے "عقل" کو پیدا کیا) یہاں عقل سے خود آنحضرتؐ کی ذات مبارکہ مراد ہے۔ عقل اول اسے کہتے ہیں جو جامع وجوب وامکان ہو۔ یہ صفت صرف آنحضورؐ کی مانی گئی ہے۔ اسی لئے آپؐ کو "برزخ حدوث وقدم" اور "برزخ کبریٰ" بھی کہتے ہیں:

اُدھر اللہ سے واصل اِدھر مخلوق میں شامل
خواص اُس برزخ کبریٰ میں ہے حرفِ مشدد کا

۷۔ نورانیت:

اس باب میں قرآن پاک کی شہادت یہ ہے:

قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّکِتٰبٌ مُّبِیْنٌ ۝ (پارہ ۶۔ مائدہ۔ رکوع ۳)

(بے شک اللہ کی طرف سے تمہارے پاس نور آیا اور روشن کتاب)

نور خود بھی روشن ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی روشن کر دیتا ہے۔ جہاں بھی پہنچتا ہے اس کا گوشہ گوشہ، ذرہ ذرہ منور ہو جاتا ہے پھر جو نُوْرٌ مِّنَ اللّٰہِ ہو اس کی نورانیت کے کیا کہنے، کسے نہیں معلوم کہ اللہ کے اس نور مجسم اور بے سایہ وجود مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے "ذاتی اوصاف" اور اس کی لائی ہوئی "روشن کتاب" نے حیات انسانی کے ہر تاریک گوشے اور شعبے کو کس طرح منور فرمایا اور اسے انسانیت کا وہ معیار عطا فرمایا جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ پھر غور کیجئے کہ بنی نوع انسان کو ایسا جامع عملی اور انقلاب آفریں ضابطۂ حیات عطا فرمایا جو قیامت تک لازوال و بے مثال رہے گا۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی
اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

★

میرے مانجھی لئے چل مدینے مجھے

قاضی نذرالاسلام
مترجمہ: افسر ماہ پوری

میرے مانجھی لئے چل مدینے مجھے

میرا مرشد ہے تو اور مرا راہ بر
میں ہوں اس راہ سے آج تک بے خبر
احمدِ مُصطفیٰ رحمتِ دوجہاں
میرے مانجھی وہ سوئے ہوئے ہیں وہاں
اب نہ ہوگا جو دیدارِ روئے حسیں
جان بچ جائے میری یہ ممکن نہیں
ریگزاروں میں گر کوئی دریا نہیں
غم نہ کر اس سے رکتا ہے رستا کہیں
اس قدر روؤں گا بہہ چلے گی ندی
راہ آسان ہو جائے گی ناؤ کی
اپنے چہرے پہ خاکِ مدینہ ملوں
اور اپنے محمدؐ کا کلمہ پڑھوں
میری آنکھیں ہوں اور آنسوؤں کی جھڑی
جیسے تھیں کربلا میں سکینہ کبھی

میرے مانجھی لئے چل مدینے مجھے...

عرفانِ محمدؐ

جلیل قدوائی

پہلا ہے یہی درسِ دلبستانِ محمدؐ
اللہ کا عرفان ہے، عرفانِ محمدؐ

اُس میں بھی ہے کچھ شفقت و رحمت کی وہی شان
ایوانِ خدا گو نہیں، ایوانِ محمدؐ

چھائی رہی ہر سمت جہالت کی شبِ تار
جب تک نہ ہوئی صبحِ درخشانِ محمدؐ

محرومِ ازل کا بھی وہ بھر دیتے ہیں دامن
اے دل تجھے معلوم نہیں شانِ محمدؐ

دنیا کی ہے کچھ فکر نہ عقبیٰ کا مجھے ہوش
"بے خود ہوں تہِ سایۂ دامانِ محمدؐ" (آمنغر گونڈوی)

یوں آئے کہ طبقات کی تقسیم مٹا دی
کچھ کم نہیں دنیا پہ یہ احسانِ محمدؐ

کیوں پھر نہ صفیں قیصر و کسریٰ کی اُلٹ دیں
آخر تو وہی ہم ہے غلامانِ محمدؐ

روپوشیٔ عصیاں کے لئے حشر میں مل جائے
اے کاش مجھے گوشۂ دامانِ محمدؐ

معراجِ سخن اس کو جلیل اپنی میں سمجھوں
ہو جاؤں اگر بلبلِ بستانِ محمدؐ

نورِ سحری

اے، ڈی، اظہر

اے باعثِ تکوینِ بہارِ کونین
اے مایۂ نازو افتخارِ کونین
اے نورِ جبین و عارضِ ارض و سما
اے شمعِ حریمِ اختیارِ کونین

اے مطلعِ معرفت کے نورِ سحری
دیکھے تجھے وہ جس میں ہو عالی نظری
تیری ہستی سے ہے سب اتمامِ صفات
سجتا ہے تجھی کو تاجِ خیر البشری

لولاکَ لما خلقتُ الافلاک ہے تو
اے نازشِ عرش محسنِ خاک ہے تو
کشتِ غربا کو بھی نوازا جس نے
وہ ابرِ کرم اے شہِ لولاک ہے تو

محروم رہے نہ تیری شفقت سے یتیم
حصّے میں تھا اُن کے بھی ترا لطفِ عمیم
والیِ یتیم تھا مگر بن کے یتیم
لاریب کہ تو ہے صاحبِ خلقِ عظیم

تھا زیروزبر جہاں میں ربطِ زن و مرد
عورت کی ذات تھی فقط درد ہی درد
تُو آیا تو جور سے ملی اُس کو نجات
شاہد ہے اس انصاف کا ہر بینا فرد

جب سے مسلم نے تیرا دامن چھوڑا
بیگانوں سے جا کے اپنا رشتہ جوڑا
اُس دن سے رُکی ہوئی ہے اُس کی گاڑی
ہر بات اٹک گئی ہے بن کر روڑا

عرضِ نیاز

زہرا ڈار

السلام اے رازدارِ کُن فکاں
السلام اے شہریارِ دو جہاں
السلام اے تاجدارِ انس و جاں
السلام اے شہسوارِ لامکاں

السلام اے شافعِ روزِ جزا
السلام اے مظہرِ نورِ خدا
السلام اے محرمِ سرِّ عُلیٰ
السلام اے ہادیٔ راہِ صفا

السلام اے راحتِ قلبِ حزیں
السلام اے رحمۃ للعالمیں
السلام اے باعثِ تکمیلِ دیں
السلام اے منبعِ علم و یقیں

صاحبِ یٰسیں طٰہٰ السلام
باعثِ تسکینِ زہرا السلام

کرم حیدری

پرتوِ جمال

تجھ سے ہے اے شہِ عرب ارونقِ بزمِ کائنات
تیرا وجودِ پاک ہے باعثِ گرمیٔ حیات

حُسن ترا چمن چمن، نُور ترا جہاں جہاں
فرش سے لے کے عرش تک سلسلۂ تجلّیات

لُطف ہے تیرا بے کراں، فیض ہے تیرا جاوداں
صبحِ ازل سے تا ابد، عام تری نوازشات

عالمِ رنگ و بو جسد، اس میں ہے جاں ترا وجود
محفلِ ہست و بود تن، اس میں ہے رُوح تیری ذات

لوح و قلم ترے اسیر، ارض و سما ترے غلام
تجھ سے ہے بزمِ ممکنات، تجھ سے ہے نظمِ شش جہات

باغِ جناں کا رنگ و نور، موجِ طہور کا سرُور
وہ ترا پرتوِ جمال، یہ تری چشمِ التفات

تیری نظر سے بن گئے ذرّے نجوم و آفتاب
تیرے کرم سے ہو گئے قطرے بھی دجلہ و فرات

چشمۂ فیض سے جسے ایک بھی جام مِل گیا
اُس کی بہار بے خزاں، اُس کی حیات بے ممات

کون و مکاں کے تاجدار! تیرا غلام ہے کرمؔ
اپنے غلام کی طرف، ایک نگاہِ التفات

ارمغاں

زباں ہے اپنی، نہ پیرایۂ بیاں اپنا
کہ ذکرِ شاہِ دو عالم ہے امتحاں اپنا

متاعِ جان و دل و سوز و ساز و علم و ہنر
قبول ہو تو ہے اک ادنیٰ ارمغاں اپنا

وہ جس کی شان میں فرمایا مَا غَویٰ حق نے
زہے نصیب کہ ہے میرِ کارواں اپنا

اُسی کے دم سے مِلا ہے ہمیں یہ سوز و سرُور
کہ زندگی کا ہے ہر لمحہ نغمہ خواں اپنا

ہمیں نہیں ہیں ثنا خوانِ احمدؐ مختار
جہانِ حُور و ملک بھی ہے ہم زباں اپنا

غلام جس کا زمانہ ازل سے تا بہ ابد
ہوئے ہم اُس کے تو ہر لمحہ بیکراں اپنا

چمن چمن میں ہے خوشبوئے مصطفےٰؐ سے مہک
یہ سب جہاں ہے حقیقت میں گلستاں اپنا

پہنچ ہی جائیں گے اک دن کرمؔ کنارے تک
سفینہ بحرِ محبت میں ہے رواں اپنا

"معراجِ بشر"

مشتاق مبارک

خلد سے جبکہ ہوا حضرتِ آدم کا خروج
بن گیا فرشِ زمیں حجلۂ صد ناز و نیاز
محوِ حیرت تھے فرشتے سرِ افلاک بریں
لاکھ چاہا نہ اٹھا ان سے مگر پردۂ راز
ذرہ ذرہ ہوا پابوس نبی نوعِ بشر
یہ بھی تھا دستِ مشیت کا اک ادنیٰ اعجاز
اب مشیت کی توجہ کا تھا مرکز انساں
جانبِ خاک تھی جبریل امیں کی پرواز
ہمہ تن گوش تھا ہر ذرۂ صحرائے وجود
دلِ انساں کی تڑپ میں تھا عجب سوز و گداز
بندگی اپنے ہی ماحول میں تھی رقص کناں
نگراں عرشِ معلّےٰ سے تھا خود بندہ نواز
ارتقا سے تھا ابھی ذہنِ بشر نامحرم
جادہ پیمائیِ دانش کا ہوا تھا آغاز
ہو گیا سلسلۂ بارشِ وحی و الہام
ملہمِ غیب کی کونین میں گونجی آواز
آشنا شانِ نبوت سے ہوئی عقلِ بشر
اک نئی صبح دلآویز ہوئی جلوہ طراز

۲

نورِ ایمان و یقیں بزمِ جہاں میں پھیلا
ظلمتِ کفر و ضلالت کو گریزاں پایا
تشنۂ علم جو تھے ان کی مرادیں برآئیں
ساغرِ حکمدۂ دانش و عرفاں پایا
جادۂ راہِ ترقی کہ تھا دشوار بہت
یہ بھی تھا فیضِ نبوت اسے آساں پایا
جستجو میں تھا جہاں جس کی کبھی سرگشتہ
سچ تو یہ ہے اسے نزدیک رگِ جاں پایا
کاروانِ علم و تمدن کا ہوا گرمِ خرام
جہل کو عقل نے انگشت بدنداں پایا
طعنہ زن جس پہ فرشتے تھے اسی کو آخر
نازشِ کون و مکاں، فاتحِ دوراں پایا
جس نے ہر گوشۂ ویراں کو بنایا پُر نور
لیلیٰ ارض نے وہ لعلِ بدخشاں پایا
اک نئی بزم سجی عرصۂ آب و گل پر
اک نیا رنگ سرِ عالمِ امکاں پایا
جس پہ تھا سرکشی و جور و ستم کا الزام
اس کو اک ناشرِ حق بندۂ یزداں پایا

۳

سلسلہ نورِ نبوت کا بتدریج بڑھا
شبِ تاریک گئی صبحِ سعادت آئی
تذکرہ جس کا صحیفوں میں ہوا تھا اب تک
دفعتاً پیشِ نظر آب وہ حقیقت آئی
آرزو جس کی فرشتوں کو رہے گی تا حشر
دامنِ عالمِ امکاں میں وہ دولت آئی
مردِ کامل ہوا مکہ کی زمیں پہ نازل
جس کی انساں کو تمنا تھی وہ رحمت آئی
شادمانی کے دو عالم میں ترانے گونجے
وجد میں عرش پہ خود شانِ مشیت آئی
آگئی عرش سے "اتممت علیکم" کی نوید
بن کے "معراجِ بشر" آج رسالت آئی
نغمۂ خیرِ امم ایک زمانے نے سنا
پیکرِ صدق میں انساں کے رفعت آئی
خم جبینِ مہ و خورشید ہوئی قدموں پر
رقص کرتی ہوئی لیلائے محبت آئی
ہو مبارکؔ کہ زمانے میں محمدؐ آئے
ہمرکاب آپ کے اللہ کی حجت آئی

بہارِ جاوداں

لطیف جلیلی

کہاں سکت ہے کہ سیرتِ سرورِ دو عالم بیاں کروں میں
جہاں ہوں نامحرمِ سماعت وہاں میں نالۂ رباب چھیڑوں؟
جہاد کے شعلہ بار نغمات صحنِ گلزار میں سناؤں
متاعِ شبنم جہاں میں ہرگز لہو کا نعم البدل نہیں ہے

بیانِ صفاتِ بنائے تکوینِ بزمِ کون و مکاں کروں میں
جو شیب کے بن چکے ہوں بندے میں ان میں ذکرِ شباب چھیڑوں؟
فسونِ دورِ آغوشِ گلکدوں میں رموزِ تیغ و سناں بتاؤں
کہ فرشِ قالیں پہ ذکرِ بدر و حنین کچھ برمحل نہیں ہے

حضورؐ تشریف لائے دنیا پہ صبحِ درخشاں کا نور بن کر
بہار نے ساغرِ رنگ چھیڑا کلیوں نے انگڑائی لی چمن میں
نویدِ عیسیٰ نے آسماں پر مسرتوں کا ہلال دیکھا

حریمِ عرفاں کے میکدے سے شعاعِ کیف و سرور بن کر
جمالِ فطرت ہوا نمایاں حسین غنچوں کے پیرہن میں
فلک نے گہوارۂ یتیمی میں پیکرِ صد کمال دیکھا

سلام اس پر کہ اک جہاں کو رموزِ فطرت بتائے جس نے
خزاں رسیدہ گلوں کو جس نے فروغِ رنگِ بہار بخشا
سلام اے ابلقِ زمانہ کے مستعد شہسوار تجھ پر
وہ اک اشارے میں جس کے قطرے حریفِ بحرِ رواں بنے ہیں
وہ جس کی راہوں کا ذرہ ذرہ جوابِ مہرِ مبیں ہے اب تک
سلام اے مصرِ حسن و خوبی کے تاجدارِ جمیل تجھ پر
سلام کلکِ ادیبِ فطرت کے منفرد شاہکار تجھ پر
وہ جس نے صحرا کے بدوؤں کو بھی تختِ ایران و شام بخشا
وہ جس نے ہر تشنۂ محبت کو علم و عرفاں کا جام بخشا
سلام اے حق شعار تجھ پر سلام اے حق نواز تجھ پر
سلام اس نورِ جبیں پہ جو رازدارِ حیات نکلا
سلام اے خلوتِ مشیت کے محرمِ رازدار تجھ پر

سلام اس پر کہ زندگی کے ہمیں سلیقے سکھائے جس نے
عرب کے فاقہ کشوں کو جس نے شہنشہی کا وقار بخشا
سلام عہدِ شکستِ باطل کے مطلعِ زرنگار تجھ پر
وہ جس کی تدبیر و آگہی سے ابھر کے ذرے جہاں بنے ہیں
وہ جس کے گلزارِ سرمدی کا ہر ایک غنچہ حسیں ہے اب تک
سلام اے بادۂ رسالت کے آخری سنگِ میل تجھ پر
سلام اے گلشنِ صداقت کی مسکراتی بہار تجھ پر
وہ خاک کے بے ثبات ذروں کو جس نے [illegible] مقام بخشا
خدائے برحق کا جس نے دنیا کو غیر فانی کلام بخشا
سلام اے بیکسانِ عالم کے ہمدم و چارہ ساز تجھ پر
جو حاصلِ کائنات نکلا جو نازشِ شش جہات نکلا
سلام عالی وقار تجھ پر، سلام والا تبار تجھ پر

ابھی ہیں آغوشِ آمنہ میں، ابھی ہے دل بستگی یہاں تک
ابھی گلِ تر کو بادِ صرصر کے تند جھونکوں کو جھیلنا ہے
حلیمہ ان کو بساطِ صحرا کی خاک پر یوں ہی کھیلنے دے
انہیں مصائب نوازِ گلگشت میں تبسم فروش کر دے
یہی تو ہے افتخارِ گیتی، یہی تو عالم کا گلہ بان ہے

غرض حلیمہ نے چھ برس تک جہاں میں جینے کے گر سکھائے
فضائے صحرا میں تاجدارِ دو عالم اس طرح پل رہا ہے
وہ رہ کے صحرا میں ایک مدت دیارِ مکہ کو لوٹ آئے
پلے جو آلام کے اندھیروں میں رشکِ صد ماہتاب نکلے
جنہوں نے تیغِ رواں سنبھالی انہیں خدا نے وقار بخشا

اگر توانا ہے جسم تو روح بھی تبسم شعار ہو گی
بھلا کہاں کوہسار جانیں کہ عجز کیا، انکسار کیا ہے
جو تہہ نشیں ہیں بتائے گا انہیں کناروں سے واسطہ کیا
بھلا چٹانوں کو یورشِ برق و باد و باراں سے خوف کیسا
انہیں بلاؤں کی آگہی کیا جو گھر سے بہرِ شکار نکلیں

سنیں گے ذکرِ رسول مجھ سے یہ مضمحل یہ اداس انساں
سنیں گے ذکرِ رسول مجھ سے گلوں کی پر کیف بستیوں میں
جو آشنائے جمالِ صہبا نہیں وہ کیا تشنہ کام ہوں گے
مزا تو جب ہے محیطِ عالم سے برق و باراں کی موج اٹھے
گرج رہی ہوں فضائیں تو میں فلک سے شعلے برس رہے ہوں
برائے میدانِ جنگ اہلِ نگاہ سیماب وار اٹھیں
ہجومِ برق و بلا کے آگے سپر ہوں اہلِ وفا کے سینے
مزا تو جب ہے کہ عین طوفاں میں ذکرِ والا جناب چھیڑوں

ابھی تو بچپن کا ذکر ہی ہے کہو تو ذکرِ شباب چھیڑوں
سحابِ طفلی کی سلوٹوں سے سحر بدست آفتاب نکلا
وہ صحنِ گلشن پہ جیسے رنگ آفریں و نکہت بدوش غنچے
وہ برق و باراں کی یورشوں میں ثباتِ افزا چٹان جیسے

ابھی بکھرنا ہے ان فضاؤں میں نور بن کر کہاں کہاں تک
ابھی تو برگِ حسیں کو شعلوں کے ایک طوفاں میں کھیلنا ہے
ابھی زمانے کے خارزاروں کی سختیاں اور جھیلنے دے
عطا وہ ذوقِ شناوری کر جو ان کو طوفاں بدوش کر دے
یہی مشیت کی آبرو ہے یہی دو عالم کا لازوال ہے

جمود کے دل شکن اندھیروں میں عزم کے راستے دکھائے
کہ حسبِ خواہش پگھل کے فولاد جیسے قالب میں ڈھل رہا ہے
تو دولتِ بازوئے قوی اور متاعِ عزم و یقین لائے
جفاکش و اضطراب پرور پیمبرِ انقلاب نکلے
زمیں کی فرماں روائی بخشی فضاؤں پر اقتدار بخشا

جہاں میں ذی اقتدار انساں کی ہر ادا باوقار ہو گی
کسی نے پوچھا کبھی نہنگوں سے رونقِ برگ و بار کیا ہے
پلے جو تیغوں کے سائے میں ان کو مرغزاروں سے واسطہ کیا
بنا ہو کانٹوں کی خوئے بے باک کو بہاراں سے خوف کیسا
انہیں تلاطم کا خوف کیسا جو خود تلاطم سوار نکلیں

بیانِ تیغ و سنان و خنجر سنیں گے مرہونِ یاس انساں
شعورِ انساں کی خلوتوں میں خرد کی پامال پستیوں میں
فروغِ محفل سے جو ہیں غافل وہ خاک آتش بہ جام ہوں گے
روش روش بادۂ شہادت کے تشنہ کاموں کی فوج اٹھے
قدح پرستانِ بزمِ عشرت نشاطِ دل کو ترس رہے ہوں
حیاتِ سرمد کی آرزو میں سب اہلِ حق بیقرار اٹھیں
چٹان بنکر ڈٹے ہوئے ہوں محیطِ آلام میں سفینے
ہجومِ تیغ و دغا میں ذکرِ حضورِ عظمت مآب چھیڑوں

اگر سماعت رفیقِ خاطر ہو قصۂ آنجناب چھیڑوں
ورق جو الٹے کتابِ فطرت کے نوجوانی کا باب نکلا
ہواؤں کی دسترس میں جیسے رہیں تبسم فروش غنچے
وہ بے نیازِ فتادگی و شکست ہے آسمان جیسے

اسی طرح آپ بھی زمانے کے جور سے بے نیاز نکلے
جہاں سے گذرے ہوئے اشارے، جہاں سے نکلے نگاہیں اٹھیں
جدھر سے جاتے عوام ان کا خلوص سے احترام کرتے
تھا حق پرستی کا ذکر ہر سو، تھی راست بازی کی دھوم ہر جا
جبینِ فطرت شناس لیکن جھکی تو اپنے خدا کے آگے
وہ سرخیٔ داستانِ اہلِ صفا، وہ عالی گہر نسب نجیب
'امین' لقب نوجواں کے طرزِ حیات کا احتساب کر کے
پئے تجارت جنابِ والا کو جانبِ ملکِ شام بھیجا
وہ مرکزِ بندگانِ عالم، وہ ملجاءِ حق شناس کعبہ
خدا کے اس خانۂ صنم آشنا کی تعمیر ہو رہی ہے
ہر اک قبیلہ الجھ رہا ہے، ہر اک قبیلہ بضد رہا ہے
مصر ہیں بے تابیاں کہ ہر احترام کو الفراق کہہ دیں
اگرچہ یہ بات ہو رہی تھی اگرچہ یہ کشمکش تھی جاری
انہیں مقدس حرم کو دشتِ دغا بنانا نہ تھا گوارا
کہا انھوں نے کہ فرشِ کعبہ لہو سے گلگوں نہ ہو سکے گا
سحر کے ہنگام سب سے پہلے مقامِ اقدس پہ آئے گا جو
وہی جو کچھ فیصلہ کرے گا، ہوا یہ اقرار مان لیں گے
خدا کو منظور تھا کہ یہ فیصلہ تقدس مآب کرتے
زمانہ شاہد ہے کس فراست سے فتنۂ محشر زا مٹایا
ہجومِ ظلمت طلوعِ نورِ سحر کا پیغامِ جاں فزا ہے
فضائے مبرم سے ہے جہاں میں حیاتِ جاوید کا فسانہ
ہے پائے رفتار کی نزاکت سے منزلوں کا نشان باقی
حرا کی تاریکیوں میں دیکھو چراغِ حق جگمگا رہا ہے
حرا کی خاموشیوں میں روح الامیں خدا کا پیام لائے
رفیقۂ زندگی کو آکر حضور کا سب ماجرا سنایا
بذوقِ تحقیق آخرِ کار وہ حقیقت کی تہہ کو پہنچیں
عطا ہوا منصبِ رسالت مرے رفیقِ حیات تجھ کو
اگرچہ رستہ کٹھن ہے لیکن شریکِ راہِ نبی رہوں گی
حضور کوہِ صفا پہ آئے شرابِ وحدت کا جام لیکر
بیانِ اعلائے حق جہاں میں کفن بدوشوں کی داستاں ہے
بڑی کٹھن ہے شعور والو جہاں میں تائیدِ ذاتِ باری

امین کہلائے اور حسنِ عمل سے ذی امتیاز نکلے
پئے زیارت قدم قدم پر نیاز کی بارگاہیں اٹھیں
بڑی عقیدت سے بات کرتے، بڑے ادب سے کلام کرتے
اگرچہ جاری تھیں اہلِ مکہ میں بت گری کی رسوم ہر جا
خدا کے بندے اگر جھکے بھی تو کب جھکے ماسوا کے آگے
بلند سیرت، بلند فطرت وہ نیک دل نامور نجیبہ
کہ گلستانِ قریش سے اک گلِ وفا انتخاب کر کے
حضور جب کامیاب لوٹے تو مخلصانہ پیام بھیجا
وہ خانۂ اعتمادِ گردوں، وہ دینِ حق کی اساس کعبہ
کہ پھر سے تنصیبِ سنگِ اسود کی آج تدبیر ہو رہی ہے
وہی اٹھائے گا سنگِ اسود اسی پہ اصرار کر رہا ہے
عجب نہیں ہے محل کے خنجر نیام کو الفراق کہہ دیں
یہ چند اہلِ خرد کو اس صورتِ زبوں سے تھی بیقراری
انہیں حدودِ حرم میں انساں کا خوں بہانا نہ تھا گوارا
یہاں سے ہوا ابتدائے جنگ و جدال اب یوں نہ ہو سکے گا
طلوعِ مہرِ مبیں سے پہلے جمال اپنا دکھا سکے گا جو
اسی بشر کا جو قول ہوگا تمام سردار مان لیں گے
مشیتِ ایزدی یہی تھی کہ رہنمائی جناب کرتے
فسادکے تابناک شعلوں میں امن کا راستہ دکھایا
جو اہلِ فکر و نظر ہیں ان پر لطیف یہ راز کھل گیا ہے
شکستِ تابِ ذتواں کا غماز ہے ممولوں کا آشیانہ
الم کشوں کے وجود سے ہے الم کی ہر داستان باقی
جو کفر و باطل کا تھا اندھیرا بساط اپنی اٹھا رہا ہے
سنا جو حکمِ خدائے برحق تو خوفِ باری سے تھرتھرائے
جو پیش آیا تھا سرورِ دیں نے بے کم و کاست سب بتایا
ہوا جو احساسِ منصبِ شوہرِ مکرم پکار اٹھیں
خدائے برحق نے بخشدی تاجدارئ شش جہات تجھ کو
میں بہرِ خوشنودئ خدائے بزرگ وقفِ رضا رہوں گی
پیامِ اسلام کا سنایا خدائے برحق کا نام لیکر
وفا شعاروں کا ہے یہ شیوہ جہاد کوشوں کی داستاں ہے
بڑی ہی مشکل ہے سرفروشی، بڑی ہی مشکل ہے جاں نثاری

بڑا ہی مشکل ہے اس جہاں میں خدائے برحق کا نام لینا
بڑا ہی مشکل ہے عزمِ بے باک سے حریفوں میں کام لینا

جنوں کے اندازِ دلنشیں کو یہ دانشِ سطح بیں نہ سمجھی
فرازِ گردوں کی وسعتیں کیا ہیں آج تک یہ زمیں نہ سمجھی

یقین کے ساحلِ حسیں تک یہ موجِ احساسِ خام پہنچی
جمالِ روئے سحر کے معیار کو کہیں زلفِ شام پہنچی

جو خیر خواہی کے مدعی تھے وہ یک بیک ساتھ چھوڑ بیٹھے
قرابتیں منحرف ہوئیں اور یگانے منہ اپنا موڑ بیٹھے

لہو کے رشتے وفا کی کڑیاں خلوص کے ضابطے کہاں ہیں
نبی کی راہوں میں مشکلیں ہیں، نبی کے رستوں میں امتحاں ہیں

جہاں محبت کا حسن تھا کل وہاں خصومت کی صورتیں ہیں
روش روش پر شقاوتیں ہیں، نفس نفس پہ کدورتیں ہیں

قدم قدم پہ مصیبتوں کی چٹانیں راہوں کو روکتی ہیں
بجھی ہوئی زہرِ دشمنی میں سنانیں راہوں کو روکتی ہیں

حضورؐ تنہا، زمانہ دشمن، زمیں مخالف، زماں مخالف
وطن کی راہیں، وطن کی گلیاں، وطن کے خورد و کلاں مخالف

بتوں کے بندے بپھر اٹھے سرورِ دو عالم کی بات سن کر
نبی کے دشمن بنے نبی سے بیانِ راہِ نجات سن کر

خدا کے منکر جنہوں نے سولی پہ ابنِ مریم کو تھا چڑھایا
جنہوں نے عزمِ خلیل کو آگ کے گلستاں میں آزمایا

وہی بشر بن کے دشمنِ حق، رہِ رسولِ خدا میں آئے
جو سختیوں سے نہ کام نکلا زر و جواہر کے دام لائے

پیام بھیجا کہ اے محمدؐ اگر تمنائے سیم و زر ہے
اگر عرب کی کسی حسینہ پہ آجکل آپؐ کی نظر ہے

اگر تمنائے سلطنت ہے تو اس کا اظہار ہم سے کیجیے
رہیں گے اعلانِ حق سے باز آپ اس کا اقرار ہم سے کیجیے

اگر تمنائے مہر و مہ ہے تو وہ بھی قدموں میں ڈال دیں گے
اگر ہے شہرت کا دل میں ارماں تو نامِ نامی اچھال دیں گے

برا بھلا آپ انہیں نہ کہئے ہمارے حاجت روا یہ بت ہیں
ہمارے دل کا قرار ہیں یہ، ہمارے سچے خدا یہ بت ہیں

جواب بھیجا کہ بندگانِ ہبل یہ سب ناشناسیاں ہیں
شکستِ دامِ خرد کے باعث شعور کی بدحواسیاں ہیں

نہیں ہے خواہش کسی حسیں کی، نہ آرزو مجھ کو تاج کی ہے
نہ سیم و زر کی مجھے تمنا، نہ جستجو مجھ کو راج کی ہے

مرے خدا نے جو مجھ کو سونپا ہے فرض اس کو ادا کروں گا
اگر مجھے سلطنت بھی مل جائے سلطنت کو میں کیا کروں گا

یقینِ محکم کے روئے انور پہ مصلحت کا نقاب کیسا
قدم رہِ امتحاں میں جب اٹھ چکا ہے اب احتساب کیسا

شریکِ راہِ وفا ہوئی چند جاں نثاروں کی اک جماعت
وفا پرستوں کی اک جماعت، وفا شعاروں کی اک جماعت

حصار میں جس طرح لئے ہوں مہِ ضیا پاش کو ستارے
اسی طرح سے حضورؐ کے گرد جمع تھے جاں نثار سارے

تبسمِ گل کی دلنوازی پہ جس طرح ہو نثار بلبل
کنارِ گل میں بھی جیسے رہ کر ہو رات دن بیقرار بلبل

علی و صدیق و زید حضرتؐ کے اولیں جاں نثار نکلے
اشاعتِ دینِ حق کی خاطر لئے دلِ بیقرار نکلے

یہ اہلِ ایماں جہاں بھی جاتے عدو کے ہاتھوں ستائے جاتے
یہ حق پرستی کا درس دیتے ہزار ظلم ان پہ ڈھائے جاتے

وہ ہر خزاں آفریں چمن کے لئے نویدِ بہار لائے
ادا شناسِ جمال تھے وہ گلوں کی خاطر نکھار لائے

وہ فقر کی شان کے فدائی تھے سیم و زر کے غلام ہو تم
وہ مستِ صہبائے معرفت تھے رہینِ صہبا و جام ہو تم

چمن کے پروردگار تھے وہ گدائے رنگِ بہار ہو تم
وہ افتخارِ بساطِ عالم تھے آج دنیا میں خوار ہو تم

انہوں نے بہرِ رضائے خالق جہاں میں سیم و گہر لٹائے
اشاعتِ دینِ حق کی خاطر عدو کی تیغوں کے زخم کھائے

انہوں نے خون و نسب کی دنیا میں سارے اصنام توڑ ڈالے
انہوں نے میخانۂ قرابت کے دلربا جام توڑ ڈالے

وہی صنم تم نے کعبۂ دل میں پھر سجائے فریب کھا کر — اسی جہنم میں جھونک ڈالا تمہیں زمانے نے ورغلا کر
فریبِ پستی میں آگئے ہیں نگاہ تھی جن کی آسماں پر — جہاں میں بے آبرو وہی ہیں کبھی جو تھے حکمراں جہاں پر
کمال افسونِ مرگ ہے یہ کہ بے نتیجہ ہے تازیانہ — وہی جو فرمانروا تھے کل تک یہاں انہیں کا نہیں ٹھکانہ

خرد کی شامِ جمیل صبحِ بہارِ گلشن کے خواب سے ہے — جنوں کی صبحِ حسیں عبارت شبِ غم و اضطراب سے ہے
وہ دانشِ سطح بیں ہے جس کی ادا بظاہر ہے ساحرانہ — جنوں ہے وہ اعتمادِ کامل ہے جس کے زیرِ نگیں زمانہ
خرد بپر و بال کا سہارا جنوں کی پرواز آسماں تک — خرد اسیرِ فضائے عالم جنوں کی وسعت ہے لامکاں تک
خرد شناور کے عزمِ راسخ کے حق میں تردیدِ کامرانی — جنوں حکایت ہے سرفروشوں کی وہ بھی شمشیر کی زبانی
خرد ہے تاریخ کی کتابوں میں بھولی بسری سی اک کہانی — جنوں ہے فردِ حیات ہر اقتدار کا نقشِ غیرِ فانی
خرد کے بیمار مضمحل ضابطے تذبذب کی داستاں ہیں — جنوں کے خونبار مرحلے فطرتِ حوادث کے ترجماں ہیں
جہاں خرد سے نہ کام نکلے وہاں جنوں کامگار ہوگا — وہی کناروں کو پا سکے گا جو خود تلاطم سوار ہوگا
کہو رسالت کی شمعِ روشن پہ مر مٹے جاں نثار کیسے — فدا ہوئے وارثِ دو عالم پہ بڑھ کے دیوانہ وار کیسے
بتاؤ فہم و شعور والے جنوں کی وادی میں آئے کیونکر — بتاؤ طارق نے اپنے ہاتھوں سے خود سفینے جلائے کیونکر
بتاؤ کیوں مصلحت گری اہلِ حق کو مطلق نہیں گوارا — کہ ابنِ حنبل نے جا کے بغداد میں مصائب کو کیوں پکارا
بتاؤ تو عزمِ بت شکن کو ملی نویدِ حیات کیسے — گرا ندامت سے اہلِ ایماں کے روبرو سومنات کیسے
غرورِ لات و منات نے کیوں قدم قدم پر شکست کھائی — نہ ساز و ساماں سے کام نکلا نہ زر کی کثرت ہی راس آئی
بڑھے یہ دیوانے جس طرف بھی لوائے حق آشنا سنبھالے — خدا نے نظمِ جہانِ شر و فساد ان کے کیا حوالے
خدا نے ان کو یہ فرض سونپا کہ میکدوں کا نظام بدلیں — سنبھال کر اقتدارِ ساقی اصولِ مینا و جام بدلیں
خدا کا فرمان ہے کہ اہلِ وفا سزاوارِ تاج ہوں گے — انہیں کے قدموں میں تخت ہوگا انہیں کے قدموں میں تاج ہوں گے

غرض ملا حکمِ ربِ یزداں دیارِ مکہ سے دور جاؤ — ہے حکمِ خالق ریاضِ یثرب کو جا کے اپنا وطن بناؤ
وہی بنے گا وطن جسے خود نقوشِ پا سے بساؤ گے تم — وہیں کھلیں گے گلِ محبت جہاں پہ جا مسکراؤ گے تم
وہی حصارِ حیات ہوگا جہاں پہ پرچم اڑاؤ گے تم — وہیں دیارِ حبیب ہوگا جہاں محمدؐ کو پاؤ گے تم

یہ حق و باطل یہ نور و ظلمت یہ خیر و شر کا فسانہ کیا ہے — صدائے طبلِ جہاد کیا ہے یہ لاتخف کا ترانہ کیا ہے
قیامِ امن و سکوں کی خاطر یہ اہتمامِ ستیز کیوں ہے — ہر ایک ملت کے گنجِ پنہاں میں دولتِ تیغِ تیز کیوں ہے
بساطِ گلشن پہ ہر طرف ہیں بتاؤ آتش فشانیاں کیوں — روش روش پر ہیں رقص پیما خزاں کی خونیں جوانیاں کیوں
جو امنِ عالم کے مدعی ہیں انہیں سنانوں سے پیار کیسا — مہیب توپوں کی صف شکن آتشیں دہانوں سے پیار کیسا
بتاؤ دنیا میں سرفروشوں کا اتنا اعلیٰ مقام کیوں ہے — حضورِ خالق میں اہلِ تیغ و جہاد کا احترام کیوں ہے

ازل سے دنیا میں محوِ جنگ و جدال اب تک ہیں کفر و ایماں
فسانۂ زندگی کی سب آبرو اسی اضطراب سے ہے
بقائے اقوام دہر اہلِ سناں کے حسن و شباب سے ہے
اسد کی عظمت سے جنگلوں میں رموزِ فطرت ہیں آشکارا
یہ دینِ فطرت سے چیونٹیوں کا قطار اندر قطار چلنا
ہے دینِ فطرت کا ترجماں شاخ پر ممولوں کا آشیانہ
خدا نے عقرب کو نیش بخشا اسد کو پنجہ عطا کیا ہے
بشر کو فطرت نے فرض سونپا کہ حفظِ ناموس و ننگ کیجے
جو راستے میں کوئی رکاوٹ ہو اس کو قوت سے دور کر دو

یہی ستیزہ گری ہے بابِ حیات کا تابناک عنواں
عروسِ فطرت کے کاکلوں کا فسوں اسی پیچ و تاب سے ہے
حیاتِ جاوید کا فسانہ فقط شہادت کے باب سے ہے
خدا کو اس کارگاہ میں بزدلی نہیں مطلقاً گوارا
برائے تحصیلِ رزق مانندِ فوج دیوانہ وار چلنا
ہے عینِ فطرت کہ عندلیبوں کا صحنِ گلشن میں ہے ٹھکانہ
گلوں کو کانٹوں کا قرب بخشا چمن کو برق آشنا کیا ہے
اگر کوئی در پئے عداوت ہو حکمِ باری کہ جنگ کیجے
ہے دینِ فطرت یہی کہ ظلمت کو محوِ رنگ و نور کر دو

مدینے پر چڑھ کے آ گئے اہلِ کفر جنگ و جدال کرنے
انہیں فروغِ ریاضِ دینِ رسول مطلق نہ تھا گوارا
خبر یہ سن کر ہوئے اکٹھے حضور میں جاں نثار سارے
نبی نے فرمایا جاں نثارو ٹھہرا کٹھن وقت آ گیا ہے
بتاؤ ہنگامِ امتحاں تم پیمبرِ حق کا ساتھ دو گے
عدو کو کثرت پہ ناز ہے اور یقین کر لو قلیل ہیں ہم
بھڑکتے شعلوں سے پاک کیا وارثانِ رسمِ خلیل ہیں ہم
عطا کیا ہے خدائے برحق نے آج اذنِ جہاد ہم کو
جواب کے منتظر تھے حضرت سکوت محفل پہ چھا رہا تھا

حیات کے نقشِ چند روزہ میں خونِ انساں کا رنگ بھرنے
پیمبرِ امن و آشتی کو زبانِ شمشیر سے پکارا
کئے ہوں ماہ مبیں کو جیسے محیط افلاک پر ستارے
کہ اہلِ مکہ کی فوج لے کر عدو پئے جنگ آ رہا ہے
بتاؤ میدانِ کشت و خوں میں بھی میرے ہاتھوں میں ہاتھ دو گے
مگر ہو اعدا سے خوف کیا بازوئے خدائے جلیل ہیں ہم
ہجومِ خس کی ہے کیا حقیقت روانیٔ موجِ نیل ہیں ہم
ستا سکیں گے نہ اس جہاں میں کبھی بھی اہلِ فساد ہم کو
ادھر تھی حیرت زمیں پہ طاری فلک ادھر مسکرا رہا تھا

کہا یہ مقداد نے ہوں قرباں مرے سب آل و عیال تجھ پر
نہیں ہے موسیٰ کی امت بے وفا کہ ہم تجھ کو چھوڑ ڈالیں
چٹان بن کر رہِ عدو میں حضور ڈالے جب آئیں گے ہم

یقیں ہے ہم کو کہ آج ارزاں ہے رحمتِ ذوالجلال تجھ پر
حیاتِ فانی کے واسطے رشتہ دینِ برحق کا توڑ ڈالیں
جہاں پسینہ گرے گا اس جا پہ خون اپنا گرائیں گے ہم

فلک نے دیکھا کہ اہلِ ایماں سے اہلِ شر نے شکست کھائی
وطن سے نکلے تھے جو مہاجر وطن ہی لوٹے ہیں فاتحانہ

نہ ساز و ساماں سے کام نکلا نہ زر کی کثرت ہی راس آئی
ہے فخر اہلِ عرب کو ان پر رہیں گے زیر نگیں زمانہ

بتانِ کعبہ کا ذکر ہی کیا، دلوں کے اصنام توڑ ڈالے
نبی نے خانۂ جہالت کے خوشنما جام توڑ ڈالے

رحمت کے نگیں

گویا جہان آبادی

اللہ اللہ رحمۃ للعالمین
اشکِ دل دامانِ رحمت کے نگیں

بخش دی فردوس اہلِ دید کو
مہرِ نگاہِ لُطف جنت آفریں
آپ کے نقشِ قدم پر رکھ کے سر
ہوگئی تکمیلِ معراجِ جبیں

باعثِ تخلیق کا پہلا قدم
محفلِ ہستی میں شمعِ اولیں

آنسوؤں کو عرش کے تارے دئے
آفریں اے شانِ رحمت آفریں

دیدۂ شبنم کو گوہر بخش کر
جوہرِ ہستی کی قدریں بخش دیں

نعمت دارین جس کے ہاتھ میں
تھی غذا اس شاہ کی نانِ جویں

قرب کی حد سے گذر جاتا ہے جب ذوقِ نیاز
درِ محبوب پہ سجدے کو جبیں کہتے ہیں

قلبِ مومن ان کے دم سے زندہ ہے
زیست مرہونِ حیاتِ مصطفیٰؐ

روشن آیاتِ خدا جملہ رسول
سب کے جامع بیّناتِ مصطفیٰؐ
موسیٰؑ و عیسیٰؑ کے جان و دل سے پوچھ
عین قرآں معجزاتِ مصطفیٰؐ

یا محمدؐ کے ساتھ ہی دل میں
کہتا ہوں لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوْ
نعت اور حمد دونوں مل جل کر
چمنِ معرفت کی ہیں خوشبو

باغِ جناں کے پھول ہیں دل کی نگاہ میں
آنسو برستے ہیں جو مدینے کی راہ میں
شمع حرم کے سوز میں پروانے غرق ہیں
نورِ حضور چاروں طرف جلوہ گاہ ہیں
قسمت کا جام ساقیٔ کوثر کے ہاتھ ہے
رحمت ہے منتظر کوئی میکش ہے راہ میں

مدینہ کی کچھ اور ہی سرزمیں ہے
بلندی میں ہر ذرّہ عرش آفریں ہے
دل و جاں کے مولیٰ کا جو آستاں ہے

مری جاں وہیں ہے مرا دل وہیں ہے
ہر اک درد دکھ کی دوا یا محمدؐ
عبث قلب ناداں تو اندوہگیں ہے

ان کے نقش پا سے جب آنکھیں ملیں
چشم پُرنم کو ستارہ مل گیا

تارے واللیل پہنے بہر قبائے محبوب
والضحیٰ نور سے بھر لائے ردائے محبوب

تبسم اور جمال والضحیٰ کا
گلوں سے بھر گیا دامن فضا کا
فرشتوں کا گذر خلوت میں ان کی
دھڑکتا ہے کلیجا انبیا کا
ہو نکہت جس میں گلزار نبی کی
خداوندا وہ اک جھونکا ہوا کا

نور ان کا ہے۔ ضیا ان کی اجالا ان کا
ماہ معراج سراج دوجہاں شمع حریم

★

"خورشید بے زوال و غروب"

آثر صہبائی

دل کو ہے تیری آرزو محبوب — لب کو تیری ہی گفتگو مرغوب
قرۃ العین تیرا جلوۂ پاک — تذکرہ تیرا اہتزاز قلوب
تیری عظمت پہ دوجہاں قربان — اے خدائے علیم کے محبوب
اللہ! اللہ! تیری شانِ جلال — تیری ہیبت سے اہرمن مرعوب
سطوتِ قیصری ہوئی معدوم — غرۂ خواجگی ہوا مغلوب
تیری آنکھوں پہ بے حجاب اسرار — تیری ہر بات کاشف المحجوب
رشکِ مہر و ماہ ذرۂ خاک — تیرے دامن سے جو ہوا منسوب
تجھ سے نسبت خدا سے نسبت ہے — حق کو محبوب جس کو تو محبوب

نور عشق محمدؐ عربی
ایک خورشید بے زوال و غروب
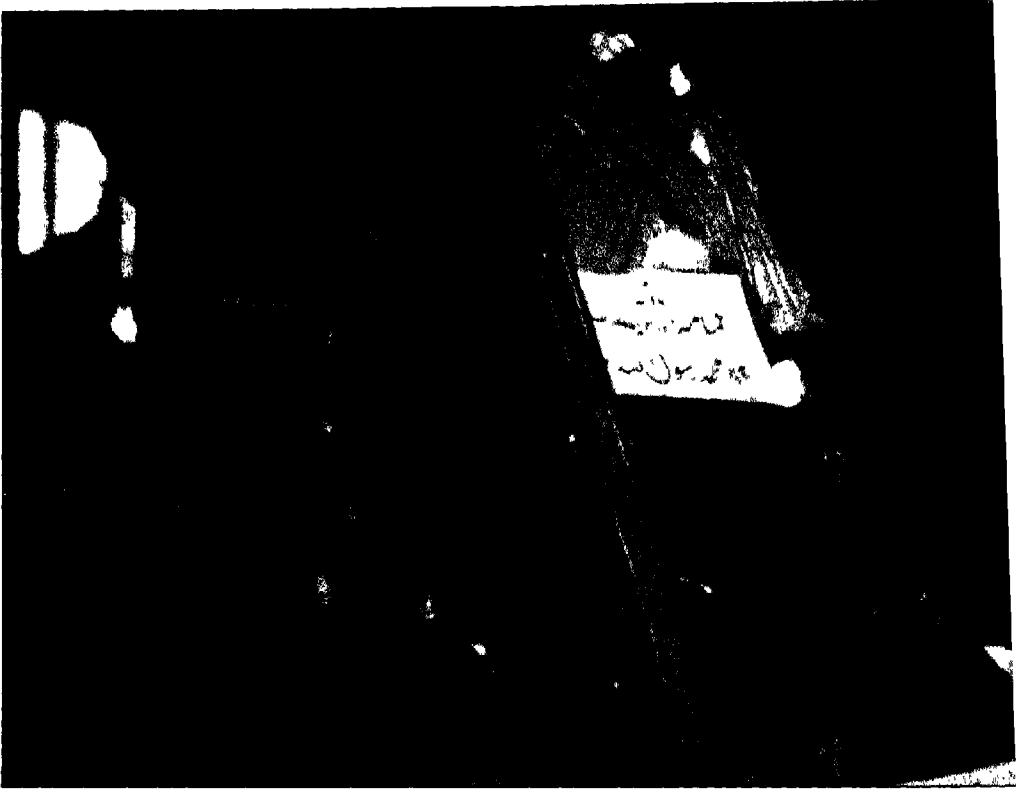
دمشق، استانبول، قاہرہ، دہلی، لاہور اور دیگر اہم
اسلامی بلاد و امصار میں ایسے تبرکات محفوظ ہیں جنہیں
اسلام کی برگزیدہ ہستیوں سے منسوب کیا جاتا ہے۔ انہی
میں سے بعض حضور صلی اللہ علیہ و سلم سے بھی منسوب ہیں
مثلاً حضور کا قدم مبارک، موئے مبارک اور عمامۂ مبارک،
جن کا ذکر اکثر تاریخی حوالوں میں بھی موجود ہے۔
تو ہر تبرک کی بابت بالیقین کچھ کہنا مشکل ہے۔
بہرنوع، شاہی مسجد لاہور میں بھی قدیم اسلامی عہد کے
نوادر کا ایک ذخیرہ ہے جس میں عمامۂ مبارک بھی شامل
ہے۔ اس کا رنگین عکس یہاں تبرکاً پیش کیا جاتا ہے۔

شمعِ یزداں

اکبر دُرّانی

مِر آماجگاہِ انسانی
رما ہے حکمِ یزدانی

عرض کہسار ہیں سمندر ہیں
آسمانوں پہ اڑ گیا پانی

پ کی ہولناک حدت سے
واؤں میں آتش افشانی

باغ پر فصلِ گل کا قبضہ ہے
ہر کلی ہے بہار کی رانی

ے موسم اٹل ہیں اپنی جگہ
حدِ تغیرِ ثانی

ماہ و خورشید و کہکشاں و فلک
ملی دن رات ان کو سلطانی

ی بادِ صبا ہوئی محدود
ں کھل کر برس گیا پانی

ہے مشیت کے اک اشارے پہ
وسعت انگیز تنگ دامانی

ی نیرنگیاں ہیں قدرت کی
نشیں دن ہے رات برفانی

تو نے سمجھا بھی ہے مگر یہ راز
اے خطا کارِ فکرِ انسانی

ں نظر سے تری اٹھاتا ہوں
سب حجاباتِ سترِ پنہانی

نورِ خالق کا ایک جزوِ اہم
ہے بنائے فروغِ انسانی

کارگاہِ جہاں میں جس کے طفیل
ہر طرف نور کی ہے ارزانی

وہ کہ بنیادِ آدمیت ہے
وہ کہ جس کا نہیں کوئی ثانی

اب سرِ بارگاہِ نورِ مبیں
پیش کرتا ہوں مطلعِ ثانی

تیری صورت ہے نورِ ایمانی
شمعِ یزداں ہے تیری پیشانی

ہر نفس تیرا حکمرانِ ابد
ہر نظر خاتمِ سلیمانی

فرِّ اسکندری ہے دامن گیر
زیرِ پا ہے شکوہِ خاقانی

اے نبیِ آخر الزماں تو نے
تو نے پایا وجودِ لاثانی

تو نے کی ہر طرح بحکمِ الٰہ
کشتیٔ نوح کی نگہبانی

اُمّتی وہ اگرچہ ہو نہ سکا
قدر تیری کلیم نے جانی

تیری رفتار دیکھنے کے بعد
اب ہوا کو نہیں پریشانی

سب فرشتے درود پڑھتے ہیں
انبیا کرتے ہیں ثنا خوانی

تیرے آنے سے ساری دنیا میں
نہیں ملتی ہے نام کو ویرانی

ہر جگہ ابرِ فیض برسایا
ہر زمیں ہو گئی گلستانی

تیری چشمِ کرم کا صدقہ ہے
مہ و خورشید کی یہ جولانی

ساری دنیا کے گوشے گوشے میں
کھل کے برسا ہے ابرِ رحمانی

کر گئی زندگی کو مالا مال
تیرے لطف و کرم کی طغیانی

تیرے در کی مجھے تمنا ہے
کاش مل جائے حکمِ دربانی

مجھ پہ للہ اک نگاہِ کرم
اب تو سر سے گزر گیا پانی

نعت خوانِ شہِ انام رہوں
مجھ کو حاصل ہو شانِ حسّانی

یہ صلہ ہو قصیدہ خوانی کا
ہو رسائی میں مجھ کو آسانی

بندہ ہوں اور نام کا اکبر
کاش حاصل ہو فیضِ روحانی

اُردوئے قدیم اور نعت گوئی

افسر صدیقی امروہوی

ہر اس کلام کو جس میں پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صفت ثنا بیان کی جائے لغت کہتے ہیں۔ اس میں نظم کی قید نہیں ہے۔ اگر نثر بھی اس معیار پر پوری اترے تو اُسے نعت ہی کہنا چاہئے لیکن آج کل صرف نظم کو ہی لغت کہا جاتا ہے اور اسی کا رواج زیادہ ہے۔

نعتیہ مضامین تمام اصناف سخن میں موجود ہیں اور ہر صنف میں متعدد کتابیں شعرا نے لکھی ہیں، مگر غزل اور قصیدے کا انداز اس باب میں زیادہ مقبول رہا ہے۔

نعت گوئی کی ابتدا کب سے ہوئی یعنی کس سن سے، اس کا تعیّن کرنا دشوار ہے، البتہ اس میں شک نہیں کہ اسلام کے ابتدائی دور سے ہی اس کا سکّہ رواں ہو چلا تھا۔ عرب کے لغت گویوں میں حضرت حسّان بن ثابت رضؓ کا نام کون نہیں جانتا جو حضور سرور کائنات صلعم کی تعریف میں اشعار لکھا کرتے تھے اور خود خدمت اقدس میں حاضر ہو کر سناتے اور خوشنودیٔ مزاج کا باعث ہوتے تھے۔

جب نیّر اسلام کی شعاعیں ایران میں پہنچیں اور وہاں کے ارباب شعر و سخن نے نظم گوئی کی طرف توجہ کی تو لغت میں قابل قدر گلفشانیاں کی گئیں ان صاحبان عزّت و تکریم میں شیخ سعدیؒ ملا جامیؒ اور حاجی جان محمد قدسیؔ کے نام زیادہ روشن ہیں، جن کے رشحاتِ فکر آج بھی لوگوں کے لئے غذائے روح ہیں۔ خصوصاً قدسیؔ کی ایک غزل اکثر خادمانِ بارگاہِ رسالتؐ کی زبان پر ہے جس کا مطلع ہے :

مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

قدسیؔ نے خدا جانے کس والہانہ کیفیت میں یہ غزل قلمبند کی تھی کہ محبّان رسالت کے دل میں گھر کر جاتی ہے اور مطلع سنتے ہی دل جوش محبت و عقیدہ میں تڑپنے لگتا ہے۔

قدسیؔ کی مذکورہ بالا غزل کی مقبولیت کا اندازہ اس امر سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ اُردو کے اکثر لغت گو شعرا نے اس کی تضمینیں کی ہیں، ان تضمینوں کا مجموعہ "حدیث قدسی" کے نام سے شائع بھی ہو چکا ہے۔ ایران سے شاعری کا سیلاب ہندوستان پہنچا تو تمام اصناف سخن کے ساتھ ساتھ لغت گوئی میں بھی حقِ سخنوری ادا کیا گیا۔ اور مسلم اہل قلم اور اہل فکر نے مستقلاً بھی اور جزواً دیگر موضوعات کے ساتھ لغت گوئی میں بھی بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔

اُردو کی ابتدا کب سے ہوئی اس موضوع پر بحث کرنے کا تو یہ موقع نہیں لیکن اس میں شک نہیں کہ نثر نگاری کا قلیل زمانہ گزر جانے کے بعد نظم گوئی کا دور نویں صدی ہجری میں شروع ہو گیا تھا۔ جسے اب تک تقریباً ساڑھے پانچ سو سال گزر چکے ہیں۔

اُردو کی سب سے پہلی منظوم تصنیف جس کا اس وقت تک سراغ لگا ہے، فخرالدین نظامیؔ کی ایک مثنوی "کدم راؤ پدم راؤ" ہے جو بہمنی دور میں تصنیف ہوئی اور جہاں تک قرائن کا تقاضہ ہے اسے ۸۲۵ھ سے ۸۳۸ھ تک کے زمانے کی تصنیف کہا جا سکتا ہے۔ اس مثنوی کی زبان ٹھیٹھ ہندی ہے جس میں سنسکرت اور پراکرت کے سینکڑوں الفاظ استعمال ہوئے ہیں، اور ایسا ہونا بھی چاہئے تھا کیونکہ یہ اس دَور کی زبان کا نمونہ ہے جو سرزمین ایران و عرب کے نو واردوں اور ہندوستان کے اصل باشندوں کے میل جول سے پیدا ہوئی تھی اور جس میں مقامی عنصر کی بہتات ایک قدرتی بات تھی۔

نظامیؔ نے اپنی اس مثنوی میں عام رواج کے مطابق اوّل حمد لکھی ہے اور اس کے بعد لغت کے اشعار لکھے ہیں۔

ذیل میں چند شعر پیش کئے جاتے ہیں جن سے اس عہد کی زبان کا بھی اندازہ ہوسکتا ہے:۔

توہیں ایک ساجا گسائیں امر
سری دوی تیں جگ تورا دگر
پتھایا امولک رتن نور دھر
کر تی ویل بلکت کرن راجکر
امولک مکٹ سیس سنسار کا
کرے کام نردھار کرنار کا

اس کے بعد ۸۳۸ھ سے ۹۰۰ھ تک کی کسی اور منظوم کتاب کا سراغ نہیں ملتا۔ البتہ دسویں صدی کے آغاز میں اشرف تخلص کے ایک شاعر نے ایک مثنوی تصنیف کی تھی جس کا نام "نوسرہار" ہے اسے ۹۰۹ھ میں تصنیف کیا گیا تھا جیسا کہ ایک بیت سے بھی ظاہر ہے:

ہجرت نبی نوسو نو (۹۰۹)
کہیا اشرف نوسر یو

"نوسرہار" میں حمد کی ۵۴ ابیات کے بعد نعت کی ۲۱ ابیات ہیں ہمارے سامنے "نوسرہار" کا جو مخطوطہ ہے وہ ناقص الاول ہے اور جو اوراق کم ہیں انہیں میں ابتدائی و نعتیہ ابیات بھی شامل تھیں اس لئے نعت کا نمونہ یہاں پیش نہیں کیا جاسکتا۔ اس صدی کے دوسرے باکمال شاعر خوب محمد چشتی گجراتی ہیں۔ خوب محمد شاعر بھی تھے اور نثر نگار بھی۔ ۹۸۶ھ میں انہوں نے ایک کتاب لکھی جو "خوب ترنگ" کہلاتی ہے اس کتاب میں شیخ کمال محمدؒ کے وہ منقولات نظم کئے گئے ہیں جن کا تعلق معارف محمدیہ سے ہے خوب محمد نے "خوب ترنگ" کی تصنیف کا سن خود بتا دیا ہے۔

خوب محمد کئے بچار
چودہ گھاٹ اوس برس ہزار

مثنوی "خوب ترنگ" کی شرح بھی خوب محمد نے ۱۰۰۰ھ میں لکھی تھی جو فارسی نثر میں ہے اور اس کے مخطوطے کئی کتابت خانوں میں پائے بھی جاتے ہیں۔ خوب محمد چشتی آخری باب میں کہتے ہیں:

جو سا آرسی وحدت جان
جسم محمد اسے پہچان
ایک عکس اوس ماں جو ہوئے
قلب محمد کا ہے سوئے
ایک عکس پھر ایک عکس جو پائے
یہی ابوالارواح کہلائے
مثل محمدؐ ہوئے نہ کوئے
سب اُس کی تفصیل سو ہوئے
ذات سو ذاتوں ما نہ تمام
جسم محمد عین اجسام

گیارہویں صدی کا آغاز جس قدر اردو شاعری کے لئے سازگار ثابت ہوا اُسی قدر نعت گوئی کے لئے بھی مبارک رہا۔ یوں تو ۱۰۰۱ھ سے ۱۱۰۰ھ تک دکن میں متعدد شعرا کا پتہ چلتا ہے لیکن ان میں محمد قلی قطب شاہ اور مولانا وجہی زیادہ قابل ذکر ہیں۔ وجہی قطب شاہی دور کے شاعر ہیں انہوں نے ابراہیم قطب شاہ، محمد قلی قطب شاہ اور عبداللہ قطب شاہ، تین بادشاہوں کا زمانہ دیکھا۔ وجہی کی مشہور تصنیف نثر میں "سب رس" اور نظم میں "مثنوی قطب مشتری" ہیں۔ "قطب مشتری" کی ابتدا میں حمد کے بعد نعت شریف میں ۲۶ ابیات قلمبند کی ہیں۔ ذکر معراج کی ۳۴ ابیات ان کے علاوہ ہیں۔ اس حساب سے نعت کی ۶۰ ابیات ہوئیں۔ وجہی کی زبان بہت صاف ہے۔ "قطب مشتری" کا سن تصنیف ۱۰۱۸ھ ہے۔ اس کی ابیات کو مثنوی "کدم راؤ پدم راؤ" کی ابیات کے بالمقابل رکھئے تو زبان میں زمین آسمان کا فرق دکھائی دیتا ہے۔

وجہی نے سیدھے سادے الفاظ میں عقیدت و ارادت کے خیالات اس جذب و کیف کے ساتھ قلمبند کئے ہیں کہ بیساختہ داد دینے کو جی چاہتا ہے:

محمد نبی ناؤں تیرا اہے
عرش کے اُپر ناؤں تیرا اہے
کہ چودہ ملک کا توں سلطان ہے
علی سا ترے گھر میں پردھان ہے
اسی ہور یک لاکھ پیغمبر آئے
ولے مرتبہ کوئی تیرا نہ پائے

صفت کرتوں معراج کی رات کا
کہ جاگیا اتے بخت سچ بات کا
اتھا اس زمیں کوں عجب کچھ نور
کہ لاکھاں تھے چانداں کرداں تھے دور

اب تک جو مثالیں پیش کی گئیں وہ مثنویات سے لی گئی تھیں لیکن اس عہد کا ایک مستقل نعت گو اور کامیاب شاعر بھی موجود ہے۔ جسے محمد قلی قطب شاہ کہتے ہیں یہ خاندان قطب شاہیہ کا بیدار مغز اور صاحب علم و فضل سلطان تھا جس کا دور حکومت، ۹۸۸ھ سے ۱۰۲۰ھ تک رہا۔ اس کا کلیات جس میں تقریباً تمام اصناف سخن موجود ہیں، بڑے اہتمام کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔

محمد قلی کو بانیٔ اسلام علیہ الصلوٰۃ و السلام کے ساتھ بے پناہ عقیدت تھی۔ وہ پہلا اردو شاعر ہے جس نے نعت کو غزل کے معیار کے مطابق رکھا اور مستقل طور پر پانچ غزلیں لکھیں۔ جن کے اشعار کی تعداد ۴۳ ہوتی ہے۔ مزید برآں اس کی اکثر و بیشتر غزلوں کے مقطعات ہادی دین کے ساتھ دلی عقیدت مندی کا اظہار کرتے ہیں۔ نعتیہ غزلوں کے مطلعے یہاں درج کئے جاتے ہیں۔ ان سے اس دور کی زبان کا بھی اندازہ ہو گا :-

سچ مکہ احبت کے جوت تھے دپہارا ہوا
سچ دین تھے اسلام لے، مومن جگت سارا ہوا

اسم محمدؐ تھے اسے جگ میں سو غاقانی مجھے
بندہ نبی کا جم رہے، سہتی ہے سلطانی مجھے

چاند سورج روشنی پایا تمارے نور تھے
آب کوثر کو شرف تھنڈے کے پانی پور تھے

دیا بندے کو حق نبی کا خطاب
حکم دے دیا نور جوں آفتاب

خدا منج مہر سوں آپی نبی صدقے کیا رافع
منجے تخت سلیماں جوں وہی آپی دیا رافع

نعت گویوں کے تیسرے دور کے شعرا میں معظم، بلاقی، عالم، احمد اور مختار کے نام نمایاں نظر آتے ہیں۔
معظم بیجاپور کا شاعر ہے وہ شاہ امین الدین اعلیٰ متوفی ۱۰۸۶ھ کا مرید تھا۔ "معراج نامہ" اس کی تصنیف ہے جو ۱۰۸۰ھ میں ختم ہوا :

یو نامہ جہاں میں ہوا جب ختم
اگیارہ صدی کوں اتھے بیت کم

معظم نے "معراج نامہ" میں عنوانات شعر میں لکھے ہیں جن کو یکجا کرنے سے ۸ اشعار کی ایک نعتیہ نظم بھی بن جاتی ہے۔ بیان اور زبان کے اندازہ کے لئے ایک شعر درج کیا جاتا ہے۔

گئے حق سے مقرب ہو جہاں قوسین سے نزدیک
امت کے باب کا حق سوں کئے ہیں عرض محشر کا

اسی سال سید بلاقی حیدر آبادی نے بھی ایک "معراج نامہ" لکھا تھا اس کے متعدد قلمی نسخے دستیاب ہیں۔ معراج کی تمام تفصیلات درج کرتے ہوئے کہتا ہے :

الف تھا گپت میں سو پرگٹ ہوا
محمدؐ غدا صاف گھونگھٹ ہوا
اول نام اللہ بولوں ابد
ثنا ہور صفت سچ کروں بے عدد
ثنا اس اپر نت سزاوار ہے
کہ نہار قدرت میں کرتار ہے

۱۰۸۷ھ میں "وفات نامہ" تصنیف ہوا جس کے مصنف عالم کوئی صاحب تخلص تھے۔ اس "وفات نامہ" کا ایک ناقص الاول آخر نسخہ انجمن ترقی اردو (پاکستان) کے کتب خانے میں موجود ہے۔
نمونہ ملاحظہ فرمائیے :

کیا چھپاؤں تم سیں کوچ
نزدیک ہیگا میرا کوچ

خدا تموکوں نیکی دے
خبر تمھاری دوہی لے
اس کوں تم کوں سونپی میں
حافظ ناصر دنیا میں

"وفات نامہ" کے دو سال بعد یعنی ۱۰۸۹ھ میں احمد نے "نور نامہ" لکھا۔ یہ ۵۳۰ ابیات کی ایک کتاب ہے۔ شاعر حمد میں کہتا ہے:

الٰہی نرنجن، نرنکار توں
نرا دہار، آدھار کرتار توں
توں قدرت سوں پیدا کیا سب جہاں
کر آن ہور پانی، زمیں آسماں
زمیں کو دیا زیب زینت بہوت
بھریا اس میں کئی بہانت نعمت بہوت

اس صدی کے ختم ہوتے ہوتے دو کتابیں اور لکھی گئیں۔ ایک مختار کا "معراج نامہ" دوسری فتاحی کا "مولود نامہ" فتاحی غالباً پہلا شاعر ہے جس نے اپنی کتاب کا نام "مولود" رکھا۔ جو بعد کے شعرا میں کافی مقبول ہوا چنانچہ مولود سعدی، مولود سعدیؔ مولود شہید اور میلاد صوفی وغیرہ، متعدد کتابیں طبع ہو چکی ہیں اور عام طور پر دستیاب ہوتی ہیں۔ خود اس کے ہمعصر مختار کا بھی ایک "مولود نامہ" موجود ہے۔ مختار قطب شاہی دور کا شاعر تھا۔ کتاب کے آخر میں یوں التماس کرتا ہے:

محمدؐ یو مختار کوں کر فدا
تو ایمان اس کو اچھیگا سدا
یو معراج نام لکھا یادگار
نبی کے کرم کا اسے ہے ادھار
جو کوئی یو سنے سو دیوے اس دعا
دعا کا رکھیا ہے اِنے مدّعا

فتاحی کا "مولود" نامہ ایک ضخیم کتاب ہے جس میں تین ہزار سے زائد ابیات ہیں، اس نے اپنا نام رفعت اور رفعتی بھی لکھا ہے اور فتاحی بھی:

یو فتاحی تیرا کمینہ غلام
تری سو کچ دل باندھیا ہے مدام
کیا رفعتی یوسو نا در بچن
نبوت کے کئی کھول دیتا چمن
سو فتاحی مولود کر سب تمام
نبی پر ہزاراں سو بھیجا سلام

سدا نہیں رہا اس میں کچھ آب و تاب
کہ رفعت کا جس کو دیا توں خطاب

گیارھویں صدی کے اختتام تک ہمارے سامنے جتنی کتابیں اس نوع کی آئیں وہ سب دکنی شعرا کی تھیں ممکن ہے کہ شمالی ہند میں بھی اس دوران میں کچھ کتابیں لکھی گئی ہوں لیکن ابھی تک ان کی کوئی فہرست ہمارے علم میں نہیں آئی ہے۔

نا الضافی ہوگی اگر اس دور کے دو نامور شاعروں کو نظر انداز کر دیا جائے یعنی ایک نصرتی مصنف "علی نامہ" دوسرا ہاشمی۔

نصرتی بیجاپور کا ساکن اور علی عادل شاہ کا مصاحب تھا۔ اس نے شاہِ موصوف کے حالات زندگی مثنوی کی صورت میں قلمبند کئے ہیں یہ ایک ضخیم کتاب ہے۔ اور اس کے قلمی نسخے اکثر کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔

نصرتی نے "علی نامہ" ۱۰۷۶ھ میں تصنیف کیا حمد کے بعد اس نے نعت اور ذکر معراج میں ۱۲۰ ابیات لکھی ہیں چند ابیات یہاں نقل کی جاتی ہیں جس سے نصرتی کی قادر الکلامی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے:

تمہیں اے شہنشاہ دنیا و دیں
شجاعت کی ہے صف کا کرسی نشیں
شرف کوں دلیری کی تجھ سینہ صدر
دیا ہمت پکڑ تیغ کوں تو یخ قدر
ترے کاج جس حق نے پیدا کیا
غزا کا شرف توں ہو ہویدا کیا
ترا دبدبہ سن کے خوش دہات کا
زمیں پر نہ ٹھہارے قدم لات کا

ہاشمی کا نام سید میراں تھا وہ بھی بیجاپور کا باشندہ، اور علی عادل شاہ کا ہم عصر تھا۔ آخر میں ارکاٹ چلا گیا تھا۔ اس نے بھی ایک "معراج نامہ" لکھا ہے کہتا ہے:

نبیاں میں جیسے سب تے افضل کیا
توہے اے محمد رسول انبیا
اول کر محمد کوں پروردگار
بناں سب خدائی کیا آشکار
اول نور ذاتی ہویدا کیا
بزاں سب پو عالم ہویدا کیا
دیکھو کیا ہے قدرت خدا کی نول
تو دادے تے کر پو ترے کو اول
نبیاں کا دادا ہے آدم صفی
کہ روحاں کا دادا ہے خاتم نبی

بارھویں صدی میں "شمائل نامہ" کے نام سے بھی دو کتابیں تصنیف ہوئیں۔ ایک کے مصنف عبدالمحمد ترین ہیں۔ دوسری تصنیف ایک صاحب عثمان کی ہے۔ مگر ان میں عثمان، ترین سے مقدم معلوم ہوتے ہیں کیونکہ ترین کی زبان عثمان کے مقابلے میں زیادہ شستہ نظر آتی ہے۔

عثمان کے شمائل نامہ میں ۱۴۷ ابیات ہیں۔ خاتمے پر وہ کہتا ہے:

لکھا عثمان عاشق ہو شمائل
ہمیشہ کر رکھوں گل میں حمائل
محبت ہے رسول اللہ سوں مجکوں
اوران کی آل پاک باصفا سوں

عبدالمحمد ترین کے شمائل نامہ کا سن تصنیف صحیح طور پر تحقیق نہیں کیا جاسکتا، لیکن ۱۱۵۰ھ سے پہلے کی تصنیف ضرور ہے۔ کلام کا انداز یہ ہے:

الٰہی سچا توں ہے پروردگار
دو لوں جگ میں قدرت ترا آشکار
سچا توں ہے صانع سچا توں رحیم
سچا توں ہے قادر سچا توں حکیم

سراؤں تجھے میں سدا یاد کر
محمدؐ کے کلمے تے دلشاد کر
محمدؐ پہ پیغمبری کر ختم
کیا اُن پہ مہر نبوت کرم
شمائل نبی کا لگوں بولنے
کریماں کرم کر زباں کھولنے
کیا قصد عبدالمحمد ترین
شمائل نبی کا کہوں بہترین

اس صدی کے ایک اور کامیاب شاعر عنایت شاہ ہیں۔ جو حضرت محبوب سبحانی کی اولاد میں تھے۔ انہوں نے فارسی نثر کا ایک رسالہ دکنی نظم میں منتقل کیا (۱۱۱۱ھ) اس میں ۸۰۴ ابیات ہیں عنایت شاہ کی وفات ۱۱۵۵ء میں واقع ہوئی۔

الٰہی تو ہی نور اور تجھ سے نور
کیا نور تیرا نبی میں ظہور
ترے نور کی کوئی صفت کیا کرے
ازل سے ابد لگ کہونا سرے
ترا نور نورؐ علیٰ نور ہے
ترے نور سے جگ کو معمور ہے
ترے نور کے نور نامہ کے تیں
الٰہی منگوں لکھنے دکنی سوں میں

بارھویں صدی میں کئی معراج نامے لکھے گئے۔ ان میں سے پانچ معراج ناموں کا علم ابھی تک ہوسکا ہے۔ جن کی تفصیل یہ ہے۔

ایک "معراج نامہ" اعظم تخلص کے ایک شاعر نے لکھا جو فارسی کا شاعر بھی تھا یہ ۱۱۲۰ھ کی تصنیف ہے اس کے "معراج نامہ" (مخطوطہ) کے آخر میں تین فارسی غزلیں بھی درج ہیں اعظم، سید محمد حسینیؒ کا مرید بھی تھا۔ معراج نامہ کے آغاز میں کہتا ہے۔

نبیاں مرسلاں بیچ نامی ہے یو
دو عالم کوں محشر میں حامی ہے او
چھتر جس کے سر ہوئے روز حشر
رسولاں میں ہے شاہ خیرالبشر

منگ اعظم توں ایسے سوں جس ہور اُس
دیا جن طبیعت کے فارس کو جس

دوسرا "معراج نامہ" محمد بن مجتبیٰ مہدوی کا ہے جس کا نام "بحر المعانی" بھی ہے وہ ۱۱۸۱ھ میں تصنیف ہوا۔ یہ مصنّف اپنی زبان کو ہندوستانی کا نام دیتا ہے :

محمّد جو کہ ابن المجتبیٰ ہے
جو سارے مہدیوں کا خاک پا ہے
اُنے معراج حضرتؐ کا یو سارا
نظم دکنی میں بولا ہے اشارا
بزرگاں نے لکھے ہیں جو رسالے
دقایق اور حقایق ان میں ڈالے
سو عاجز نے نپٹ آسان بولا
بچارے کن جو گٹھری تھی سو کھولا
لکھی ہندوستانی میں عبارت
سو بعضے بول دکنی میں عبارت

تیسرا معراج نامہ شاہ کمال الدین کمال ساکن کڑپہ کا ہے۔ حیدر علی کے زمانے میں سرینگ پٹن میں آ گئے تھے۔ مرحوم نے شاہ بلاقی، قطب شاہی کے "معراج نامہ" کو رطب و یابس روایات سے ملو سمجھ کر صحیح واقعات قلمبند کئے ہیں سن تصنیف ۱۱۹۱ھ ہے وہ شاہ میر کے مرید تھے۔ سبب تالیف کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے :

حضرت شہہ بیر بیسمہ دستگیر
جس کے درگہ کا کمال ادنیٰ فقیر
نامۂ معـــراج در ہندی زباں
جو بلاقی نے کیا تصنیف آں
تھے روایت اوس میں شاید مختلط
ہم صحیح و ہم ضعیف و ہم غلط
لاجرم در طبع موزوں بلنـــد
نامۂ مذکور نہیں آیا پســند
بعدہ معـــراج نامہ یک صحیح
جو عبارت سے عرب کے تھا صحیح

خواجہ نے منگوا کے بیت اللہ سے
یوں کہے اس بندۂ درگاہ سے
تم کرو ہندی سے اس کا ترجمہ
تاکہ سن کر نفع ہوئے ہر لمہ

چوتھا "معراج نامہ" صاحب اورنگ آبادی کا ہے جن کا نام لچھمی نرائن تھا، وہ شفیق بھی تخلص کرتے تھے۔ بڑے عالم، فاضل اور قادر الکلام شاعر گزرے ہیں۔ اس معراج نامہ کی سب سے بڑی فضیلت و خصوصیت یہ ہے کہ ایک غیر مسلم شاعر کا لکھا ہوا ہے۔ الفاظ کا انتخاب، مصرعوں کی برجستگی اور زبان کی صفائی دیکھنے کے لائق ہے۔ شب معراج کی کیفیت کتنے پیارے الفاظ میں بیان کی ہے، ملاحظہ فرمائیے :

عجائب رات تھی وہ نور افشاں
کہ ہر کوکب تھا اک مہر درخشاں
کہوں گر رات اس کو، ہے تامل
کہوں گر دن، تو عالم میں ہے غل
غرض غفلت سبھوں پر چھا رہی تھی
خرد، وارِدئے حیرت کھا رہی تھی
سفیر نیک پئے، پیغام لایا
سلامِ حق کہا، اور یہ سنایا
درِ حجرہ پہ دو آ جوڑ کر ہات
کہا سرور ترے پر حق کی صلوات
چل اُٹھ اے شہ کہ ہے معراج تیرا
غنی بھی آج ہے محتاج تیرا

اگرچہ اس معراج نامہ میں صرف ۱۰۶ ابیات ہیں مگر اسی مختصر کوزہ میں دریا سما گیا ہے۔ اس کا مخطوطہ "انجمن ترقی اردو (کراچی) کے کتب خانۂ خاص میں موجود ہے۔

پانچواں معراج نامہ مولانا باقر آگاہ کے استاد، شاہ ابوالحسن قربی بیجاپوری کا ہے یہ صغر سنی میں ویلور آ گئے تھے جہاں اپنی رشد و ہدایت سے بہیوں کو مستفیض فرمایا۔ ان کا انتقال ۱۱۸۲ھ میں ہوا۔ قربی نے معراج کے حالات صحیح احادیث کے حوالے سے نظم کئے ہیں اول و آخر کی بیتیں یہ ہیں :-

سرا نا خدا کا سزاوار ہے
کہ ہر ذرّہ اس کا نمودار ہے

کیا ختم میں ذکر معراج کا
بنام محمّد نبی مصطفےٰ

معراج ناموں کے بعد وفات ناموں پر اگر نظر ڈالی جائے تو صرف دو نام زیادہ نمایاں نظر آتے ہیں۔ ایک وفات نامہ علی بخش دریا کا ہے (۱۱۱۱ھ)۔ دوسرا امیر ولی فیاض ولی ویلوری کا ہے جن کی "دہ مجلس" مشہور ہے (فہرست کتب خانہ سالار جنگ[۲۶])

ولی کا وفات نامہ دریا کے وفات نامے کے تقریباً ۵۰ سال بعد تصنیف ہوا۔ اس لئے دونوں کی زبان میں فرق ہے۔ دریا نے آغاز میں کہا۔

بنا اول کروں حمد خدا میں
زباں اوپر الس کی ابتدا میں
کیا قوت سوں ظاہر اپنی قدرت
بنا کر جگ دکھایا اپنی حکمت

اس وفات نامہ کی ابیات تعداد میں ۲۷۰ ہیں۔
ولی کا وفات نامہ اس بیت سے شروع ہوتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
عشق کے فرمان کا طغرا قدیم

اس دور کی دو ضخیم کتابیں "اعجاز احمدی" اور "ہشت بہشت" بھی ہیں "اعجاز احمدی" کا سن تصنیف ۱۱۸۶ھ ہے۔ اسے دکن کے مشہور شاعر نوازش علی خاں شیدا نے تصنیف کیا۔ جن کی دوسری ضخیم کتاب "روضۃ الاطہار" بھی ہے۔ اس مثنوی کے چار حصے ہیں۔ حصۂ اوّل میں نور محمدی سے آغاز کرکے چالیس سال کی عمر تک کے حالات نظم کئے ہیں۔

دوسری جلد میں بعثت سے ہجرت تک کے حالات ہیں۔ تیسری میں ہجرت سے وفات تک کے کوائف اور چوتھی جلد میں معجزات وغیرہ کا بیان ہے۔

(فہرست سنٹرل سٹیٹ لائبریری ص۱۸۹)

چاروں جلدوں کی ابیات آغاز یہ ہیں:

۱۔ اول حمدِ مولا میں کھولوں زباں
کہ تا ہووے سرسبز میرا بیاں

۲۔ الٰہی مرے دل کو پُر نور کر
محبت ستی اپنی معمور کر

۳۔ الٰہی تو کر فضل کا فتح باب
مجھے میرے مطلب سے کر کامیاب

۴۔ الٰہی ترا نام ہیگا مجیب
محبت نبی کی مرے کر نصیب

"ہشت بہشت" کے مصنف محمد باقر آگاہ ارکاٹی ہیں، جو شاہ ابوالحسن قربی کے فیض یافتہ تھے۔ ان کا انتقال ۱۲۲۰ھ میں ہوا۔ "ہشت بہشت" کے آٹھ حصے ہیں ان حصوں کے نام: من دیپک من ہرن، من موہن، جگ سوہن، آرام دل، راحتِ جاں، من د[illegible] من جیون ہیں۔ سیرت اقدس اور اخلاق حسنہ کا بیان زیادہ ہے ابتدا ان ابیات سے ہوتی ہے:

سُن تو دل کے کان سے اب یہ بیاں
مصطفےٰ کے عصر سے تا ایں زماں
گذرے ہیں جو اولیا اور عالماں
متفق اس بات پر ہیں بے گماں

اب تک جو مثالیں پیش کی گئیں وہ مثنوی کے نمونہ سے متعلق تھیں، غزل، قصیدہ اور دیگر اصناف سخن کے پیرائے میں نعت لکھنے کا خیال شاید ابھی تک کسی کو نہیں آیا تھا اس صدی میں دو شاعر ایسے نظر آتے ہیں جن کے یہاں غزل قصیدہ کی صورت میں بھی نعت کی مثالیں ملتی ہیں۔ ایک فدوی فدوی، دوسرے میر محمد شریف مفتون ہیں۔ فدوی، ولی کے تتبع اور غالباً عجزی تخلص کے کسی شاعر کے شاگرد تھے۔ ان کا دیوان (مخطوط) جو تقریباً ۱۱۵۰ھ کی تصنیف ہے" ادارہ ادبیات اردو" (حیدرآباد) کے کتب خانے میں موجود ہے۔ دیوان شروع کرنے سے قبل انہوں نے ۱۷ شعروں کا ایک قصیدہ لکھا ہے جس میں حمد و نعت و منقبت سب کچھ ہے۔ ابتدائی دو شعر ملاحظہ فرمائیے

ایزد کے نام پاک سوں میں ابتدا کیا
بعد از ثنا و نعتِ رسول خدا کیا

باقی ص۱۶۳ پر

"راحتِ جاں"

(میر محمد باقر آگاہ کی ایک غیر مطبوعہ نعتیہ مثنوی)

ڈاکٹر عبادت بریلوی

میر محمد باقر آگاہ دکن کے نامور بزرگ تھے۔ ان کا خاندان عرب سے ہندوستان آکر کارومنڈل کے ساحل پر آباد ہوا۔ ان کے آبا و اجداد تاجر تھے اور اسلام کی تبلیغ کرتے تھے۔ انہوں نے کارومنڈل کے ساحل پر اسلام کی تبلیغ کی اور ان کے اثر سے وہاں کے بہت سے لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ کچھ عرصے کے بعد اس خاندان نے بیجاپور کو اپنا وطن بنا لیا اور ایک زمانے تک اس سرزمین پر آباد رہا۔ ان کے خاندان کے مختلف لوگوں نے بیجاپور کی علمی اور سیاسی زندگی میں بھی نمایاں مقام حاصل کیا۔

بیجاپور کی تباہی کے بعد اس خاندان کے افراد ہجرت کرکے ویلور پہنچے اور یہیں ۱۱۵۸ ہجری میں میر باقر آگاہ کی ولادت ہوئی۔ ان کا بچپن یہیں گذرا۔ ابتدائی تعلیم انہوں نے اپنے چچا سے حاصل کی۔ اس کے بعد عربی اور فارسی کی اعلیٰ تعلیم کے لئے سید ابوالحسن قربی کے حلقۂ تلمذ میں داخل ہوئے اور بہت تھوڑے عرصے میں ان زبانوں کے عالم ہو گئے۔ ترچناپلی میں ایک بزرگ شاہ ولی اللہ تھے۔ ان سے بھی استفادہ کیا۔ ۱۲۲۰ھ میں انتقال ہوا۔ مدراس میں دفن ہوئے۔

میر محمد باقر آگاہ عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں کے عالم تھے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، منطق، فلسفہ اور ادب وغیرہ سے انہیں دلچسپی تھی اور ان تمام علوم میں انہوں نے نمایاں مقام حاصل کیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے مولانا غلام علی آزاد بلگرامی پر صرف و نحو کے چار سو اعتراضات کئے تھے جن سے ان کی علمی قابلیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اسی علمی قابلیت اور لیاقت کی وجہ سے ہر شخص ان کی عزت کرتا تھا اور ان کے تبحر علمی کا قائل تھا۔

آگاہ نے عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں تصنیف و تالیف کا کام کیا ہے۔ ان کی تصانیف کی تعداد ۲۰۳ ہے۔ ان میں سے سولہ کتابیں اردو زبان میں ہیں۔ بیشتر نظم میں ہیں لیکن ان کے دیباچے انہوں نے نثر میں لکھے ہیں۔ ان کو دیکھ کر اس حقیقت کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ نثر و نظم دونوں پر قدرت رکھتے تھے۔

میر باقر آگاہ شاعر بھی تھے۔ انہوں نے ۱۱۹۴ھ میں اپنا دیوان مرتب کیا لیکن شاعری میں ان کی سب سے اہم تصانیف وہ مثنویاں ہیں جو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے بارے میں لکھی ہیں۔ ان کے نام من دیپک، من ہرن، من موہن، جگ سوہن، آرام دل اور راحت جاں وغیرہ ہیں۔ ان سب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت پر مختلف زاویوں سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

ان مثنویوں کا ایک قلمی نسخہ مجھے برٹش میوزیم کے کتب خانے میں ملا ہے۔ یہ خوبصورت نستعلیق میں لکھا ہوا ہے اور اس میں ان کی تمام مثنویاں یک جا ہیں۔ اس نسخے میں سے "راحت جاں" کے کچھ اقتباسات یہاں پیش کئے جاتے ہیں:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد بے حد اور ثنائے بے عدد
ہے سزا وار خدا وند صمد
عرش و کرسی سات و حضرت و سات کم
علم میں جس کے ہے یک ذرے سوں کم

جس کا ہر مخلوق سے ستر عظیم
کیا کرے کوئی وصف اس کا اے سلیم
جس کا دریائے ثنا ہے بے کنار
کیوں کرے واں اس قلم کا خس گذار
حکم جس کا کُن عدم موجود سے
نا لون جس کا کُن جبل نابود سے
وصفؐ اس کی ذات کا کوئی کیا کرے
انبیا یاں عاجزی سوں سر دھرے
جس سے ہیں وصفاں میں حیراں انبیا
ہم سے کیوں کر ہو سکے اس کا ثنا
وصف اس کا نا کرے کوئی اس بنا
جب کہا احمدؐ کو لا احصی ثنا

در نعتِ سید عالم و سرور بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم

جوں خدا کی حمد میں حیراں ہے عقل
یوں نبی کی نعت میں ناداں ہے عقل
احمدِ مرسل شہنشاہِ رسل
سرور عالم امام جز و کل
وحدتِ مطلق کے گھن کا آفتاب
خلق جس کے نور کا ہے ایک تاب
جب خلائق کوں ہوا اس سوں ظہور
اس سبب سوں حق رکھا نام اس کا نور
اس سوں عالم پائے جب حق کا سراغ
حق کہا اس واسطے اس کوں چراغ
حق سوں ہر دم سو درود و سو سلام
نت اچھو تربت پہ اس کی صبح و شام
اس کے اہل بیت اور یاراں اوپر
اس کے نقشے اولیا ہیں سربسر

در منقبت سید مقرباں و مسند محبوباں حضرت غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

خاصہ دلبند شہِ لولاک پر
دلولہ جس کا ہے منہ افلاک پر
ہر ولی کے سر اوپر ہیں جس کے چرن
حکم میں جس کے ہیں یہ سب تر بھون
جس کے در کا جھاڑنا ہر صبح و شام
جانتے ہیں سروراں عالی مقام
جس کوں سارے اصفیا پر راج ہے
خاک جس کی اولیا کی تاج ہے
جان کیا ہے احمدِ مرسل کا نام
واں کیا ہے نام اس کا والسلام
محی الدین سلطان عالم شیخ کل
مظہر اوصاف سلطان رسل
حق کا رضوان اور تحیت صبح و شام
اس پہ اور اس کے مریداں پر تمام

در مدح شیخی و قدوتی حضرت سید ابوالحسن قادری قدس سرہٗ

خاص شیخ دین و دنیا بوالحسن
جس کی تھی ہر بات میں سوہن لگن
معرفت میں تھا وہ بحر بے کنار
ہر بچن اس کا تھا دُرِ شاہوار
گرچہ تھا اس کو مقام بایزید
مارتا تھا نعرۂ ہل من مزید
مقتدا ہے وہ مرا عرفان میں
آشنا مجکوں کیا ہے گیان سیں
خلد میں نت جیو اس کا شاد اچھو
ذکر سے اس کے جہاں آباد اچھو

در بیان شرف ذکر حضرت رسالت مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم
وسبب تالیف این کتاب

بہترین ذکر و طاعت اے پسر
ہے نبیؐ کا ذکر ہر شام و سحر
ذکر اس کا عین ذکرِ حق ہے جان
طاعت اس کی طاعتِ حق ہے پہچان

علوی و سفلی ہے اس کے ذکر میں
جزدی و کلی ہے اس کے ذکر میں
انبیا کو ورد تھا نت اس کا یاد
ذکر سے پاتے تھے اس کے سو کشاد
دیکھ کے اس کے مقاماں کو رسل
کرتے تھے درخواست از خلاق کل
کر تو ہم کو اے خدائے مہرباں
اُمتِ پیغمبرِ آخر زماں
ہم کو ہے اُمت نبی کی بے ہوس
یہ شرف ہم کو دونوں عالم میں بس
اے مسلماناں! کرو شکر خدا
کہ کیا ہے تم کو یہ دولت عطا
روز و شب منگتے تھے جو چیز انبیا
فضل سے اپنے خدا تم کو دیا
اُمتِ احمد ہو پھر جیتے ہو کیا
انبیا کے رشک ہو کہتے ہو کیا
روز و شب اپنے نبی سے لاڈ اند
اُس برابر کون سی طاعت ہے کو
جو اتھے احوال اس شہ کے تمام
یاد کر ان کو رہو تم شادکام
مجھے کما لاں شاہ کے کے بھانت پر
یاد ان کا ہے ضرور اے خوش سیر
ہیں عقائد میں کیا ہوں اے سجان
اُس کے احکام رسالت کا بیان
اور من دیبک میں بولا حال نور
من ہرن اندر بشاراتِ ظہور
ہور کہا مولود من موہن کے بیچ
اور باقی ذکر جگ سوہن کے بیچ
ہور کہا آرام دِل میں اے میاں
اس کی شکل و خلق و عادت کا بیاں
بولتا ہوں فضل سے حق کے اتا
جو خصائص اس کوں بخشا تھا خدا

نیں دیا اس کوں کسی مرسل کے تئیں
خاص تھی اس سرورِ اکمل کے تئیں
قسم اول جو اتھی فرض اس اُد پہ
نیں اتھی امت کوں شرکت اس مجھتر
قسم ثانی جو اتھی شہ پر حرام
ہور اتھی امت پہ جائز اے ہمام
قسم ثالث جو اتھی اس پر حلال
ہور تھی امت پر حرام اے جگ جال
قسم چوتھی ہیں فضائل سے تو جان
کہہ دیا ہے حق اُسے کر مان وہان
یعنے اس میں خاص تھے اس شاہ پر
شرکت ہے امت کوں بعضیاں کے مجھتر
کوئی خصائص آج لگ بولیا نہیں
نظم میں اس کے زباں کھولیا نہیں
ہے عربی میں خصائص کا بیاں
فارسی میں بھی ہے اے روشن رواں
عورتاں ہور آدمیاں سب اے فنا
نیں ہیں ان دونوں زباں سے آشنا
اس سبب دکھنی کیا یہ نظم میں
فائدہ تا اس کا پہنچے سب کے تئیں
اس رسالے کا بیاں اے خوش سیر
ہے نمونہ جے کہ ہے بس معتبر
راحت جاں اس رسالے کا ہے نام
اہل دل کوں اس سے راحت ہے تمام
اے خداوندِ کریم و کارساز
لطف سوں اپنے تو ں باقر کوں نواز
دم بہ دم اس کوں تو اپنے سات رکھ
دل میں اس کے اپنا عشق ذات رکھ
مصطفٰے کی پیروی دے اس کے تئیں
عشق کا جذبہ قوی دے اس کے تئیں
ظاہر و باطن کو اس سے کر فنا
مصطفٰے کے عشق میں اے ذوالعطا

رکھ اسے با صحت و قوت سدا
رکھ اسے با عزت و حرمت سدا
مت لے جا اس کوں کسی کے دوار پر
مت کسی کا اس کوں توں محتاج کر
روز و شب بنتا ہے جو دل میں یو راز
کہ نہ جاؤں کس کے گھر اے کارساز
روز و شب اس فکر میں گھلتا ہے دل
روز و شب اس غم سوں تل ملتا ہے دل
اے خداوندِ زمین و آسماں
حکم میں تیرے ہے پیدا و نہاں
لطف سوں اپنے مجھے مت کہیں لے جا
روز و شب منگتا ہوں تج سوں یو دعا
یا الٰہی از طفیلِ مصطفیٰ
کر کرم سوں اپنے یو حاجت روا
گوشۂ خلوت میں کر جا گر مرا
تا رہوں میں روز و شب شاغل ترا
خاتمہ آخر مرا ایمان پو کر
از طفیل مصطفیٰ خیر البشر
اب خصائص میں شروع کرتا ہوں یاں
شوق دل سوں سن تو اے مہرباں

دربیان خصائص کہ بر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرض بود ند

فرض تھی شہ پر نماز چاشت جان
تھی تہجد فرض بھی یو بات مان
تھی نماز وتر بھی فرض اس اوپر
فجر کی بھی سنت اے نیکو سیر
تھی اتھی مسواک اس حضرت پہ فرض
جوں اتھی قربانی اس سرور پہ فرض
تا نہیں ہے جنگ میں اے باصفا
گرچہ ہو دیں کا فراں بے انتہا
مشورت کرنا الیں یاراں سنگات
فرض تھا بھی شاہ پر اے نیک ذات
کوئی گر مرتا ادا نا کر کو قرض
تھا ادائے دین اس کا شہ پہ فرض
گر شروع کرتا تھا نفل او نیک نام
فرض تھا اس پر اسے کرنا تمام

دربیان چیزہائے کہ بر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حرام بودند وبر امت حلال

مال کفاری کا تھا شہ پر حرام
جو نچہ صدقہ اور زکوٰۃ اے نیک نام
ہیں یہ تینوں چیز اس کی آل پر
بھی حرام و نا روا اے خوش سیر
جس منیں بد بو، جیسے مثل پیاز
اور مولی اور لہسن اے اہل راز
شاہ پر کھانا تھا اس کا حرام
سب کتاباں میں لکھے ہیں یو کلام
شعر اور لکھنا نہ تھا اس کوں روا
سب کتاباں بیچ ہے یہ مدعا
واسطے لڑنے کے جب بندتا تھا ساز
کھولنا تئیں تھا اسے بے جنگ جواز
بھی نظر دنیا کی راحت کی طرف
تھی حرام اس شاہ کو اے باشرف
تھا حرام اے قابلِ فہم و خطاب
شاہ پر کرنا زن اہل کتاب
اس پہ تھا تریاق کا کھانا حرام
باندنا تعویذ کا بھی اے ہمام
ہدیۂ کافر کوں بھی کرنا قبول
استعانت اس سے بھی اے باحصول
ہوئے غنیمت بھی کوئی خاین اگر
ہور جو ہوئے قاتل النفس اے پسر
ہور جو رکھتا ہے بدی میں اہتمام
زشت کہتے ہیں اسے سب خاص و عام

ہور جس پر قرض اے اہلِ نیاز
تھی حرام اُس کوں یہ چاروں پر نماز
جب ہوئی اس شہ کوں نصرت اے خبیر
ہوگیا منسوخ یہ حکم اخیر
آپ ادا کرتا تھا قرض وہ سرفراز
ہور پڑی اس کے جنازے پر نماز

دربیان چیزہائے کہ برآنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مباح بودند و برامت حرام

بیٹھنا مسجد کے بھیتر اے سجان
در جنابت شہ کو جائز تھا بچھان
اُس کے نیں پنتے تھے سونے سے وضو
زن کے چھپنے سوں بھی اے پاکیزہ خو
چار عورت پر زیادہ بھی نکاح
تھا بلا شک اس شہنشہ کوں مباح
تھا بلا شاہد نکاح اس کوں جواز
بھی بلا مہر اے رفیق دل نواز
بھی اتھا جائز اسے اے خوش لچھن
دیکھنا عورات نا محرم کدن
بھی اتھا جائز اُسے صوم وصلوٰۃ
ہور روا تھا اس کو مکے میں قتال
بھی میان عورتاں ترک قسم
لیکن وہ کرتا تھا قسمت از کرم
غیر کی دختر کو کر دینا نکاح
تھا ولی ہوتے وہ سرور کوں مباح
بخشنا جاگیر و دنیا مال کا
فتح کے اول تھا سرور کوں روا
واسطے اس کے کہ رب العالمیں
ملک میں اُس کے دیا ہے سب زمیں
ہور یوہیں دیتا تھا بانٹ وہ بے گماں
جنت الماوا میں باغاں اور گھراں

دربیان خصائص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم از فضائل و کرامات

حق اُسے پیدا کیا سب سوں اول
ہور دو عالم کوں کیا اس کے بدل
عہد الست ور بکم کا اے نوول
اس شہنشہ سے لیا سب کے اول
ناؤں اس کا حق الہیں کے ناؤں سات
عرش و کرسی پر لکھا اے نیک ذات
بھی لکھا ساتوں گگن پر اس کا نام
خلد میں ہے نام اس کا ہر مقام
عہد سب پیغمبراں سوں حق لیا
کہ جب آویں گا جہاں میں مصطفےٰ
تم سب اس سلطان پر ایمان لاؤ
جان و دل سے اس اُپر بلہار جاؤ
دل سے اس کے دوست داری میں اچھو
روز و شب نت اس کی یاری میں اچھو
جب کتاباں کو کیا ہے حق نزول
اُن میں بولیا ہے تکل ذکر رسول
جب ہوا پیدا وہ شاہ کاف و نون
ہوگئے دنیا کے سارے بت نگوں
شاہ جب پیدا ہوا تھا پاک و صاف
بھی اتھا مختون ہور مقطوع ناف
بھی کیا تھا حق کوں سجدہ شاہ دیں
بھی اُٹھایا تھا او انگشت مبیں
اُس کا گہوارہ ہلاتے تھے ملک
بات کرنا اُس سوں نت ماہِ فلک
جاں اشارت اس کوں کرتا تھا او شاہ
اس طرف جاتا اتھا فی الحال ماہ
جب ہوا پیدا او سرور خلق میں
دور ہوئے شیطان سب اسمان میں

ورنہ اسماناں اوپر جاتے اتھے
وہاں کے باتاں کو چرالاتے اتھے
کاہناں کوں بولتے تھے آکو سب
خلق میں اس بات کوں غوغا تھا تب
جب ہوا پیدا جہاں میں شاہ دیں
رہ گئے جانے سوں واں کے سب لعیں
ہور گرے کسرا کے دہاڑے اے سبحان
ہو سکی ساوے کی ندی در زمان
آگ گبراں کی ہوئی اس وقت جل
جیو گبراں کا گیا اس وقت جل
عمر اس سرور کی ہوئی جب چار سال
دو فرشتے آئے تب اے جگ اجال
سینۂ پاک اس شہ عالم کا چیر
دل نکالے اس جاہت میں لے کھیر
نقطہ کالا جو اتھا اس دل بھتر
کاڈ کر اس کوں دئیے ست ہی اوپر
چشمۂ جنت ستی لا صاف نیر
اس دل روشن کو دھوئے اے کھیر
بھی رکھی اس دل کے تئیں سینے بھتر
ہو گیا جیوں تھا اول پھر خوب تر
ابر شہ کوں سایہ کرتا تھا بسر
سایہ نیں پڑتا تھا اس کا بھویں اوپر
پاؤں سوں سر تک اتھا او نور پاک
نور کا سایہ پڑے کیوں گر بہ خاک
بیٹھتی نیں تھی مکھی شہ کے اوپر
نا اتھا اس تن پہ مچھر کا گذر
بھی نہ تھے بغلاں میں اس سرور کوں بال
ناسیا ہی ان میں بھی اے جگ اجال
بھی نہ تھی کوئی بوئے ناخوش اس منیں
بوئے مشک آتی تھی اس سوں سب کنے
دیکھتا تھا رات کوں او خوش سیر
دیکھتا تھا جیو اجالے کے بھیتر

دیکھتا تھا روبرو سے شاہ یوں
دیکھتا تھا پیٹھ کے پیچھے سے ووں
شاہ ہکار آواز جاں جاتا اتھا
کس کا نیں جاتا تھا آواز اے فقا
بھی جو کچھ آواز سنتے شہ کے کان
کان میں کس کے نہ آتا اے سبحان
گر انکھاں رہتی تھیں شہ کی نیند میں
دل رہتا بیدار حق کی دید میں
رات کو کبھو کا سوتا گر او امام
حق کھلاتا اس کوں جنت سوں طعام
مشک از فرسوں تھے خوشبو میں زیاد
خوبی اس سرور کی اے روشن نہاد
لوک میں چلتا تھا جب او ارجمند
سارے لوگاں بیچ رہتا تھا بلند
تھے فرشتے اس شہ عالم کے سات
پیٹ پر چلتے تھے اس کے دیس رات
سات اس کے ہو لڑے کفار سوں
دل میں اپنے باند رکھ اس بات کوں
بھی دیا حق اس کوں قرآن کریم
جس کا ہر ہر حرف ہے معجز عظیم
معجز باقی کیا بے شک اسے
اس سخن میں میں ہے اندیشہ کسے
بھی رکھیا تحریف سوں اس کو جتن
آپ ہوا اس کا نگہباں ذوالمنن
سب یہود و ملحد و نصرانیاں
واسطے اس کے کئے کوشش بجاں
تا کریں تغییر و باطل اس کے تئیں
بل کریں دنیا سوں زایل اس کے تئیں
نیں سکے یک حرف کرنے اس سوں دور
دل ہوا اس غم سوں اس کا چور چور
ذکر سوں قرآں کے عالم پور اچھو
نت دل ان کا غم سوں چکنا چور اچھو

اب اکیا رہ سو یہ ہے ہشتاد و پنج
ہے سلامت ہاتھ سوں ان کے یو گنج
حق دیا اس کو سخن میں اختصار
کہ اچھے لفظ ایک و معنی بے شمار
وحی سب انواع سوں اس پر کیا
پائے نئیں یو مرتبہ سب انبیا
دین اس کا ناسخ و ادیاں ہے یار
ہور قیامت لگ ہے بے شک پائدار
اُمت اس سرور کی ہے خیر الامم
ہور کتاب اس کی کتب سے محترم
اس کا شہر افضل ہے شہروں میں تمام
ہور غبار اس کا شفا ہے از جذام

در بیان خصائص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ تعلق بآخرت دارد

حشر میں جب خلق اٹھیں گے بالیقیں
قبر سے اول اٹھے گا شاہ دیں
ہوئے گا محشور جب وہ تاجدار
ہوں گے سات اس کے ملک ستر ہزار
اصفیا ہور انبیا ہور مرسلاں
اُس کے جھنڈے تل رہیں گے بے گماں
ساری امت کوں چھڑا وے گا وہ شاہ
اس سخن میں نیں ہے ذرہ اشتباہ

در بیان اختتام ایں رسالہ بابرکات ومناجات بہ حضرت قاضی الحاجات

ہیں خصائص شاہ کی امت اپار
لیکن ان کوں میں لکھا با اختصار
کر کرم سے اس رسالے کوں قبول
ہور اسے مقبول کر نزد رسول

ہور کر اپنے لطف سے اے کارساز
باقرؔ آشفتہ دل کوں سرفراز

(باقی صفحہ ۲ پر)

خوابِ یزداں

نظر حیدرآبادی

نازِ قمر جبیناں، فخرِ شگفتہ رُویاں
تعبیرِ خوابِ یزداں، تفسیرِ آیتِ جاں
جس کے نفس کی خوشبو، سرمایۂ بہاراں
جس کی نظر کی جنبش، تکمیلِ علم و عرفاں
معتوبِ دورِ وحشت، محبوبِ عہدِ حکمت
فرزندِ دشت و صحرا، دل بندِ صد گلستاں
یزداں صفات بندہ۔ بندہ نواز مولا
عالم کی نعمتیں تھیں کملی پہ جس کی قرباں
فرسودہ زندگی کا رُخ موڑ دینے والا
ہجرت بھی جس کی شاداں غربت بھی جس کی فرحاں
پھر اک نظر، نظرؔ پہ، جیتا ہے اس کو دُو بھر
آقائے شہر یاراں، تسکینِ دہ غریباں

اُسوۂ نبویؐ

ضامن نقوی

اخلاقِ بشری ہی کتابِ انسانیت کے وہ عنوانات ہوتے ہیں جن کے ذیل میں ہر انسان کی زندگی کے دونوں رُخ، روشن و تاریک، اعلیٰ و اسفل، سامنے آتے جاتے ہیں۔ روشنی کی انتہا ہے کہ اس ہستی کو پروردگار "سراجاً منیرا" کے لقب سے ملقب فرمائے۔ افقِ انسانیت پر ستارے تو ہزاروں ہی نمودار ہوئے مگر یہ لقب کسی کو نہ ملا۔ اور بلندی و رفعت کی یہ حد کہ افلاک کو گردِ کفِ پا بتایا گیا 'لولاک لما خلقت الافلاک' حدیثِ قدسی اس پر شاہد ہے۔ یہ شان ہے سرورِ کون و مکاں، رؤف الرحیم، محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔

جملہ اخلاقِ انسانی کو دو قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلی قسم میں وہ اخلاق شمار ہیں جن کا تعلق داخلی زندگی سے ہے، یا جن سے داخلی زندگی کے امتیازات متعین ہوتے ہیں۔ دوسری قسم اخلاق کی وہ ہے جو خارج سے تعلق رکھتی ہے۔ یعنی اخلاق کا وہ مجموعہ جو دوسرے افرادِ انسانی پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔ پہلی قسم میں قدرِ گوہرِ ذات یا اعزازِ نفس سے متعلق جملہ اخلاق شامل ہیں ان میں عفت و شجاعت کے جوہر بھی داخل ہیں داخلی اخلاقِ سیرت میں استقامت بھی ایک وصف ہے صبر و تحمل استقامت ہی کے مدارج ہیں، گو اپنی اصل میں یہ بھی شجاعت کی ہی ایک نوع ہے۔

دوسری قسم اخلاق میں جو چیزیں شامل ہیں ان میں عدل، ایثار، رحم و کرم اور اسی نوع کے دیگر اخلاق داخل ہیں۔ ان کی مثال بارانِ کرم کی سی ہے کہ اُن سے دلوں کی پیاسی زمینیں سیراب ہوتی ہیں اور مردہ ہونے کے بعد بھی حیاتِ نو و نموئے تازہ پاتی ہے۔ اسی لئے ارشاد ہوا: وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین۔

"نہیں بھیجا ہے ہم نے تم کو مگر رحمتِ دو عالم بنا کر۔"

اخلاق دراصل ملکاتِ نفس ہوتے ہیں اور یہی کردار و عمل حیاتِ انسانی کی اساس ہیں۔ مثلاً اگر ایک شخص کسی مصلحت کی بنا پر یا بہ تکلف، کسی شخص کی خاطر ایثار کرتا ہے تو اس خلق کو حقیقی ایثار نہیں مانا جائے گا کیونکہ یہ اُس کا ملکۂ نفس نہیں ہے۔ ملکۂ نفس فی الاصل وہ شے ہے جس کے صدور میں تکلف و تردد نہ ہو یہ ملکات یا اخلاق، تعلیم و تربیت کے محتاج وہاں ہوتے ہیں جہاں وہ اپنی تکمیل میں ان چیزوں کے متقاضی ہوں، مگر جہاں یہ جوہر جزوِ حیات فطری اور وہبی طور پر موجود ہوں تو وہاں کسی خارجی تعلیم و تربیت کی ضرورت ہی پیدا نہیں ہوتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے گرد و پیش میں آنکھ کھولی اور اپنے عہدِ طفلی میں ایسا ماحول پایا جو سر تا سر ظلم و جہل سے لبریز تھا، بربریت اور جہل کا دور دورہ تھا۔ ظلم، فساد، ناحق کُشی، قتل، غارت گری اور ایسے ہی دیگر مشاغل قبائلِ عرب کا معمول تھے۔ اب اس حقیقت پر بھی غور کیجئے کہ بچپن ہی میں ماں اور باپ دونوں کے آغوشِ تربیت سے حضورؐ محروم ہو گئے۔ اس لئے یہ احتمال بھی باقی نہیں رہتا کہ آپ کی تربیت میں والدین کی توجہ کا اثر ہو گا۔ اس پہ آپ کے مکارمِ اخلاق کی بابت خود قرآن "عظیم" کہہ کر گواہی دیتا ہے۔ لہٰذا یہ حقیقت ناقابلِ انکار ہے کہ جملہ فضائلِ اخلاق آپ میں فطری اور ازلی تھے جن میں بجز پروردگار کی تربیتِ ازلی کے اور کسی مربی کی توجہ اور تعلیم و تربیت کو دخل نہ تھا۔

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جب آپ کے اخلاق کے بارے میں کسی شخص نے سوال کیا تو آپ نے جواب دیا کہ آپ کا خلق قرآن تھا۔ یعنی قرآن جن اخلاق کو بہترین بتلاتا ہے وہ سب آپ میں خِلقتاً موجود تھے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ آپؐ کی زندگی قرآن کی ایسی تفسیر تھی جو نزولِ قرآن سے

حرم نبوی :

نو تعمیر حصے سے
گنبد خضراء کا
روح پرور نظارہ

مزدار ہ ستول مقصورۂ مبارک (حرم نبوی)

پہلے ہی مرتب ہو چکی تھی اور عملاً اہل عرب کے سامنے آچکی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ شروع ہی سے سب لوگ آپ کو امین کے لقب سے یاد کرتے تھے۔

لفظ "امین" اپنے وسیع تر مفہوم میں اُن تمام مکارم و فضائل بشری کا ترجمان ہے جو پروردگار نے اپنے آخری نبیؐ کو بروزِ ازل ودیعت فرد یئے تھے۔ یہی وہ جوہر تھے اور اتنے اکمل واتم کہ انسانیت کے تمام مراتب بلند کی انتہا ہوتی ہے۔ امین صرف اسی کو نہیں کہتے جو لوگوں کے اموال کا امانت دار و محافظ ہو بلکہ حقیقت میں امین اور سب سے بڑا امین وہی ہے جو دلوں کے خزانوں کا نگہبان ہو۔ یہ خزائن کیا ہیں؟ تعلق مع اللہ کا فطری عقیدہ؛ توحید کا تاثر ایمان کی منزل اُن فضائل، سیرت و کردار انسانی میں قرآن کی تفسیر ہونا جن کو اگر آدمی گم کردے تو اشرف المخلوقات کے مرتبہ سے گرکر ارذلِ خلائق کے درجہ پر آجاتا ہے۔

قرآن پاک نے آپؐ کے خلق کو "عظیم" فرمایا ہے تو ساتھ ہی اس کی شرح بھی کردی ہے:

وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ
نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ
هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ الخ

یہ شرف ہے اس انتہائی کریم النفس انسان کا جو دشمن سے بھی ایسا برتاؤ کرے، ایسا حسن سلوک، ایسا عفو و درگزر کہ جس کی مثال نہیں ملتی۔ پوری قوم مخالف، جانی دشمن، خون کی پیاسی، ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کرتی، مگر یہ صاحبِ خلقِ عظیم ان سب کے ساتھ ایسے برتاؤ کرتے ہیں کہ دنیا حیرت میں رہ جاتی ہے۔ فتح مکہ کے بعد جو واقعات ہوئے اس بات کے شاہد ہیں۔ مظالم کا انتقام لینا تو کجا پوری قوم کو امان دیدی، ان کے دامنوں کو مراد کے جواہر سے بھر دیا۔ غلام آزادی پا گئے، یتیموں کو سرپرست مل گئے۔ بیکسوں، بے یاروں کا یار، دردمندوں کا غمگسار یہ ہے وہ اسوۂ حسنہ جس کی پیروی اس دنیا میں بھی اور اُس دنیا میں بھی باعث فوز و فلاح ہے۔ بجا فرمان ایزدی ہے۔ وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین۔

قرآن حکیم نے جسے خلقِ عظیم کہا ہے اور جسے صاحبِ خلقِ عظیم فرمایا ہے اس کو دل سے آپ پہچان سکتے ہیں۔ اس کی تفسیر و تفصیل دیکھنی ہو تو آپؐ کے ۲۳ سالہ عہد نبوت کی غیر فانی تاریخ کو دیکھ جایئے۔ ہر صفحہ پر ایک ایسا نقش دوام ثبت ہے کہ جس کی کوئی نظیر نہیں ہے۔ غور فرمایئے۔ ہندہ آپؐ کے جاں نثار چچا حضرت حمزہؓ کا کلیجہ دانتوں سے چبا لیتی ہے اور وحشی قاتلِ حمزہ دونوں فتح مکہ کے بعد حضورؐ کے سامنے پیش ہوتے ہیں۔ اسلام کی سچائی ان پر واضح ہو جاتی ہے اور اس حقانیت کو قبول کرتے ہیں مگر کبھی بھی ان دونوں سے رحمتِ عالم نے یہ نہ پوچھا کہ تم نے میرے چچا کے ساتھ کیا کیا تھا۔ طائف کے وہ غنڈے جنہوں نے حضورؐ پر سنگباری کی تھی اور سر سے پا تک مجروح کر دیا تھا، اسلام لے آتے ہیں مگر خلقِ رسولؐ کبھی یہ گوارا نہیں کرتا کہ اُن سے اس سنگدلی کا شکوہ کرے۔ جنگِ اُحد کے حملہ آوروں سے، جن کے تیروں سے آپؐ کا چہرۂ مبارک چھلنی ہو گیا تھا، دندانِ مبارک تک شہید ہو گیا تھا، اور ضربات نے غشی طاری کردی تھی، کبھی یہ نہ پوچھا کہ یہ مظالم تم نے کیوں کئے تھے۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو سب کچھ معاف کر دیا۔ یہ ہے نمونہ خلقِ عظیم کا۔ خون کے پیاسوں کو صرف معاف ہی نہیں کر دیا بلکہ ان کے حق میں دعائے ہدایت بھی کی۔ ایسے خلق کا، اس درخشاں مثال کا" ان مکارم اخلاق کا اگر کوئی دوسرا نمونہ تاریخ میں موجود ہو تو بتایئے!

روشن آیاتِ خدا جملہ رسول
سب کے جامع بیّناتِ مصطفیٰ

یہ بیّنات، یہ روشن نشانیاں حضور سرورِ کائنات کی زندگی میں جا بجا ملیں گی۔ حضورؐ کی استقامت اور عزیمتِ ارفع کی ایک مثال پیش ہے:۔

ایک دن چند اشراف قریش، عقبہ وغیرہ جمع ہو کر حضرت ابو طالب کے پاس آئے اور کہا کہ تم اپنے بھتیجے کو منع کرو۔ وہ ہمارے مذہب کو جو ہمارے باپ دادا کا مذہب ہے، یعنی بت پرستی کو جو اسلاف کا چلن ہے، برا نہ کہے۔ وہ ہمارے کاموں کو ظالمانہ نہ کہے، یا تم بیچ میں نہ پڑو، ان کی حمایت و طرفداری چھوڑ دو، نہیں تو ہم تم سے بھی جنگ کے لئے تیار ہیں، خواہ اس میں کوئی بھی فریق ہلاک ہو جائے،

تم یا ہم۔ حضرت ابوطالب نے یہ دھمکی سن لی مگر حضورؐ کی حمایت و حفاظت سے دستکش ہونا منظور نہ کیا۔ جب حضرت ابوطالب نے عتبہ وغیرہ کی اس دھمکی کا ذکر آنحضرتؐ سے کیا تو حضورؐ نے فرمایا کہ اگر میرے ہاتھ میں چاند اور دوسرے میں سورج رکھ دیا جائے تب بھی میں تبلیغ رسالت کے اس فرض سے کوتاہی نہ کروں گا کیونکہ پروردگار نے مجھے اسی کام کے لئے مامور کیا ہے۔ حضرت ابوطالب نے تبلیغ رسالت کے باب میں آنحضرتؐ کی یہ ثابت قدمی اور ایمانی حرارت کو دیکھا تو کہا کہ اے فرزند! تم اپنے کام میں، جس پر مامور ہو، برابر مصروف رہو۔ جب تک میری جان میں جان ہے تمہاری حفاظت کروں گا۔

اس بات پر قریش بہت ہی جھنجھلائے اور مسلمانوں کو ستانے کے لئے اور بھی مستعد ہو گئے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ سارے قریش بنی ہاشم کے خلاف ہو گئے اور آپس میں ایک معاہدہ کیا کہ بنی ہاشم کا مقاطعہ کیا جائے۔ ان سے میل جول بالکل بند، خرید فروخت قطعاً نہ کی جائے، غرض ہر معاملہ میں پوری طرح بائیکاٹ کیا جائے۔ اس مرحلہ پر حضرت ابوطالب نے تمام بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کو جمع کیا، اور تمام افراد کو لے کر، مع آنحضرتؐ اس گھاٹی میں جا بسے جسے شعب ابوطالب کہتے ہیں۔ حضرت ابوطالب نے اپنا مشہور قصیدہ لامیہ بھی اسی زمانہ میں کہا تھا۔ اس قصیدے کے تقریباً نوے شعر سیرت ابن ہشام میں منقول ہیں۔ دو تین اشعار کا ترجمہ یہاں پیش کیا جاتا ہے جن میں حضور صلعم کی فضیلت کا بیان ہے:

"لقد علموا انّ" ——— بے شک سب جان چکے ہیں کہ میرے فرزند محمدؐ اپنے اقوال و افعال میں کبھی جھٹلائے نہیں گئے۔ بیہودہ بکنے والوں کی بات پر کوئی توجہ نہیں کرتا۔ ہم میں شرفِ احمدؐ ہر ایک کے شرف سے بالاتر ہے اور اُن پر ترجیح حاصل کرنے سے ہر طالبِ غلبہ قاصر و عاجز ہے۔ وہ حکیم و رشید و عاقل ہیں، سُبک سر و خفیف الحرکات نہیں، اور اپنے معبود کی محبت و طاعت سے کسی وقت بھی غافل نہیں۔

بنی ہاشم شعب ابوطالب میں تین برس تک رہے۔ بنی ہاشم پر قریش کا تشدد اس قدر بڑھ چکا تھا کہ الامان! حافظ ابن قیم "زاد المعاد" میں روایت کرتے ہیں کہ بنی ہاشم کے بھوکے بچوں کے رونے کی صدائیں گھاٹی کے اُدھر تک سنی جاتی تھیں۔ ("تاریخ بنی ہاشم" ص۴۲)۔ مگر ان شدائد کے باوجود حضورؐ کے عزم صمیم میں کوئی فرق نہ آیا۔ ان تمام پریشانیوں، دکھوں اور مخالفتوں کے باوجود تبلیغ رسالت میں وہ بے خوف اور نڈر رہے اور اس فریضہ میں کبھی فرق نہ آنے دیا۔

اس کے بعد جب بنی ہاشم اپنے اپنے گھروں کو واپس آ گئے۔ حضرت ابوطالب نے ۱۰ نبوی میں اس دنیا سے رحلت اختیار کی۔ اُن کے نہ ہونے کے باعث سفہائے قریش نے پھر مسلمانوں کو ستانا شروع کر دیا۔ دل آزاری کے نت نئے طریقے ایجاد کرتے رہتے تھے۔ جب آنحضرتؐ اور مسلمان راستے میں ملتے تو ان کے پیچھے تالیاں بجاتے اور طعن سے کہتے ذرا دیکھنا شاہانِ روئے زمین چلے آ رہے ہیں۔ خدا انہیں حکومت بخشنے والا ہے۔ ایسی طعن آمیز باتیں کرنے کے علاوہ اور بہت سے طریقے ایذا رسانی کے اختیار کرتے۔ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ ایک دن رکانہ بن عبد یزید نامی مشہور پہلوان آنحضرتؐ کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ اس کو آج تک کسی نے زیر نہیں کیا تھا۔ حضورؐ سے بدکلامی کرتے ہوئے کہنے لگا کہ اگر تم نبی برحق ہو تو آؤ مجھ سے کُشتی لڑو، اگر تم نے مجھے پچھاڑ دیا تو اسلام لے آؤں گا۔ یہ سن کر حضورؐ نے اُس سے تین مرتبہ کشتی لڑی اور تینوں مرتبہ اسے شکست دی۔ مگر یہ بدعہد کافر پہلوان مسلمان نہ ہوا۔ یہ آپؐ کی خداداد شجاعت اور قوت حق کی ایک اور دلیل تھی جو کفار کے سامنے آئی۔

مختصر یہ کہ حضورؐ کمال حلم اور صبر و ضبط سے قریش کے ساتھ برتاؤ کرتے اور ان کی بدکلامی اور بے ادبیوں پر ضبط سے کام لیتے۔ جب آنحضرتؐ نے یہ دیکھا کہ وعظ و نصیحت اور حلم و عفو کا قریش کے لوگوں پر کوئی اثر نہیں ہوتا تو وہ دوسرے عرب قبائل کی طرف متوجہ ہوئے۔ حضرت زیدؓ کو لے کر طائف کی طرف گئے تاکہ قبیلہ ثقیف میں پہنچ کر اشاعت دین کریں اور ان سے اس نیک کام میں مدد لیں۔ یہاں کے بت پرستوں اور بدطینت سرداروں نے بھی اچھا سلوک نہ کیا بلکہ دوران تبلیغ غنڈوں کو ابھار دیا، اور وہ کمینہ پن کا مظاہرہ کرنے لگے۔ حضورؐ نے اللہ کی راہ میں یہ سب تکلیفیں برداشت کیں، کافروں نے

پتھر بھی مارے جس سے حضورؐ بیہوش ہو گئے۔ جب ہوش آیا تو اللہ کے حضور میں پھر بھی اس قوم کا گلہ نہیں کیا بلکہ یہی کہا کہ اے اللہ یہ جاہل اور گمراہ ہیں، انہیں ہدایت عطا فرما۔ اس واقعہ کے بعد اللہ نے معراج کا شرف عطا فرمایا۔

معراج کے بعد ہجرت کا واقعہ آتا ہے جس سے تاریخ اسلام میں مدنی زندگی کا باب شروع ہوتا ہے۔ یہی وہ مرحلہ ہے جب فضائل اخلاق اس درجہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ کہ خود اللہ اس کی تکمیل کی گواہی دیتا ہے اور اہلِ ایمان کو یہ خوش خبری سناتا ہے کہ ہم نے آج تمہارا دین مکمل کر دیا اور پروردگار نے تمہیں ہر نعمت سے بہرہ ور کر دیا۔

بعد بعثت مکی زندگی کے بارہ سال اور گیارہ سال مدنی زندگی کے آپؐ کی کتابِ سیرت کے وہ دو باب ہیں جن میں آپؐ کے مکارم اخلاق کی پوری تفصیل موجود ہے، ایسی تفصیل جو قرآن کی مکمل تفسیر بھی ہے۔ خلقِ عظیم اور اسوۂ حسنہ کی عملی شکل ہمیں حضورؐ کی حیات طیّبہ میں نظر آتی ہے اور یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات پاک ہی ہے، جو قرآنی تعلیم کی مکمل تفسیر پیش کرتی ہے۔ آپ ہی کے مکارم اخلاق اور تعلیم و تربیت کا فیضان تھا جس نے عرب جیسی بے مایہ پس ماندہ قوم کو ہی نہیں پوری دنیا کو، اور ہر زمانہ کو آدابِ زیست سکھا دیئے اور ہم کو یہ بتا دیا کہ سربلندی حاصل کرنے اور نازشِ اقوام بننے کا راستہ کیا ہے۔ اگر ہم حبِّ رسولؐ کا صحیح دعوٰی کرتے ہیں تو اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ حضورؐ کی تعلیم پر عمل کریں اور ایسا معاشرہ پیدا کریں جو فیضانِ رسولؐ کی باعث صدر اسلام میں نمودار ہوا تھا۔ تب ہی ہم مللِ عالم میں وہ امتیاز حاصل کر سکیں گے جس کا وعدہ قرآن کریم میں کیا گیا ہے: انتم الاعلون ان کنتم مومنین، بہ مصداق آیتہ، لقد کان فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ ؞

★

آئینۂ شفاف

ضمیر اظہر

گنجینۂ اوصاف ہے عنوانِ محمدؐ
فردوسِ ہدایات ہے فرمانِ محمدؐ

تاروں میں نمایاں ہے کہیں شمس و قمر میں
منت کشِ اظہار نہیں شانِ محمدؐ

آئینۂ شفاف ہے اسرارِ جہاں کا
وہ دل کہ عطا ہے جسے عرفانِ محمدؐ

مایوس بھلا کیوں ہو کوئی اس کے کرم سے
سرچشمۂ فیضان ہے فیضانِ محمدؐ

ایمان فروزاں ہے محمدؐ کے عمل سے
زیبائشِ اعمال ہے ایمانِ محمدؐ

یہ خلق، یہ رغبت، یہ تعلق، یہ لگاؤ
بے تاب تھی امت کے لئے جانِ محمدؐ

کردارِ محمدؐ کا ہے اک یہ بھی کرشمہ
ہر مذہبِ دنیا ہے ثنا خوانِ محمدؐ

محتاج کسی شے کے جہاں میں نہیں اظہرؔ
بندے کہ ہیں محتاجِ غلامانِ محمدؐ

شیر و شکر

(مدینہ میں مہاجرین کی آباد کاری)

محمد مسعود

مہاجرین کا اطلاق ان مسلمانوں پر ہوتا ہے جو فتح مکہ سے قبل، جو ۸ھ میں ہوئی اپنے وطن چھوڑ کر مدینہ چلے آئے تھے۔ یوں تو مسلمان مدینہ میں مختلف علاقوں سے آئے تھے لیکن زیادہ تعداد مکہ سے آنے والے لوگوں کی ہی تھی۔ جب قریش کے مظالم حد سے بڑھ گئے تو رسول اللہ صلعم نے بعض مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ مدینہ کی طرف ہجرت کر جائیں۔ جب یہ مسلمان مدینہ پہنچے تو وہاں اسلام کی اشاعت اور تیز ہو گئی۔ قریش نے یہ صورت حال دیکھی تو دارالندوہ میں تمام قبائل کے رؤسا کا اجلاس بلایا۔ جنہوں نے بحث و مباحثہ کے بعد بالاتفاق یہ فیصلہ کیا کہ ہر قبیلہ سے ایک ایک شخص لیا جائے۔ اور یہ سب مل کر تلوار سے رسول اللہ صلعم کا خاتمہ کر دیں۔ اس طرح تمام قبائل اس قتل میں شریک ہوں گے اور چونکہ رسول اللہ صلعم کا خاندان یعنی بنی ہاشم تنہا تمام قبائل کا مقابلہ نہ کر سکے گا اس لئے کسی قبیلے کو نقصان بھی نہیں پہنچ سکے گا۔ اسی دوران میں خدا تعالیٰ کی طرف سے آپ کو بھی ہجرت کا حکم ہوا۔ اور آپ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو لے کر مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ کچھ اور اکابر صحابہ بھی آپؐ سے پہلے مدینہ میں آ گئے تھے۔ ان میں سے کچھ کے نام یہ ہیں: — حضرت ابو عبیدہؓ۔ مقدادؓ۔ خبابؓ۔ سہیلؓ۔ صفوانؓ۔ عیاضؓ۔ عبداللہؓ۔ ابن مخرمہؓ۔ وہب ابنؓ سعدؓ۔ عمر ابن ابی سرحؓ۔ عمیر ابن عوفؓ۔

رسول اللہ صلعم نے مدینہ کی طرف ہجرت خود وہاں کے مسلمانوں کی دعوت پر فرمائی تھی۔ مدینہ کے مسلمان باشندے جنہوں نے آپ کی اور دیگر مہاجرین کی مدد کی وہ انصار کہلاتے ہیں۔ دیگر قبائل کے علاوہ مدینہ میں انصار کے دو بڑے قبیلے اوسؓ اور خزرج آباد تھے۔ اسلام سے قبل ان میں سخت دشمنی اور منافرت پائی جاتی تھی لیکن اسلامی تعلیمات کی وجہ سے ان کی باہمی دشمنی دوستی میں بدل گئی

ان قبائل کے لئے ایک ہی لفظ یعنی "انصار" استعمال کیا گیا۔ یہ لوگ اپنی قبائلی عصبیت کو بھول کر اپنے آپ کو ایک برادری یعنی انصار برادری کے افراد سمجھنے لگے۔ اس طرح ان میں منافرت ختم ہو کر عدیم النظیر محبت و اتحاد پیدا ہو گیا۔

مہاجرین اپنا گھر بار، سامان، مال و دولت، غرض سب کچھ چھوڑ کر اللہ کے راستے میں ہجرت کر کے آئے تھے سوائے حضرت عثمان ابن عفان کے کوئی شخص اپنے ساتھ کچھ نہ لا سکا تھا۔ اگرچہ کچھ مہاجرین صاحب دولت بھی تھے۔ لیکن جس افراتفری کی حالت میں وہ نکلے تھے اس میں ان کے لئے کچھ ساتھ لانا ممکن نہ تھا۔ انصار نے رسول اللہ صلعم اور دیگر مہاجرین کی ہر ممکن اعانت اور ان کے لئے آرام و آسائش کا انتظام کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ مدینہ میں آنے کے بعد مہاجرین کو جو مسائل درپیش تھے ان میں زیادہ اہم داخلی اور خارجی امن، رہائش، خوراک اور ذرائع معاش کے مسائل تھے۔ جہاں تک امن کا سوال تھا۔ انصار نے بیعت عقبۂ ثانیہ کے وقت یہ وعدہ کر لیا تھا کہ اگر مہاجرین پر کسی قسم کا حملہ ہوا تو وہ مہاجرین کے ساتھ مل کر ان کا دفاع کریں گے۔ اس بیعت کا واقعہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ کی مدینہ کی طرف ہجرت سے پہلے اہل مدینہ کی ایک کثیر تعداد مکہ آئی۔ وہاں پر انہوں نے رسول اللہ سے رابطہ پیدا کیا آپؐ نے ان کو ایک گھاٹی میں جس کا نام عقبہ تھا جمع فرمایا اور وہاں یہ بیعت لی گئی۔ اسی گھاٹی میں ایک سال قبل ایک اور بیعت لی گئی تھی جس کو بیعتِ عقبۂ اولیٰ کہا جاتا ہے۔

مدینہ میں یہودیوں کے کئی قبائل آباد تھے۔ جو یہاں کے سیاسی معاملات میں دخل دیتے تھے۔ اور قبائلی جنگوں

میں بھی حصہ لیتے تھے۔ مدینہ پہنچ کر رسول اللہ صلعم نے مدینہ کو عرب اور یہود کا مشترک وطن قرار دینے کا فیصلہ کیا۔ آپ کا مقصد یہ تھا کہ یہ دو فریق مذہبی اختلافات کے باوجود ایک جگہ رہ کر امن اور چین کی زندگی بسر کریں اور آپس میں کسی قسم کی جنگ و جدل سے احتراز کریں۔ اس طرح آپ نے دین اور وطنیت کا ایک تصور پیش کیا جو آپ سے پہلے کسی نے پیش نہیں کیا تھا۔ اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے آپ نے ان پچھلے تمام معاہدات کو جو مدینہ کے عربوں اور یہود کے درمیان تھے اور جن کی بنیاد افتراق اور منافقت پر تھی منسوخ کر دیئے اور مہاجرین۔ انصار اور یہود کے درمیان اتحاد پیدا کرنے اور بدامنی کو دور کرنے کے لئے ایک نیا معاہدہ مرتب فرمایا۔ اس معاہدہ کی رو سے ہر فریق کو آزادی رائے، آزادی عقیدہ اور حرمت وطن اور حرمت جان و مال کی ضمانت دے دی گئی۔

عرب سوسائٹی کا نظام قبائل سے وابستگی پر قائم تھا۔ کسی قبیلہ کے ساتھ منسلک ہوئے بغیر روزمرہ کی معمولی زندگی گزارنا تقریباً ناممکن تھا۔ اس بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ ضروری تھا کہ وہ لوگ جو اپنے قبیلوں سے ٹوٹ گئے ہیں ان کو دوسرے قبیلوں کے ساتھ جوڑ دیا جائے۔ تاکہ وہ آپس کے تعاون سے امن اور چین کی زندگی گذار سکیں۔ لہذا سب سے پہلا کام جو آپ نے کیا وہ "مواخاۃ" یعنی بھائی چارہ قائم کرنے کا کام تھا۔

بھائی چارہ کا یہ رشتہ جن حضرات کے درمیان قائم ہوا ان میں سے کچھ کے نام یہ ہیں:۔

مہاجرین	انصار
حضرت ابو بکر صدیقؓ	خارجہ بن زید
عمر ابن خطاب	عتبان بن مالک
ابو عبیدہ بن جراح	سعد بن معاذ
عبدالرحمن بن عوف	سعد بن ربیع
زبیر بن عوامؓ	سلامۃ بن سلامہ
عثمان بن عفان	اوس بن ثابت
طلحہ بن عبیداللہ	کعبؓ بن مالک
سعید بن زید	ابیؓ بن کعب
مصعب بن عمیر	ابو ایوبؓ
ابو حذیفہ بن عتبہ	عبادؓ بن بشر
عمارؓ بن یاسر	حذیفہ بن یمان
ابوذر غفاری	منذرؓ بن عمرو
حاطبؓ بن ابی بلتعہ	عویمؓ بن ساعدہ
سلمان فارسیؓ	ابوالدرداؓ
بلالؓ بن رباح	ابو رویحہ

اس بھائی چارہ کے بعد مہاجر اور انصار بھائی بھائی بن گئے۔ ہر انصار اپنے مہاجر بھائی کے لئے ہر ممکن قربانی دینے کے لئے تیار نظر آتا تھا۔ اس مواخاۃ کی بدولت ایک طرف تو انصار کا تعلق اپنے ہم قوم مشرکوں سے ختم ہو گیا۔ اور دوسری طرف ان کے درمیان سے وہ تفرقہ بھی دور ہو گیا جو عرصۂ دراز سے ان میں پایا جاتا تھا۔ تمام مسلمان مہاجر ہوں یا انصار ایک ہی برادری یعنی اسلامی برادری کے افراد بن گئے۔ اخوت کا یہ رشتہ نسلی رشتہ سے بھی زیادہ مضبوط ہو گیا۔ ابتدا میں تو مہاجر اور انصار کے درمیان سلسلۂ وراثت بھی جاری تھا۔ جب کوئی انصار مرتا تو اس کی جائیداد اور مال مہاجر کو ملتا تھا۔ اور بھائی بند اس کی وراثت نہ لے سکتے تھے۔ یہ اس فرمانِ الٰہی کی تعمیل تھی:۔

ان الذین آمنوا و ھاجروا و جاھدوا
باموالھم و انفسھم فی سبیل اللہ والذین
آووا و نصروا اولٰئک بعضھم اولیاء بعض۔

جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور خدا کی راہ
میں مال و جان سے جہاد کیا۔ اور وہ لوگ جنہوں نے
ان لوگوں کو پناہ دی۔ اور ان کی مدد کی۔ یہ لوگ
باہم بھائی بھائی ہیں۔

وراثت کا یہ سلسلہ جنگ بدر تک قائم رہا۔ جنگ بدر کے بعد جب مہاجرین کو انصار کی مزید اعانت کی ضرورت نہ رہی تو اس وقت اس آیت کی رو سے مہاجرین کو انصار کی وراثت ملنا بند ہو گئی:

والارحام بعضھم اولیاء بعض

ارباب قرابت ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں

مواخاۃ کا یہ رشتہ بظاہر اس لئے قائم کیا گیا تھا کہ بے سروسامان مہاجرین کا عارضی طور پر کچھ انتظام ہو جائے۔ لیکن یہ اقدام دراصل ایک اہم ضرورت کی تکمیل بھی تھی۔ اسلام انسان میں تہذیب، اخلاق پیدا کر کے اس کو انسان کامل بنانا چاہتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت و تربیت سے مہاجرین میں اس قسم کے انسانوں کا ایک گروہ پیدا ہو گیا تھا جن میں یہ وصف بھی تھا کہ ان کی صحبت سے دوسرے صاحب صلاحیت بھی تربیت حاصل کر سکیں۔ چنانچہ ایک انصار کو ایک مہاجر کی صحبت میں رکھنے کا انتظام کیا گیا۔ ایسا کرتے وقت اس بات کا خیال رکھا گیا کہ فریقین میں وہ اتحاد و مذاق موجود ہو جو شاگرد اور استاد میں تربیت کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ اتنے کم عرصہ میں اتنے بہت سے لوگوں کی طبیعت کا اندازہ کر لینا نبوت کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت ہے۔

جب اہلِ مدینہ کو آنحضرتؐ کی مدینہ تشریف آوری کی خبر معلوم ہوئی تو وہ انتہائی جوشِ مسرت میں استقبال کے لئے دوڑ پڑے۔ قبا سے مدینہ تک لوگ دورویہ قطاروں میں کھڑے تھے۔ راستہ میں انصار کے قبائل میں سے ہر قبیلہ اصرار کرتا حضور یہ گھر ہے یہ مال ہے۔ یہ جان ہے۔ آپ شکریہ ادا کرتے اور دعائے خیر دیتے۔ شہر قریب آ گیا۔ جب حضورؐ کی سواری اس جگہ پہنچی جہاں اب مسجد نبوی ہے تو ہر آدمی کا یہ اصرار تھا کہ میزبانی کا شرف مجھ کو ہی حاصل ہو آخر قرعہ اندازی کی گئی۔ اس میں حضرت ابوایوب انصاری کا نام نکلا۔ اور میزبانی کا شرف ان کو حاصل ہوا۔ حضرت ابوایوبؓ کا مکان دو منزلہ تھا۔ انہوں نے اوپر کی منزل پیش کی لیکن آپؐ نے آنے جانے والوں کی آسانی کے لئے مکان کا نچلا حصہ پسند فرمایا۔ حضرت ابوایوب دونوں وقت آپؐ کی خدمت میں کھانا بھیجتے اور آپؐ کے پاس سے جو کھانا بچ کر آتا اسی کو وہ اور ان کی زوجہ کھا لیتے۔ آنحضرتؐ نے سات مہینے تک یہیں قیام فرمایا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مسجد نبوی سے متصل ایک قطعۂ زمین خریدا۔ آنحضرتؐ نے اسی زمین پر ازواجِ مطہرات کے لئے مکان بنوائے۔ یہ مکان کچی اینٹوں کے تھے۔ کچھ مکانات ٹٹیوں سے بنائے گئے تھے۔ جو مکان کچی اینٹوں کے تھے ان کے اندر کی طرف والے حجرے بھی ٹٹیوں کے تھے۔ یہ مکانات چھ چھ سات سات ہاتھ چوڑے اور دس دس ہاتھ لمبے تھے۔ دروازوں پر کمبل کا پردہ پڑا رہتا تھا رات کو چراغ نہیں جلتے تھے۔

آنحضرتؐ کے انصار پڑوسیوں میں حضرت سعدؓ ابن عبادہؓ حضرت سعدؓ ابن معاذ۔ حضرت عمارہؓ ابن حزم اور حضرت ابوایوبؓ رئیس اور دولتمند تھے۔ یہ حضرات رسول اللہ صلعم کی خدمت میں دودھ بھیجا کرتے تھے اور یہی حضورؐ نوش فرماتے تھے۔ حضرت سعد ابن عبادہؓ ہمیشہ رات کے کھانے پر ایک بادیہ میں سالن۔ دودھ یا گھی بھیجتے تھے۔ حضرت ام انس نے اپنی جائداد آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کی۔ آپ نے جائداد قبول فرما کر حضرت ام ایمنؓ کو دے دی اور خود فقر و فاقہ ہی اختیار فرمایا۔ حضرت ام ایمنؓ آپؐ کی دایہ تھیں۔

مہاجرین کے لئے رہائش کا یہ انتظام ہوا کہ انصار نے اپنے گھروں کے آس پاس پڑی ہوئی زمینیں اپنے مہاجر بھائیوں کو دے دیں۔ جن کے پاس زمینیں نہیں تھیں۔ انہوں نے اپنے رہائشی مکانات دے دیئے۔ سب سے پہلے حضرت حارثہ بن نعمانؓ نے اپنی زمین پیش کی۔ حضرت عثمان حضرت مقداد۔ حضرت عبید کو انصار نے اپنے مکانات کے قریب زمینیں دیں۔ بنو زہرہ مسجد نبوی کے پیچھے آباد ہوئے۔ حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ نے یہاں ایک قلعہ (یا گڑھی) تعمیر کی۔ حضرت زبیر ابن العوام کو زمین کا ایک بڑا قطعہ ملا۔ انصار کا ایثار دیکھیے۔ حضرت سعد ابن الربیعؓ نے حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف کو گھر کی چیزوں کا جائزہ دیکر ان سے ان چیزوں کا آدھا حصہ لے لینے کی درخواست کی۔ لیکن انہوں نے اس پیشکش کو منظور نہیں فرمایا۔

انصار نے جس ہمدردی اور محبت کے ساتھ مہاجرین کی مہمان نوازی کی دنیا میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ مہاجرین کو ان سے بہت بڑا سہارا تھا۔ ایک دفعہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا کہ میں بھوکا ہوں۔ آپؐ نے گھر میں دریافت فرمایا۔ تو کھانے کو کچھ نہ تھا۔ پھر

حاضرین کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ کوئی ہے جو آج ان کو اپنا مہمان بنائے۔ حضرت طلحہؓ نے اس کو اپنا مہمان بنا لیا۔ گھر آئے تو معلوم ہوا کہ صرف بچوں کا کھانا موجود ہے۔ آپؓ نے اپنی بیوی سے فرمایا۔ کہ چراغ بجھا دو۔ اور وہی کھانا مہمان کے سامنے لا کر رکھ دو۔ چراغ بجھا دیا گیا اور تینوں ساتھ ہی کھانا کھانے بیٹھ گئے۔ میاں بیوی اس طرح ہاتھ چلاتے رہے۔ گویا کچھ کھا رہے ہیں۔ اس واقعہ کے بارے میں جو آیت نازل ہوئی اس کے معنی ہیں:

. . . .

. . . .

اور گو ان پر تنگی ہو، تاہم اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں۔

صحابہ کا ایک گروہ ایسا تھا جنہوں نے اپنے آپ کو پوری طرح عبادت کرنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تربیت حاصل کرنے میں لگا دیا تھا۔ یہ لوگ ایک چبوترے پر رہتے تھے۔ جو مسجد نبویؐ کے کنارے پر مسجد سے ملا ہوا بنایا گیا تھا۔ ان کو اصحاب صفہ یعنی چبوترے والے کہا جاتا ہے یہ لوگ غیر شادی شدہ ہوتے تھے۔ اور جب شادی کر لیتے تھے تو یہاں سے چلے جاتے تھے۔ ان میں سے کچھ لوگ جنگل سے لکڑیاں لاتے اور بیچ کر اپنے بھائیوں کے لئے کھانے کا انتظام کرتے۔ جب کبھی صدقہ کا کھانا آتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس بھیج دیتے۔ اور جب دعوت کا کھانا آتا تو بلا کر اپنے ساتھ کھلاتے۔ کبھی مہاجرین اور انصار سے فرما دیتے کہ اپنی استطاعت کے مطابق ہر شخص ایک ایک دو دو کو اپنے ساتھ لے جائے اور کھانا کھلائے۔ حضرت سعدؓ ابن عبادۃ جو کہ نہایت فیاض اور دولت مند تھے کبھی کبھی اپنے ساتھ اسّی اسّی مہمانوں کو لیجاتے تھے۔

انصار کی ہمدردی کا ایک واقعہ یہ ہے کہ جب بحرین کا علاقہ فتح ہوا تو آپؐ نے انصار کو بلا کر فرمایا کہ بحرین کی زمینیں میں تم میں تقسیم کرنا چاہتا ہوں۔ انصار نے عرض کیا کہ پہلے ہمارے مہاجر بھائیوں کو بھی اتنی ہی زمینیں دیدیجئے تب ہم لیں گے!

مہاجرین کے لئے ذرائع معیشت پیدا کرنے کا مسئلہ کئی طریقہ سے حل کیا گیا۔ مکہ کے لوگ تجارت پیشہ تھے یہاں آکر بھی انہوں نے تجارت شروع کر دی۔ حضرت عثمانؓ ابنِ عفان بنو قینقاع کے بازار میں کھجوروں کی تجارت کرتے تھے۔ اسی بازار میں حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف نے بھی تجارت شروع کر دی۔ ابتداءً انہوں نے کچھ گھی اور پنیر بیچنا شروع کیا کچھ ہی دنوں میں اتنے پیسے ہو گئے کہ شادی کر لی۔ ان کی تجارت یہاں تک ترقی ہوئی کہ ان کا سامانِ تجارت سات سات سو اونٹوں پر لد کر آتا تھا۔ جس روز مدینہ میں یہ سامان پہنچتا تھا ہر طرف اسی کا چرچا ہو جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے بھی تجارت شروع کر دی تھی اور شائد ان کی تجارت ایران تک ہوتی تھی۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ ان کا کارخانہ مقام سنح میں تھا۔ اسی طرح دوسرے صحابہ نے بھی کچھ نہ کچھ تجارت شروع کر دی تھی۔ ابتدائی دور میں بعض مہاجرین مقررہ اجرتوں پر لوگوں کے یہاں باغوں دکانوں اور کارگاہوں میں کام کرتے تھے۔ لیکن ایسے واقعات بھی ملتے ہیں جب کہ وہ پیداوار اور منافع میں مخصوص حصہ کے ساتھ شریک بھی کئے گئے ہیں۔

انصار عام طور پر زراعت پیشہ تھے۔ ان کے پاس باغات اور نخلستان تھے۔ انصار نے نبی کریم صلعم سے درخواست کی کہ یہ باغات ہمارے مہاجر بھائیوں میں برابر تقسیم کر دئے جائیں۔ مہاجرین چونکہ تجارت پیشہ تھے اور زراعت کے فن سے ناواقف تھے اس لئے آپؐ نے مہاجرین کی طرف سے انکار فرمایا۔ انصار نے کہا کہ اچھا ہم کاروبار تو خود ہی کر لیں گے لیکن پیداوار میں آدھا حصہ مہاجرین کا بھی ہوگا۔

۴ھ میں جب مدینہ کے ایک یہودی قبیلہ کے لوگ اپنی بدعہدی کی وجہ سے جلا وطن کئے گئے تو آنحضرت صلعم نے انصار کو بلا کر فرمایا کہ مہاجرین غریب ہیں اگر تمہاری مرضی ہو تو اس قبیلہ کی زمین اور نخلستان صرف مہاجرین ہی میں تقسیم کر دئے جائیں اور تم اپنے نخلستان واپس لے لو۔ انصار نے عرض کیا کہ نئے مقبوضات بھی انہیں کو دیدیجئے اور

(باقی صفحہ ۲ پر)

حُبِّ رسولؐ

(پنجابی ادب میں)

عبدالغفور قریشی

آنحضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ سیرت اور اسوۂ حسنہ کو عالم اسلام میں جو خصوصی و امتیازی حیثیت حاصل ہے وہ کسی کو نہیں چونکہ مذہب اپنے نبیؐ کی سیرت اور عملی زندگی کے بغیر ناکام ہوتا ہے لیکن آنحضرت رسول صلعم کی سیرت مبارک قرآنِ پاک کی عملی تفسیر ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کے لئے اتباع سنت محمدیؐ ہی میں انسانی زندگی کا کامل نمونہ ملتا ہے اور اس کی پیروی کرنا خدا کی محبت کا ذریعہ ہے۔

ہمارے علمائے کرام نے سیرتِ مصطفوی اور تاریخ اسلام کو تحقیق و توثیق کی کسوٹی پر کس کر حضورؐ کی ذات اقدس کی بے مثال فضیلت و عظمت کو ہمارے دلوں پر روشن کر دیا ہے پنجابی زبان کے علماء و شعراء نے بھی اس باب میں اپنی ایمان افروز کوششیں بہت عمدگی کے ساتھ پیش کی ہیں۔ انہوں نے تاریخ و سیرت نگاری کے اصولِ فن کو پیش نظر رکھتے ہوئے قرآن پاک اور احادیث و سیر نبوی سے اسلامی عقاید بیان کئے ہیں اور اپنے مذاق اور انتخاب سے گلہائے رنگا رنگ کھلائے ہیں۔ ان دینی رہنماؤں اور مذہبی علمائے کرام نے پنجاب کے ان پڑھ اور سادہ لوح دیہاتی عوام میں احکام دین کی تبلیغ کے لئے بیشمار کتابیں اور مذہبی رسائل بھی مرتب کئے۔ اسی طرح انہوں نے آنحضرت رسول صلعم کی حیات طیبہ، آنحضرتؐ کی سیرت اور اسوہ حسنہ کو پنجابی زبان کے شعر و ادب کو بھی مالامال کیا ہے۔ اور اس التزام کے ساتھ کہ انہوں نے کہیں بھی زبان کے ٹھیٹھ محاورے اور چٹخارے کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ سیرت پر بیشمار کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں زیادہ مشہور یہ ہیں: سید حامد شاہ عباسی ("گلزار حامد"۔ "اخبار حامد") مولانا محمد مسلم ("گلزار محمدی" "گلزار آدم" "گلزار موسیٰ" "گلزار سکندری")۔ مولوی محمد شاہ دین ("اکرام مصطفےٰ")، چودھری فضل حق صابر ("سیرت الحبیبؐ")۔ مولوی غلام نبی ("گلزار احمدی") مولوی روشن دین ("شمع محمدی"، "فضائل محمدی"، "شان محمدی"، "نقارہ محمدی"، "سراجِ محمدی") مولوی محمد حسین بھیروی ("گلزار آدم") مولوی دلپذیر ("گلزار محمدی"، "گلزار آدم"، "گلزار موسیٰ") مولوی عبدالستار ("اکرام محمدی"، "معجزات محمدی") مولوی اشرف علی ("سیرت محمدی") سید فضل شاہ ("گلزار یوسف") محمد دین فاضل شاہ پوری کا "قصص الانبیاء"

اب میں چند مخصوص موضوعات کی طرف آپ کی توجہ مبذول کراتا ہوں۔

حضور اقدسؐ کے حلیہ مبارک کے متعلق چند بند ملاحظہ ہوں ؎

ستھرا صاف دُدھوں وَدھ چِٹا صاف لباس دوالے
نقطہ میل کتے نہ جاپے آہدصفائی بھالے
اسدے بدن مبارک اُتے دُھوڑ رکتہ نہ جاپے
دُھوں وَدھ صفائی والا جاپے اوہو آپے
نوری مکھڑے وچوں پھٹ پھٹ نکلن نور شعاعیں
سوہنا جتا سوہنی تبنتر سوہنیاں پاک ادائیں
اکھیں مست سیاہ کشادہ گل کراں نہ لانویں
کیہہ مجال غزال ختن دا اکھ کرے چا سانویں
اکھیاں دے وچ پایا ہویا سرمہ ناغ بصر دا
ویہندے تہیئے وینندے رہیئے اوہو دل کردا
بھواں کماناں پلکاں لمیاں ترکش تیراں والے
بد نظراں نوں روکن کارن پہرہ دیہن دوالے
اوس حسن دے کعبے اندر دو محراب بھنواں دے

دنہ لویں عالم نظری آئے اوتھے سبھ ہکا تیرے
چمکن ہو ٹھ جدوں گل کارن دسن راز نیارے
گردوں تائیں نظری آون دن دے دیلے تارے
گردن لمی شکل صراحی کو نج تالاب حسن دی
اسنا کاری نظری آوے کاریگر دے فن دی
لکھ کر وڈ ترنم لکے اس دیاں وچ کلامالی
بھل گئیاں الحان داؤد دی سبھے کاناں لامالی
جد بولے تے مٹھا بولے نال محبت بولے
انج جاپے جیبھوں بولن کولوں پہلوں گل نوں تولے
سنگھنی داڑھی کشت حسن دی ہی دسے زرخیزی
ہر ہر وال ابر حسن دا کر دا ئے عنبر ریزی

(حکیم محمد علی فائق "سراپائے حبیبؐ")

ایک اور سراپا ان الفاظ میں بیان ہوا ہے:

ڈاہڈا سوہنا عقلوں شکلوں ہر اک نوں دِسیا وے
بدر کمال اُہدے ول جھاتی پا دن نوں شرماوے
سر وڈا سرداراں والا سرداری دیاں شاناں
لولاکی سرتاج سہاوے واہ واہ شان شہاناں
وال سیاہ گھنے واللیل کناں توڑی آون
آپے بکل سوا ہندا جاوے جد دل ہولا رکھاون
سوہنا رنگ کٹ دہ متھا بختاں دا سرمایا
اُہدے بھاگ جگاون والا ماں کسے نہ جایا
نرم ملائم پیر نبیؐ دے ریشم تھیں ودھ کولے
پانی ٹھہر نہ سکدا اُتے طور کسے نہ رولے
پاک نبیؐ دی جگوں سوہنی اِہ دی عادت پیاری
پچھے مڑکے ویکھن کارن مڑجاون یکباری
نیویاں نظراں رہن زیادہ اسمانیں گھٹ جاون
ذرے نظروں تابش پاکے تاریاں نوں شرماون
پہلاں سب نوں کہن سلاماں دیون نیک دعائیں
موڑن موڑ نصیباں والے کر کے کرم نگاہیں

(احمد حسین احمد قلعداری "سراپائے حبیبؐ")

(ب):

بشر نے کرنا مقابلہ کیہ حور و پری تک نہ اُہدے شان دی اے
والضحیٰ مکھڑا تے واللیل زلفاں چہرہ یا روا تختی قرآن دی اے
کرے گل تے مردیاں جان بخشے آکھاں جھوٹھ نہ قسم ایمان دی اے
ملک فلک دے پڑھن درود اس تے جاں نثار اہ صفت یاماں دی اے

(شیخ جاں نثار امرتسری)

(ن):

نبیؐ کریم دا نور یار وکھی برس رہیا قطب تارے دے وچ
او ہدی آپ خدا نے صفت کیتی جا کے ویکھ لو سپیارے دے وچ
چند دو ٹکڑے ہو قربان گیا ایسے معجزے رکھن اشارے دے وچ
رحیم بخش دی اوسے شفاعت کرنی اے یقین میرے او گنہارے دے وچ

(رحیم بخش "تحفہ رحیم یاں")

مولوی غلام نبی نے گلزار احمدی میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک سفر کا حال اس طرح بیان کیا ہے:

اندر وہیویں سال دے حضرت ابو بکرؓ
ٹریا طرف شام دی قصد تجارت کر
نال رسولؐ کریم نوں لیندے خوش نام
صومعہ دے نزدیک پھر کیتا جا مقام
اوس درختے بیٹھ پھر کیتا نبیؐ نزول
پاس بحیرہ جاوندا ابو بکرؓ مقبول
کھانے خاطر اوس تھیں لیاوے سبھ طعام
بحیرہ نے ابو بکرؓ تھیں کیتی اِہ کلام
اوس درختے ہیٹھ کون بیٹھا دس جوان
تاں حضرت صدیقؓ نے کیتا اِہ بیان
اِہ محمدؐ مصطفٰے عبد اللہ دا فرزند
پوتا عبد المطلب دا اِہ قدر بلند
کہیا بحیرہ اِہ تے واللہ ہوگ رسول
خاتم سب پیغمبراں اللہ دا مقبول

ٹریا کرن سوداگری ابو طالب ملک شام نوں قافلہ چلیتا ئی
سال تیرھویں وچ امینؐ ہیا دا پر فراق نہ جاوندا جھلیا ئی
چاچے آکھیا چل توں نال میرے صفحہ پیار دا شوق اُتھلیا[1] ئی

---

[1] بمعنی ورق اُلٹنا

بچڑ تیک نہیں لال تیار ہو یا گھروں اک بھی پیر نہ ہلّیا ئی
ایسے سفر بحیرہ آں پادری سی اختر دیکھ جس جاندیاں وَلّیا ئی
سروں پیر تو ڑی تاڑ تاڑ ویکھے آیا حرف نہ جاوندا جھلّیا ئی
آکھے دوستا ایس دا دھیان رکھیں اِہنوں نبی کر کے اللہ گھلّیا ئی
اگے ابوطالب مٹھا خُلق دا سی ایتھے پادری ہور تسلّیا ئی
ہوئیاں برکتاں وِچ بیوپار سارے دھن نال نہ جاوندا ٹھلّیا ئی
ہوئے سوچ عارف کرے مولا لوہا اساں بھی اوسدا ملّیا ئی

(عبداللطیف عارف: خیرالبشر)

نامور مصنف چودھری فضل حق نے "سیرت الحبیب" میں
واقعہ صلح حدیبیہ اور صلحنامہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

پھُل چلا جس جگہ جاوے اپنا حسن دکھاوے
گلشن سندی حسب تمامی لوکاں اندر پاوے
بوٹے اتوں کھوہ کے اُسنوں گھر مالی لے جاوے
بوٹے کولوں دُور کراوے ترس نہیں کچھ آوے
جتھوں پھُل جُدا اوہ ہوسی بوٹا رس وکھاسی
ہجر فراق دے اندر افسردہ من نہیں کڈھ وکھاسی
مالی پھلاں تائیں جا کے شہراں وِچ پھراوے
درداں والے کھارے پا کے دَر دَر پیا دکھاوے
ہار بنا ون والے آ کے تک تک پھُل خریدن
وانگ غلاماں سستے داماں اوڑک سب وکیون
سوئیاں لیکر چھید دِلاندے کر کے پھیر پرودن
سوہنے ہار بنا کے چہڑے ویکھن اوہ خوش ہوون
ویکھے نیر اوہ ہار ٹُرے گھر نوں جاون
لوک خریدن والے اِہنا گل دے اندر پاون
پھُل مگر جس جائے ہوسی تاموں پھُل کہاسی
شک جاسی تکلیفاں اندر نہ پر نام وڈاسی
جتھے وسیں خوشبو وسیں چین دلاں وِچ پاسی
سنگھن والے نوں بھی ہر دم گلشن یاد کراسی
اس طرحاں جو مومن ہووے ہر تکلیف اُٹھاوے
ناں ایمان نوں اپنے ہرگز اوہ پر لیک لگاوے
دکھاں درداں اندر بھی اوہ اپنی شان دکھاوے
فضل خدا نے گلشن وَتے سب دی نظر کراوے

حضور اقدس کی مجلسی زندگی اور پیغمبری سخاوت کا یہ بیان
بھی دِل آفریں ہے:-

عرب دی بستی دے وِچ ہاں مسجد نبوی دے وِچ
سرکار خیرالانام دا پیغمبر اسلام دا
اس صاحبِ وصال دا جگ گودڑی وِچ لال دا
لگا ہویا دربار اے بیٹھا ہر اک سردار اے
خدمت دے وِچ حاضر نیں سب انصار و عجمی تے عرب
ہو آگئے اک اصحاب نے کیتی عرض بیتاب نے
سُن عاجزاں دے والیا باغِ عدن دے مالیا
قدرت دے نقشِ اولیں نورِ علیٰ نورِ مبیں
اے سخی شہِ دوجہاں خلقت خدا دے پاسباں
اے بھلیاں دے راہنما گنجِ کرم مشکل کُشا
ہُن کول میرے کجھ نہیں تے سُدھ میری بُدھ نہیں
ہویا بڑا کنگال میں حقدار بیت المال میں
للہ کرو مجھ تے کرم ہاں بخشو مینوں کجھ درم!
اس سرمایۂ دولت نے جد اس چشمہ رحمت نے جد
سُنیا سوالی دا ذکر اس طرف ڈِٹھا کر نظر
بیشک اوہ ڈانواں ڈول سی اک بھوری آہدے کول سی
ہیسی گدا غیور سی حالت توں پر مجبور سی
اوہ بھوری پھڑ سرکار نے اُس احمد مختار نے
اس رحمتِ عالمگیر نے اس قافلے دے میر نے
کر غور مسلم ایس تے اوسے دی بھوری ویکھ کے
دو درماں جہدا مُل پیا جا اک کہاڑا مُل لیا
کر دستہ اُسدا ٹھیک خود فرمایا اٹھو نیک خود
تندرست توں بیمار نہیں معذور نہیں لاچار نہیں
جد تیک نہ ہو ویں راس توں آویں نہ میرے پاس توں
فرمان سُن کے ٹُریا اُٹھ جنگلاں نوں چلیا
لے روز بالن آوندا مڑ وِچ شہروں جاوندا
اس صاحبِ لولاک دی برکت رسولِ پاک دی
اک چھوٹے جیہے بیوپار چوں لکڑی دے کاروبار چوں
ایڈا سوداگر ہو گیا غربت دے دھبے دھو گیا
اس کیمیا گر دی نگاہ کیتا فقیروں بادشاہ

تا ہنی تمنا دی پھلی لگا ثمر پھٹی کلی

(حکیم عبد الکریم ثمر: "زندگی")

سرکار دو عالم کے اسوہ حسنہ میں سے چند جھلکیاں ملاحظہ ہوں:

مسلم، انس، روایت بخاری پیغمبر فرمایا
رنج مصیبت یار وں ہرگز منگن موت نہ آیا
موت نہ منگن جایز ہرگز خالق غصے تھیوے
مگر نہایت ناچاری تھیں ایسی عرض کر لوے
جیون جب تک بہتر میرا فضلاں کنوں جو آئیں
مارن میں حق موت جاں بہتر اے میرے رب سائیں
یا استاد نسائی لوکوں قیس بیان لیایا
اک دن پاس جناب گیا میں حال عجب اس پایا
پر دہ چا کر پیٹ دکھا ئیوس اس نے کرتے تائیں
ست اوس داغ لگائے آپر پیٹ بیمار یوں تائیں
ڈاڈا دکھا ٹھائیوس پر نہ موت تمنا کیتی
صبر شکر ہر منزل اندر جو سر آ پر بیتی
آکھیوس ٹھیک تمنا کر دا نبی جے منع نہ کردا
پڑھن مول خلاف نہ کرساں امر جو میں سرور دا
ابوہریرہؓ کرے روایت نبیؐ سچے فرمایا
منگن موت نہ جایز بھائی لکھ تنبیہ پایا
جیکر نیکو کار تاں شاید نیکی ہور سماوے
جے بدکار تاں عجب نہیں جو توبہ دے دراوے

(مولوی روشن دین: احوال الآخرت)

(ن)

نبیؐ دا خاص فرمان یارو جنت درج جاسن مسکین پہلے
تا ہنیوں انبیا دے سردار تائیں کیتا رب یتیم مسکین پہلے
پھیر سب مخلوق فقرا پہلے ثابت جنہاں دا ویکھیں یقین پہلے
رحیم شرع اگے دم مارنا نہ جاسن دوزخاں وچ نکتہ چین پہلے

(رحیم بخش: "تحفہ رحیم یار")

کالے رنگ نوں نندنا چاہیدا نہیں پیدا رب کیتا گورے نال کالا
کالے تل اُتے دل عاشقاں دا ایسے شرح رخسار تے خال کالا

کالی سیاہی دے نال قرآن لکھیا کجل اکھاں وچ سجے کمال کالا
خانے کعبہ دا کالا غلاف اچھا ہے شاعری تے ہے نبیؐ دا عاشق بلالؓ کالا

(سردار محمد شاعری)

حضورؐ کی ذات مبارک کی مدح میں لاکھوں معراج نامے، نور نامے، رحمت نامے، مدحیہ قصیدے، نعتیں اور مناجاتیں لکھی گئی ہیں جن میں زیادہ قابل ذکر کتابیں یہ ہیں: مدح امیر علی، مدح محبوب سبحانی" خیر الدین۔ مدح روشن" مولوی روشن دین۔ "مدح مقبول۔" "مدح شرف دین" "سی حرفی مدح لدھا۔" "معراج نامہ نادر یار"۔ "معراج نامہ احمد یار"۔ "معراج نامہ شیخ جھنڈا"۔ "معراج نامہ درویش"۔ "معراج نامہ نور محمد"۔ "معراج نامہ میاں عبد الحکیم بہاولپوری" "معراج نامہ اللہ دتا شاد"۔ "رحمت نامہ" شیخ عبد العلی عرف جھنڈا "مناجات مولوی دلپذیر"۔ "مناجات" میاں امام بخش، وغیرہ ہیں۔ ان کے علاوہ بیشمار نعت خوانوں نے دربار نبوت میں توبہ و ندامت کے ساتھ اپنے گناہوں کا اقرار بھی قلمبند کیا ہے۔ اور امت احمدی کے لئے بخشش کی التجائیں بھی کی ہیں۔ شانِ رسولؐ کی جلوتیں، خلوتیں، وحی، مہر نبوت، سواری، اور عفو و کرم کے متعلق وہ باتیں کہی گئی ہیں جو انسان کو خدا تک پہنچنے کی منزل سمجھاتی ہیں۔ نعتوں کے لئے اقبال جالندھری۔ دین محمد سوداگی۔ دائم اقبال، راقب قصوری، محمد بخش فرشی، محمد اسمٰعیل عیشی۔ پیر بخش عاصی۔ حبیب اللہ، ڈاکٹر جمشید علی کے نام بھی قابل ذکر ہیں جن کی نعتیں پنجابی عوام میں بے حد مقبول ہیں۔ ان نعتوں کے چند نمونے اس قابل ہیں کہ انہیں یہاں مطالعہ کے لئے پیش کیا جائے:

نبی صفی دا سید سرور نے کوثر دا ساقی
جیں حق خاص شفاعت کبریٰ ختم رسل اتفاقی
وچ اشارے انگل جیں دی شق قمر نہ افلاکی
جمع کلم وچ حرف زبانی شاہ سوار براقی
ثاقب نجم قمر تے شمسوں الوند گوہر خاکی
جیں نے پاک قدم دی برکت فخر کرے وچ خاکی
مظہر فیض اتم یگانہ مطلع صبح ظہوری
اوہ شاہ بیت قصائد عالم جیں وچ خوبی نوری

(مولوی غلام رسول عالمپوری)

۲: یا محمدؐ یا محمدؐ آ کدی کر پھیریاں
تیری بندی جنگلی بندی تیرے در دی چیریاں
برہوں نیہاں لاٹاں بلیاں گلیاں گلیاں کوک دی
پوہنچ سائیاں کہیاں سائیاں سانوں لوڑاں تیریاں
آپے کھنا آپے مُٹھنا آپے رُٹھنا کہیہ بھلا
پیر پیاں پکڑ بیٹھیاں دکھاں درداں گھیریاں
یا محمدؐ یا محمدؐ آ کدی کر پھیریاں

میں قربان کمینی اوس مکی مدنی ماہی توں
جھو پیاں اڈیاں رگڑن آڈیاں جاندیاں کڈھیاں وڈیاں وڈیاں
راہ غم کھاندیاں میریاں ہڈیاں دردی بے پرواہی لتوں
میں قربان کمینی اوس مکی مدنی ماہی توں
(راؤف قصوری)

۴: نعتیہ گیت
اج رات برات محمد دی عرشاں تے جاوےگی
میں سدقے عربی لاڑے توں جنج خوب سہاوےگی
ساری امت دا سردار بن کے لاڑا ہو یا تیار آ کھن اج احمد مختار
دی اسواری آوےگی

۵: تیندی سواری یا نبیؐ عرش بریں تے گئی اے
ویکھ کے جلوہ طور دا موسیٰ نوں ہوش نہ ہی آئی اے
آجا کمبل پوش پیاریا تیرے نام توں سب کچھ واریا
تیری خاطر اہ کاج سنواریا کیتنے دو جگ تیندڑے لئی اے
تیندی سواری یا نبیؐ عرش بریں تے گئی اے
(محمد بخش فرشی)

نعتیہ گیت:
۶: ساون سون نہ بھاوے نیناں نیند نہ آوے

برچھی ہجر چلا دے کٹھی میں ان بھول
لگدے مٹھڑے سانوں
مکی مدنی دے بول
(اقبال جالندھری "بارہ ماہ نعتیہ")

۷:
یثرب والیا سائیاں تن من دھن سب گھول گھمائیاں
واہ واہ تیریاں پاک کمائیاں مگیاں نین پران نچوڑ
کدی تے میں ول واگاں موڑ
رب دا کوئی نہ رشتہ ناطہ نہ تس پتر نہ ماتا
توں دسیا ندا ساں پچھاتا دتے شیشے شرک تروڑ
کدی تے میں ول واگاں موڑ
یثرب والیاں سائیاں
(عبداللطیف عارف)

۸: یثرب والیا سائیاں میری جندڑی نہ رول
کملی والیا بیبا سدکے کملی نوں کول
تیرے دوارے تے آواں رو رو حال سناواں سینہ چیر وکھاواں
دل دے زخماں نوں کھول یثرب والیاں سائیاں میری جندڑی نہ رول
تیرے عشق نگینے بالی اگ سینے سدکے وچ مدینے
دے دکھاں ننگی میں رول
یثرب والیاں سائیاں میری جندڑی نہ رول
(محمد اسمٰعیل عیسٰی)

۹: اٹھ شہر مدینے نوں چل جندڑی
در پاک رسولؐ دا مل جندڑی
جے توں راہ وچ رل کے مر جاویں گی وچ دوہاں جہاناں دے تر جاویں گی
اوتھے جلکے پاویں گی بھل جندڑی اٹھ شہر مدینے نوں چل جندڑی۔۔۔
جی کر دا ئے جوگن بن کے چلاں بھگوے کپڑے تے انگ بھبھوت ملاں
زلفاں کھلیاں ہون وچ گل جندڑی اٹھ شہر مدینے نوں چل جندڑی۔۔۔
(دین محمد سودائی)

مرحبا مرحبا مرحبا مرحبا
یا رسول خدا یا حبیب خدا
اک میری التجا اک میری التجا
تسیں نور خدا دا آئے او اک پاک کتاب لیائے او
جس سانوں سکھایا صلِّ علیٰ
تسیں آئے ہو لولاک جناب رب کیے منزل وچ کتاب
ہو طٰہٰ تے یٰسین خطاب
تسیں نبیاں دے امام ہوئے اتے وچ محمود مقام ہوئے
جتھے رب دے خاص سلام ہوئے
تہاڈی شان نوں جانے آپ خدا جدوں موسیٰ منگی ایہہ دعا
مینوں اُمت احمد وچ بٹھا

مرحبا مرحبا مرحبا مرحبا
جدوں آکھے لمن الملک خدا سب نفسی نفسی ہو گ صدا
کرد اُمتی اُمتی تسیں ندا

مرحبا مرحبا مرحبا مرحبا
تسیں رب دے خاص پیارے او توسین دے پاک اشارے او
اتے رات معراج دے لاڑے او مرحبا مرحبا مرحبا مرحبا
ذرا دل جمشید دھیان ہووے کون تدھ بن جانی جان ہووے
ماں باپ بھی وچ جنان ہووے مرحبا مرحبا مرحبا مرحبا
یا رسولؐ خدا یا حبیب خدا اک مری التجا
(ڈاکٹر جمشید علی ایم۔اے۔پی۔ایچ ڈی)

۱۱: شاہِ دین ختم الانبیا ساڈا
ہر مشکل وچ مشکل کشا ساڈا
نالے شافعِ روزِ جزا ساڈا
جسدی شان دا کوئی حساب نہیں گا
کیتا خالق نے عجب ہے شان اُسدا
قرآن وچ ہیوے بیان اُسدا
ہر انسان ہے رطب اللسان اُسدا
کوئی اس جیہا عالی جناب نہیں گا
نورِ اوّل ظہور آخریں ہیوے
سورۃ طٰہٰ مزمل یٰسین ہیوے
عاشق اسدا رب العالمین ہیوے
ہمسر فلک تے اسدا مہتاب نہیں گا
اُسدے نور دا سب ظہور آیا
سب دی زبان تے اسدا ذکور آیا
روشن عالم وچ اسدا نور آیا
گل کل نبیاں وچ جسدا جواب نہیں گا
(استاد غلام رسول گھائل پشاوری)

پنجابی زبان کے صوفی شعرا نے جو نعتیہ کلام قلمبند کیا ہے، وہ تصوّر، فکر و نظر اور سوز دروں کی ایک اور ہی تصویر پیش کرتا ہے ان کے ہاں اپنی ہی تلمیحات اور اصطلاحات ہیں جو خاص عوامی ہیں۔ اور جس کے مقامی لنگ نے مدح رسولؐ میں ایک اور ہی کیفیت پیدا کر دی ہے۔ اس کے چند نمونے بھی محفوظ کرنے کے قابل ہیں:

(الف): احمدؐ وچ میم دا گھنگھٹ[1] جیہن چھوت دراز تھیا
اک نقطہ وحدت والا جنس کنا دراز تھیا
اساں راگ برہم دا سُنیا سوزاں دا اہن سوز تھیا
وحدت دے دریاوے اندر علی حیدر میم جہاز تھیا
(علی حیدر ملتانی)

(ب): بسم اللہ بسم اللہ دا اِہ بھی گہنا بنیا راھو
نال شفاعت سرورِ عالمؐ چھٹسی عالم سارا ھو
حدوں بیحد درود نبیؐ نوں جسدا اَیڈ پسارا ھو
میں قربان تنہاں تھیں باھو جنہا ملیا نبی سہارا ھو
(سلطان باہوؒ)

اٹھ چرخہ کت سویرے توں کر داج تیار اگیرے توں۔
کر منہی نیند بریرے توں

---

[1] پنجاب کے صوفی شاعر بلھے شاہ (قصوری) کے ہاں یہی رمزیوں بیان ہوئی ہے۔

کت چرخہ چھوپے کھت کپڑے نہیں آونا جوبن وت کپڑے
واہ شہ نے چھلی بنائی اے سوہے چرخے نال سہائی اے
تدھ اک وی تند نہ پائی اے
نہیں ڈاہنا نت نت کت کپڑے کت چرخہ ....
ایس چرخے رمز[1] چھپائی توں نالے حق نوں حق سنجائی توں
حق پاک نبیؐ نوں جانی توں
جیندا شان مزمل آیا کپڑے کت چرخہ ....
(محمد فاضل جہلمی: "سوہا چرخہ")

پنجاب کے عوامی شعرا کے ہاں بھی چرخے کو ایک رمز و علامت بنا کر اسے نیک اعمال کی تلقین کے لئے استعمال کیا گیا ہے:

کھوک دے چرخے تبنوں نال نصیباں دے کتنا
پنج پونیاں تے ترہیہ گڈیاں
کت لے نی بھلیئے لگروں ناپیاں داج کجھ نہیں گھٹنا
ہک دیہاڑے وحی جنہیں نازل ہونا ئیں
جان تیری نوں کھسنا
روح[2] حوالے رب دے پنجرہ رہ جانا ئیں سکھنا
عملاں نال بنیڑے اگانہہ کوڑ کبہرائی بکنا
آکھ فقیرا موماں کلمہ تے ہندو آں نام ہری رام دا جپنا
(فقیر مستانہ: "ڈھولا")
ص: صاحباں یاد کرنی صاحبؐ نوں مرزا سردار انبیاواں دا
اوہ جاگیر دا مالک تے وسو بدار بھرا واں دا
دیس دا صوبہ تے راڈ راوی دے راواں دا
اودوں جھاڑیاں ذکر کرینیاں جدوں اچھلے جوش دریاواں دا
راہ تے کھلے ملائک حوراں شوق ہٹیاں رکھن لا واں دا
جتھے مرزے خان ہے لوائے فقیر خادم رہندائے انہاں تھاواں دا
(فقیر مستانہ: "ڈھولا")

پڑھ بسم اللہ نے لے سچے رب دا جہڑا آپ غفور ہوسی
پیدا ہویا نبیؐ چوداں طبقاں وچ نور دا نور ہوسی
نبیؐ توں اگے چن نہ تارا ایویں غم غرور ہوسی
نبیؐ توں اگے عیسی نہوئی نہ پہاڑ کوہ طور ہوسی
نبیؐ توں اگے نوری نہ ناری نہ خاکی پتلا
ساڈے اکھیاں دا سرمہ سوہنے نبیؐ دے قرماں دی دھوڑ ہسی
سودے ہوونے نفس نفسی عدالت اتے آپ حضور ہوسی
اوتھے سانوں بولن دا حکم نہ کائی سوہنے نبیؐ دا ناں مشہور ہوسی
نبیؐ پاک ملاح ہوونا ئیں اوگہناراں دا پور ہوسی
تسیں بھی منگو دعائیں میں بھی منگاں
شالا نبی پاک محمدؐ آپاں توں اگانہہ نہ دور ہوسی

پنجاب کے عوامی گیتوں میں بھی رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارا نجات دہندہ داعیٔ مطلق اور شفاعت کا سرچشمہ قرار دیتے ہوئے اس طرح تاثرات پیش کئے گئے ہیں

نٹر کے تے لاری آ
اگے دے رسول اللہؐ پچھے خلقت ساری آ
سنیا ریاکٹ چاندی
بخش دیویں مولا خطا بندیاں توں ہو جاندی
دلبوے وچ تیل کوئی نہ
رب ساڈے کول وسدا ساہنوں ملدا وسیل کوئی نہ

ایک عوامی شاعر نے جس خلوص و عقیدت سے روضۂ پاک سے اپنے والہانہ جذبات کی وابستگی کو پیش کیا ہے اس کی مثال ہے

(باقی صفحہ ۱۹۶ پر)

---

[1] احمد احمد وچ فرق نہ کائی رتی اک فرق مروڑی دا
[2] مادھولال شاہ حسین کے یہاں بھی رمز یوں بیان ہوئی ہے:
"چرخہ بولے سائیں سائیں"
بائبر بولے توں
کہے حسین فقیر سائیں دا ایں ناہیں سب توں
[3] زبان لوک گیت کے کتنے قریب ہے
قراں آڈیک دیاں جیئوں بتراں نوں ماواں۔
[4] یار دے حوالے کیتی دو گھا ساتھوں کی منگدے (لوک گیت)
[5] ۔۔ اوتھے عملاں تے ہون نبیڑے ذات کوئی پچھدا نہیں (لوک گیت)
[6] "مرزا" محبوب کے لئے بطور علامت استعمال ہوا ہے۔ جیسے شاہ نے بھی پنجاب کی داستانوں کے کرداروں کا سہارا لیا ہے
لوکاں بھانے چاک جیکیتا ساڈا رب غفور

"...کا آبروئے* ہر دوسرا است"

(نعتیہ کلام : ایک تقابلی مطالعہ)

نور کاشمیری

خدا تعالیٰ کے بعد دنیا میں سب سے زیادہ جس ہستی کی تعریف و توصیف کی گئی ہے۔ وہ جناب رسالت مآبؐ کی ذاتِ والا صفات ہی ہے۔ اس میں کسی قوم، گروہ یا مذہب کی کوئی تخصیص نہیں۔ غیر مسلم تک آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں رطب اللسان ہیں۔ قدیم شعرا کا تو دستور ہی یہ تھا کہ خواہ کچھ بھی نظم کریں حمد کے بعد نعت ضرور ہوتی اور کم وبیش یہی طریقہ بیسویں صدی کے اوائل تک رہا اس کے بعد یا تو کچھ شعرا نے اپنے کلام میں نعت کو بالکل ہی چھوڑ دیا (اور حمد کو بھی) یا پھر مستقلاً نعت ہی کو موضوعِ سخن بنایا۔

جیسا کہ لازم تھا، نعت کا آغاز سب سے پہلے عربی ہی میں ہوا۔ پھر یہ فارسی سے ہوتی ہوئی اردو، کشمیری، پشتو، پنجابی سندھی اور بنگالی میں بھی آئی۔ برصغیر ہند و پاک میں جوں جوں اسلام کا اثر و نفوذ بڑھتا گیا مقامی شاعری میں نعت ایک مستقل موضوع کے طور پر شامل ہوتی گئی۔ نعت گو عربی شعرا میں حضرت حسانؓ بن ثابت کا نام سرفہرست ہے۔ ان کے بعد عشقی اور صاحب قصیدہ بردہ، حضرت شرف الدین، محمد بن سعید بن حماد البوصیریؒ کا نام نامی ہے۔ فارسی میں سعدی، رومی خسرو، سنائی، عطار، نظامی گنجوی، خاقانی، قدسی، عرفی، جامی، اور قاآنی نے اس کو بامِ عروج پر پہنچایا۔ اردو میں، امیر مینائی، حالی، اقبال، ظفر علی خاں، سالک، سیماب، اور پھر حفیظ، اثر صہبائی، نعیم صدیقی، ماہر القادری، شکیل، بہزاد اور مختصر و غیر اہم قابل ذکر ہیں۔

یہی نہیں بلکہ مغربی پاکستان کی علاقائی زبانوں میں بھی نعتیہ کلام کا معتد بہ ذخیرہ موجود ہے۔ بعض منظومات میں عربی، فارسی اور اردو کا تتبع کیا گیا ہے۔ تاہم یہ تتبع اس قدر کامیاب ہے کہ کہیں بھی ترجمے کا گمان نہیں ہوتا بلکہ بعض جگہوں پر تو ترجمہ اصل سے کہیں زیادہ سلیس، بامحاورہ اور رواں ہے۔ ان نعت گو شعرا میں خوشحال خان خٹک، ثاقب کاشمیری، ثناء اللہ کریمی، شاہ عبداللطیف بھٹائی، سائیں سچل سرمستؒ، سید بلھے شاہؒ، سید وارث شاہؒ، خواجہ غلام فرید، سید فضل شاہ، میاں محمد بخش، مولوی غلام رسول عالم پوری، میاں محمد بوٹا، شہاب الدین کشنہ، غلام رسول، ہدایت اللہ، رحیم یار، کرم، پیر فضل گجراتی، ڈاکٹر فقیر محمد فقیر، قریشی احمد حسین احمد، دائم اقبال دائم نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔

حضرت حسانؓ بن ثابت، فنِ نعت گوئی کے امام، حقیقتاً اس صنف کے بانی مبانی تھے۔ اگر ہم آج سے تیرہ سو سال پیشتر نظر ڈالیں تو وہ ایک گروہِ کثیر کے پیش رو نظر آئیں گے۔ ان کے وہ لافانی اشعار جن کو بہت لوگ پڑھنا بھی ذریعہ نجات سمجھتے ہیں کم و بیش ہر ایک مسلمان کو ہی حفظ ہوں گے۔

وَاَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِي
وَاَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ
خُلِقْتَ مُبَرَّاً مِنْ كُلِّ عَيْبٍ
كَاَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

نہ دیکھا بڑھ کے حسیں تجھ سے میری آنکھوں نے
جنا نہیں کسی عورت نے بڑھ کے تجھ سے جمیل
ہر ایک عیب سے دنیا کے تیری ذات بری
کہ جیسے خود تری مرضی سے خلق ذات نبیل

---

* محمدؐ عربی کا آبروئے ہر دوسرا است
ہر آنکہ خاک درش نیست، خاک برسر اوست

یہی خیال ایک اور زبان میں کس خوبی سے جلوہ گر ہے:

"سوہنا تدھ جیہا نہیں کوئی ویکھیا میں
نہ ایہہ جمیا ماؤ جہان اندر
پیدا ہویوں ہر عیب تھیں پاک پیارے
جنویں مرضی سی تیری بنان اندر"

پشتو کے نامور شاعر، خوشحال خان خٹک نے انہی خیالات کو کیسے اچھے رنگ میں پیش کیا ہے:۔

جہاں میں بہت لوگ پیدا ہوئے
وہ ہوں انبیاء یا کہ ہوں اولیاء
مگر کوئی خلقت میں تجھ سا نہیں
کریں گر بہم انس و جن برملا
محمدؐ کے اوصاف سب سے فزوں
محمدؐ کے اخلاق سب سے سوا

رحیم بخش لاہوری کی ایک "حرفی" کا پہلا مصرع ہی حضرت حسانؓ کے دونوں شعروں کا مفہوم اس طرح بڑی خوبی سے ادا کرتا ہے:

الف، اوسنوں کی تشبیہہ دیواں! جیسدا دوسرا انہیں جواب آیا
سورج کنوں روشن متھا کی جھلے، جیں توں ہون قربان مہتاب آیا
اُسدے قُرب کمال نوں کون جانے لولاک دا جس نوں خطاب آیا
ڈگے بت خدائی دے وچ سجدے ساقی وحدتؐ دی لے کے شراب آیا

توصیفِ رسولؐ میں "قصیدہ بُردہ" کی عظمت و شرف محتاجِ بیان نہیں، اس کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ اردو سے قطع نظر، اس کے ہماری علاقائی زبانوں میں بھی متعدد منظوم تراجم ہو چکے ہیں۔ اور ان کا سلسلہ برابر جاری ہے۔ بلاشبہ فصاحت و بلاغت کی رو سے بھی یہ نعتیہ شاہکار اپنا جواب آپ ہے۔ عجمی تو کجا کوئی عربی بھی آج تک ایسا قصیدہ نہیں لکھ سکا جو حسنِ بیان میں اس کا حریف ہو۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:۔

محمد سید الکونین والثقلین
والفریقین من عرب ومن عجم
هو الحبیب الذی ترجی شفاعتہ
لکل ہول من الاھوال مقتحم
فاق النبیین فی خلق و فی خلق
ولم یدانوہ فی علم ولا کرم
وکلھم من رسول اللہ ملتمس
غرفا من البحر او رشفا من الدیم
منزہ عن شریک فی محاسنہ
فجوھر الحسن فیہ غیر منقسم
فمبلغ العلم فیہ انہ بشر
وانہ خیر خلق اللہ کلھم
فانہ شمس فضل ھم کواکبھا
یظھرن انوارھا للناس فی الظلم
اکرم بخلق نبی زانہ خلق
بالحسن مشتمل بالبشر متسم
کالزھر فی ترف والبدر فی شرف
والبحر فی کرم والدھر فی ھمم
کانما اللؤلؤ المکنون فی صدف
من معدنی منطق منہ ومبتسم

محمدؐ سید الکونین و ثقلین
عرب ہوں وہ جہاں میں یا عجم ہوں
حبیبِ حق ہیں وہ اُن کی شفاعت
ہے ہر احوال میں گو خوف و غم ہوں
فزوں ہیں خلق میں خلقت میں سب سے
نبیؐ کب ہمسر علم و کرم ہوں
طلب یک جرعہ کرتے ہیں انہیں سے
کہ جیسے وہ سراپا بحر و یم ہوں
محاسن میں ہیں شرکت سے مبرا
کہ جوہر حسن کے کب منقسم ہوں
بشر جانیں بحد علم و دانش
وگرنہ سب جہاں کے محترم ہوں
نبی ظلمات میں تارے سراسر
ہیں افضل سب سے حضرتؐ گو بہم ہوں

گرامی صورت و سیرت میں دونوں
پہ حسن اور خلق اوج افزائے یم ہوں
بہ نزہت گل، شرف میں بدر کامل
بہ رحمت دہر قلزم در کرم ہوں
صدف میں دُرِ مکنوں کی طرح ہیں
تبسم، نطق، تنویر اتم ہوں

اہل کشمیر بھی ثنائے خواجۂ یثرب میں کسی سے پیچھے نہیں۔ علامہ ثناء اللہ کریری فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم لدنی بخشا۔ اور آپ کو ساری مخلوق کی رہنمائی کا درجہ عطا کیا۔ مقامِ "قاب قوسین اوادنیٰ" میں آپ ہی کے لئے "اُدن منی" کا خطاب ہوا، اور (تمام) اسرار آپ پر آشکارا ہوئے۔"

"عرش معلیٰ کی سیر کے لئے جبرئیل امینؑ آپ کے لئے براق لے کر حاضر ہوئے۔ آپ نے لامکاں تک سواری کی۔ جن و بشر آپ کی تعریف سے قاصر ہیں۔ قرآن کے تیس پارے آپ ہی کی تعریف سے مملو ہیں۔ ثناء اللہ کی نعت پر قدرے توجہ فرمائیے۔ اور اس کی الحاح و زاری سنیئے۔ آپ شفیع مذنبیں ہیں۔"

تائب کاشمیری نے اپنے جذبات عقیدت کی اس والہانہ انداز میں ترجمانی کی ہے:

"میں قربان! میری یاوری فرمائیے۔ اس سے میری خواری اور بیماری جاتی رہے گی۔ میں ہر طرح کی ناداری سے مضطر ہوں۔ خدا کے لئے میری سنئے۔ آپ غریبوں کے پالنے والے ہیں۔ جس کا یاور آپ جیسا پیغمبر ہو۔ اسے دنیا اور آخرت کا کیا غم، تائب کی آرزو ہے کہ آپ ایک بار غریب خانہ پر تشریف لائیں تو (اپنا) سر قدموں پر قربان کر دوں۔"

خوشحال خان خٹک نے کئی مقامات پر حضورؐ سے دلی عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ از انجملہ ذیل میں چند عقیدت پاروں کا عکس ترجمہ کی شکل میں پیش ہے:

خدا کا عرفان مجھے حضرت محمدؐ کے عرفان سے حاصل ہوا،
محمدؐ اور ان کا سبحان تعالیٰ دونوں پاک ہیں۔
آؤ دیکھو طٰہٰ اور یٰسٓ پر غور کرو۔
خدا نے خود ہی قرآن شریف میں حضرتؐ کی تعریف کی ہے،
اگر حضرت موسیٰ کے حکم سے دریائے نیل پھٹ گیا،
تو حضرت محمدؐ کے فرمان سے چاند شق ہوا،
اگر حضرت موسیٰ کے حکم سے ایک لاکھ آدمی من و سلویٰ کھاتے تھے۔
تو حضرت محمدؐ کے خوان سے تمام جن و انس کا پیٹ بھرتا ہے۔
ناقوس کا دور تو چند روزہ تھا، مگر حضرت کی اذان
تا قیامت قائم رہے گی۔
تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر گذرے ہیں وہ سب بھی
ہمیشہ حضرتؐ کے ثنا خواں رہے۔
تمام جنتیں اور ان میں ہر قسم کی نعمتیں یہ سب کیا ہیں؟
میں بتاؤں! یہ سب حضرت محمدؐ کا بوستاں ہے
یہ دوزخ اور اُن میں اس قدر عذاب، یہ سب کیا ہیں؟
یہ حضرت محمدؐ کے دشمنوں کے لئے ایک قید خانہ ہے۔
جب قیامت کا دن ہوگا اور انبیاء پہ ہیبت طاری ہوگی۔
تو وہاں سب دوڑے دوڑے آپؐ ہی کے پاس آئیں گے
خستہ حال گناہگاروں کی اور کوئی شفاعت نہیں کرے گا
بس حضرت محمدؐ۔
شفاعت کریں گے اور آپ کا خدا اسے قبول کرے گا۔
سو صلوٰۃ و درود میری طرف سے آپؐ پر، آپؐ کی آل پر،
اور تقی اور نقی پر،
اور سو درود ہمیشہ حضرت کے چار یاروں پر
خوشحال نے دونوں جہانوں میں دامان محمدؐ تھام رکھا ہے۔
اس لئے اُسے کوئی غم و اندوہ نہیں۔"

یہاں قصیدہ بردہ کے مندرجہ بالا اشعار میں سے کس کس کا مفہوم خوشحال خان خٹک نے کیسے احسن طریقے سے ادا کیا ہے۔ اس کا اندازہ ارباب نظر خود کر سکتے ہیں۔

پنجابی شاعر، مولوی غلام رسول عالمپوری نے بھی اپنے کلام کو نعتِ رسولؐ سے زینت و شرف بخشا ہے، اور کس انداز سے:

جوہر عرض وجود خلائق اصل اصول کمالی
امت خیر امم دا والی، نام محمدؐ عالی

نبی صفی دا سید سرور تے کوثر دا ساقی
جیں حق خاص شفاعت کبریٰ ختم رسل اتفاقی
وچ اشارے انگل جیسدی شق قمر افلاکی
خیر الناس، سب دا افصح، خواص لبے تریاقی
ثابت، نجم، قمر تے شمسوں انور گوہر خاکی
جیں نے پاک قدم دی برکت فخر کرے وچ تاکی
رحمت عالم، سایہ عالی، قامت سایوں خالی
خوشبو عرق، بدل سر سایہ، پاک کتاب نرالی

میاں محمد بخش کے یہاں بھی والہانہ جذبات عقیدت کی فراوانی نظر آتی ہے:

واہ کریم امت دا والی، مہر شفاعت کردا
جبرائیل جیہے جس چاکر، نبیاں دا سرکردا
اوہ محبوب حبیب ربانا حامی روز حشر دا
آپ یتیم، یتیماں تائیں ہتھ سرے تے دھردا
نال اشارے ٹکڑے کتیا جس نے چن اسمانی
شکر وڈاں تھیں پڑھایا کلمہ کردے ذکر زبانی
صدر نشین دیوان حشر دا، افسر وچ اماماں
کل نبی محتاج اوہناں دے نفراں وانگ غلاماں
سخن نہیں کوئی ہوندا ایں تھیں تیرے شان قدر دا
طٰہٰ تے یٰسٓ الٰہی صفت تساڈی کردا
بہت عزت لولاک تینوں میں کیہ صفت سناواں
آل اصحاب سمیت سلاماں ہور درود پہنچاواں

شاید یہ ایک برگزیدہ ممدوح ہی کی شان جمالی وجلالی کا نتیجہ ہے کہ ان سب عاشقانِ رسولؐ کی نواؤں میں اس قدر ہم آہنگی نظر آتی ہے۔ خیالات اپنی اپنی جگہ پر نہایت حسین اور نپے تلے ہیں۔ مولوی غلام رسول کے اشعار میں ہمنوائی کی دانستہ کوشش نہیں کی گئی ہے۔ لیکن خیالات کی روانی، الفاظ کا انتخاب اور استعمال قابل داد ہے۔

شیخ سعدی کی عربی میں نعتیہ رباعی شاہکار ہے اور زبان زد خاص و عام بھی۔

بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِہٖ
کَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَالِہٖ
حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ
صَلُّوْا عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ

اسی کا پرتو ان اشعار میں بھی نمایاں ہے:

یَا صَاحِبَ الْجَمَالِ وَ یَا سَیِّدَ الْبَشَرْ
مِنْ وَّجْہِکَ الْمُنِیْرِ لَقَدْ نُوِّرَ الْقَمَرْ
لَا یُمْکِنُ الثَّنَاءُ کَمَا کَانَ حَقُّہٗ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

پنجابی کے نامور شاعر ڈاکٹر فقیر محمد فقیر کی ایک نعتیہ رباعی گو پورے طور پر توان خیالات کو ادا نہیں کرتی۔ مگر نفس مضمون کافی کچھ ملتا جلتا ہے۔ سلاست اور پروازِ فکر خصوصاً جاذبِ توجہ ہے:

راساں رات معراج دی پکڑ سرور جدوں چڑھے براق دی زین اُتے
ادہوں منزلاں بھج کے قدم چُمے آیا دوڑ کے عرش زمین اُتے
ملاقات دے شوق دی حد ہوگئی۔ ناز ختم ہوگئے نازنین اُتے
اے فقیر اخیر بلندیاں دا ہویا خاتم ختم المرسلین اُتے

فارسی شعراء میں جامی صف اول کے نعت گو شمار ہوتے ہیں۔ مغربی پاکستان کے کئی شعراء ان سے متاثر ہیں اور بعض نے توان کا تتبع بھی کیا ہے۔ چنانچہ ان کے درج ذیل نعتیہ اشعار اکثر شعراء کے کلام میں جھلکتے ہیں:

زمہجوری برآمد جان عالم
ترحم یا نبی اللہ ترحم

یا

نسیما جانبِ بطحا گذر کن
ز احوالم محمدؐ را خبر کن
توئی سلطانِ عالم یا محمدؐ
ز روئے لطف سوئے من نظر کن
ببر ایں جانِ مشتاقم در آنجا
فدائے روضۂ خیر البشر کن
مشرف گرچہ شد بے چارہ جامی
خدایا ایں کرم بارِ دگر کن

لہ جامی زلطفت

اختر شیرانی بھی جامی کے تتبع میں نسیمِ سحر سے پیغامبر کا کام لیتے ہیں لیکن ذرا مختلف طریقے سے :

اگر اے نسیمِ سحر ترا ہو گزر دیارِ حجاز میں
میری چشمِ تر کا سلام کہنا حضورِ بندہ نواز میں
تمہیں حدِ عقل نہ پا سکی فقط اتنا حال بتا سکی
کہ تم ایک جلوۂ راز تھے جو نہاں ہے رنگِ مجاز میں
نہ جہاں میں راحتِ جاں ملی نہ متاعِ امن و اماں ملی
جو دوائے دردِ نہاں ملی تو ملی بہشتِ حجاز میں

غلام رسول غلام کا انتخابِ الفاظ اپنے اندر غیر معمولی شوریدگی و احساس لئے ہوئے ہے۔ کچھ عجب نہیں کہ اس میں زبان کے خاص مزاج اور تاثیر کو بھی دخل ہو جس میں اصلیت اور خلوص کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔

صبا روضے رسول اللہ دے جائیں
میرا احوال رو رو کے سنائیں
کہیں بعد از ہزاراں بار صلوات
کروڑاں بار تسلیمات و تحیات
النبی عشق سے جل بل گیا جی
کہو اس درد دا دارو کراں کی
حوالے محبوب ربانی نگاہ کر
وچھوڑے سے ہے جاں آئی لباں پہ
میرا دل چور کتیا درد تے غم
ترحم یا رسول اللہ ترحم

کراں دن رات میں عاجز دعائیں
خداوندا حبیب اپنا ملائیں

ایک اور شاعر قمر نے خیالات کی روانی اور الفاظ کی سادگی کو اپنے کلام کی رعنائیوں میں یوں سمویا ہے :

اے صبا توں جا کے آکھیں احمدؐ مختار نوں
مکھ وکھاؤ حضرت کدی تاں آکے اوس لاچار نوں
میں نمانی درداں ماری تڑفدی ہاں رات دن
تیں بناں پچھے نہ کوئی آکے اس بیمار نوں
آ خدا دے واسطے کر مہربانی دی نظر
آ وساویں یا نبی اجڑے میرے گھر بار نوں
لے لے تیرا نام ہر دم جیوندی ہاں یا نبی
صدقے جاواں آکھدی سن لے میری گفتار نوں
سیاں بہہ بہہ ہسدیاں تے میں کوئی بدروہی آں
موتیاں دی قدر کی اے کوڑی دے وپار نوں

رحیم بخش لاہوری نے صرف ایک "حرفی" ہی میں یہ سارا مضمون ادا کر کے دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے :

ب : "بادِ صبا جے توں جا سکیں عرضی لے کے میری دربار آئیں
ہتھ جوڑ کے گوش گزار دیویں کل انبیاء دے سردار تائیں
آکھیں وچ لاہور مشتاق تیرا انت بخشدا بیٔ دیدار تائیں
رحیم بخش ڈگا غم دے بحر اندر کرو پار حضرت گنہگار تائیں"

یہی خیال سندھی شاعر مخدوم پیر محمد لکھوی نے ایک اور رنگ میں پیش کیا ہے۔ اس نے صبا کو قاصد بنا کر نہایت دلکش الفاظ میں ہدیہ نیاز اس طرح پیش کیا ہے : ۔

اَي صبا، واءِ صبوح جا حاظي خير زمان
تون ديہار و رحمان جو ۽ واحمد قربان
تون ميا نجي محبوبن جي پيك سندو پريان
تون پانڌي پيارن جو اوبي اكثر بيان
حب جنين جي هيڙيو هنيون هزار دا
سلڪ تنين جي ساڻ كي سكايو سوڪا
ونءُ تون منا واڙا واقف وانگر يا

ہمارے ہاں کے ایک غیر مسلم شاعر نے بھی مدحِ رسولؐ

کا حق ادا کیا ہے اور بڑی گہری عقیدت کے ساتھ اس نے آنحضورؐ کے فراق میں ایک " باراں ماہ" (بارہ ماسہ) لکھا ہے۔ اس میں سے صرف "ایک ماہ" جو اسی خیال کی ترجمانی کرتا ہے دیا جاتا ہے۔ اس عجز و انکسار کے کیا کہنے :-

" اسُوں ۔ عرضی درج مدینے باد صبا پہنچاویں نی
کہدیں تڑفے عاشق تیری رو رو حال سناویں نی
خبرے نظر مہر دی کردے میری سفارش لاویں نی
مِلکھی کدھرے بھل نہ جاویں اہو اجواب لیاویں نی "

نامور صوفی شاعر، شیخ فریدالدین عطارؔ، نعتِ رسول میں یوں نغمہ سرا ہیں :-

خواجہ دنیا و دیں گنج وفا
صدر و بدر ہر دو عالم مصطفےٰؐ
آفتاب شرع و دریائے یقیں
نورِ عالم رحمۃ اللعلمیں
مہترین و بہترین انبیاء
رہنمائے اصفیاء و اولیاء
آفرینش را جزاوُ مقصود نیست
پاک دامن ترازو موجود نیست
ختم کردہ حق نبوت را بدو
معجز و خلق و فتوت را بدو
یارسول اللہ بس درماندہ ام
باد برکف خاک برسر ماندہ ام

مولانا رومؔ کی شخصیت تو تمام تر قرآن پاک کی ہی تفسیر ہے۔ اسی لئے ان کی مثنوی معنوی کو "ہست قرآں درزبان پہلوی" بھی کہتے ہیں۔ یہ سراپا جلال شاعر و شیدائے رسول جب بارگاہ رسالتؐ میں ہدیہ نیاز پیش کرے گا تو کیسے کرے گا :-

نور احمدؐ باعث آفاق شد
نور احمدؐ شورش عشاق شد
گر نبودے نور احمد در جہاں
کے شدے پیدا زمین و آسماں

حمد معبودے کہ در جملہ صور
شد بہ انوار محمدؐ جلوہ گر
اوست ایجاد جہاں را واسطہ
درمیانِ خلق و خالق واسطہ
صد کتاب و صد ورق در نار کن
روئے دل را جانب آں یار کن

سائیں سچلؔ سرمست کی ایک نعت میں یہی خیال اور رنگ میں جلوہ گر ہے :-

کل نبیاں دا سرتاج محمدؐ
بحر عرف امواج محمدؐ
" قاب قوسین او ادنیٰ "
شرف شب معراج محمدؐ
امت تیری کیوں غم کھاوے
جیں دی تیکوں لاج محمدؐ
سچلؔ کوں غم کوئی ناہیں
کتیا "لا یحتاج" محمدؐ

سیّد وارثؔ شاہ کے پنجابی نعتیہ کلام میں حضرت حسّانؓ بن ثابتؓ اور مندرجہ بالا فارسی شعرا کی جھلکیاں دکھائی دیتی ہیں :

دوجے نعت رسول مقبول والی جیندے حق نزول لولاک کتیا
خاکی آکھ کے مرتبہ وودھ دتا، سب دنیا دے عیب تھیں پاک کتیا
سرور ہوئے کے انبیاء اولیاء دا اگے حق دے آپ نوں خاک کتیا
کرے "امتی امتی" روز محشر خوشی چھڈ کے جیو غمناک کتیا

سیّد فضلؔ شاہ اور سائیں سچلؔ سرمست کے تخیل کی ہم آہنگی دونوں کے دلہائے پرشوق کی یکساں دھڑکنوں کی آئینہ دار ہے :

دوجی نعت آکھاں نبی پاک تائیں جنہیدے شان قرآں نزول ہویا
احد نال ہویا اک ذات احمدؐ جس رات وصال وصول ہویا
"اَوْ اَدْنیٰ" کولوں ہو نیڑے وچ خاص جناب قبول ہویا
فضلؔ شاہ پرواہ کی امتاں نوں جنہاں پشت پناہ رسول ہویا

اور میاں محمد لوٹا کے دل کی دھڑکنیں اور اس کی

شورش نوائیاں بھی ان دونوں کے ساتھ شریک ہیں:

آکھاں صفت سدا سلطان امتِ جنیدے شان قرآن گویا ہویا
سرتاج "لولاک لما" والا ساری خلق سندا بادشاہ ہویا
ملی ذات نوں ذات ہم بات ہوئے کل راز نہاں آگاہ ہویا
رہی آکھو تعریف مخلوق ساری اوڑک سب دا عقل فناہ ہویا
اندر صفت رسول شرمندگی کی میری قلم دا منہ سیاہ ہویا
محمدؐ بوٹیا فکر کی امتاں نوں نبی جنہاں دا پشت پناہ ہویا

سائیں سچل سرمست کا انوکھا رنگ جو انہوں نے فارسی اور اُردو شعراء سے ہٹ کر اختیار کیا ہے، قابلِ داد ہے:

شمع شباہت رُخ دی ڈٹھم شور گھتیندی شبتی
ناں مخلوق سدیجے اسنوں رنگ سمورا ربی
رومی ناں ایران جلپے رکھدا عزم ہے رتی
سچل دا وچ دوہاں جہاناں مشکل حل مربی

استاد کرم ان پر بھی سبقت لے گئے ہیں۔ انہوں نے نعت کا ایسا طریقہ اختیار کیا ہے جو اور کسی کے یہاں دکھائی نہیں دیتا ان کی نظم "پیلو پکیاں کہ ناں؟" کا انداز اس قدر نفیس اور پیارا ہے کہ خود بخود دل میں کھبا جاتا ہے:

میں کہیا مکھ دکھلا مینوں، اس مینوں ایہہ فرمایا
"ایہ برقعہ ہے میم دا اللہ میرے مکھ تے پایا"
سُن کے جُھکیاں وے، کیوں میں جھکیاں کہ ناں؟
میں بلہاری واری تیتھوں میرے سر دیا سایاں!
ایتھے اوتھے دوہیں جہانیں تیریاں ملن ودھایاں
توں تے مدنی ایں کیوں توں مکی ایں کہ ناں؟
کرم کرم اللہ نے کیتا ستے ای پار لنگھائیاں
رُڑھ دیاں جاندیاں کانگ گناہ چوں پھڑیاں بنے لائیاں
ہُن میں بچی آں وے، کیوں میں بچیاں کہ ناں؟
بچّہ ٹوٹرو وے پیلو پکیاں کہ ناں؟

اب مسدس حالی کا نعتیہ حصہ بھی ایک بار پڑھئے جو سادگی اور سلاست میں اپنی مثال آپ ہے۔ اُردو میں حالی کے نعتیہ کلام نے جن حدوں کو چھوا ہے وہ اصلیت و صداقت کی انتہا ہے:

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا
وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا، ضعیفوں کا ماویٰ
یتیموں کا والی، غلاموں کا مولیٰ
خطا کار سے درگزر کرنے والا
بد اندیش کے دل میں گھر کرنے والا
مفاسد کا زیر و زبر کرنے والا
قبائل کو شیر و شکر کرنے والا
اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا
مِسِ خام کو جس نے کندن بنایا
کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا
عرب جس پہ قرنوں سے تھا جہل چھایا
پلٹ دی بس اک آن میں اس کی کایا
رہا ڈر نہ بیڑے کو موجِ بلا کا
ادھر سے ادھر پھر گیا رُخ ہوا کا

سر شہاب الدین نے "مسدس حالی" کا جو منظوم ترجمہ پنجابی میں کیا ہے وہ بلاشبہ منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ حالی کے دوش بدوش چلنا یا ان پر فوقیت لے جانا بظاہر بعید از امکان تھا۔ لیکن مترجم نے کچھ اس طرح ترجمہ، بلکہ تخلیق ثانی کا حق ادا کیا ہے کہ ــــ تشکل امکاں محال کی صورت ــــ کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔ ایک بار پھر زبان کا مزاج، اس کی وضع، اس کی سرشت، سونے پر سہاگہ ثابت ہوئی ہے:

"رحمت" ال سردار پیغمبراں دا
پوری شہدیاں کنگلاں پان والا
ونڈے درد اوہ ست بیگانیاں دے
غم اپنے غیر دا کھان والا

راکھا مال ڈھیراں بردیاں دا
جیہڑا کیہہ، فقیر، بیاں دا

کُھل جگ نوں بخشش بخشاں والا
سجن دیریاں نوں نبھان والا
سارے رنج و فساد مٹان والا
رسّے لڑیاں نوں منان والا
سدھا کھوہ حسرا تیں آن والا
نال اک دے سیاں والا

کنڈن اوس بنایا بگڑا تانیا
اوہدا کھوٹ تے یا دکو اِ دتا
جیہڑا عرب سی وگڑیا بچیڑیاں دا
اوہدی جون نوں تُرت پلٹا دتا
گیا ٹھاہ دی اوکڑ وڑ لنگھ بیڑا
جیہا دار دا رخ بدلا دتا

مولانا حالی کا رنگ نیر ضیاالدین شرف کے نعتیہ کلام میں بھی بدرجۂ اتم پایا جاتا ہے۔ یہ مسدس حالی کی مقبولیت کا ایک اور ثبوت ہے۔ لفظوں کا رد و بدل ظاہر ہے کہ دوسری بات ہے مگر نفسِ مضمون میں ہم رنگی قابلِ لحاظ ہے:

غریباں دا مولی، یتیماں دا والی
مزمل دی کملی سے موہڑے تے کالی
بھلے دا حمیتی گناہیاں دا پالی
اوہدی شان اُچی اوہدا رتبہ عالی

شفاعت دا نوری پوہارا محمدؐ
اوہ مکی تے مدنی پیارا محمدؐ

ترانہ اوہ وحدت دا ایسا سناوے
تے بندے نوں انسان پورا بناوے
اوہ نفرت مٹاوے تے الفت سکھاوے
اوہ نیکی نوازے بدی توں بچاوے

کرے پل وچ راطوں اتارا محمدؐ
اوہ مکی تے مدنی پیارا محمدؐ

رواداری غیراں نوں دکھلان والا
دعا دیکے اثاں سے اوہ کھان والا
تے متھے مبارک نہ وٹ پان والا
گناہیاں نوں لگ سے بخشان والا

سے جنت دا اُچا منارا محمدؐ
اوہ مکی تے مدنی پیارا محمدؐ

"باراں ماہ" کی شکل میں نعتیہ کلام، مغربی پاکستان میں بہت مقبول رہا ہے۔ ان "باراں ماہوں" میں فراق کے احساسات کو شعری قالب میں ایسی دردمندی اور خوش اسلوبی سے ڈھالا گیا ہے کہ وہ انسان کو رلائے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ان کا ترنم بھی بے مثال ہے۔ رحیم بخش لاہوری کے "باراں ماہ" کے دو بند ملاحظہ ہوں:

چیت۔ جیت ہمیشہ کرداں وچ مدینے جاواں میں
روضے پاک نبی دے اتوں اپنی جان گھماواں میں
جے کر ہووے حضوری پوری سارے مطلب پاواں میں
رب رحیم کریم قادر توں ایہو مطلب پاواں میں

بیساکھ۔ بیساکھی لوکی جاون میں ٹُریاں مدینے نوں
جس دی دولت دین دُنی مد دیکھاں وس خزینے نوں
نت تیاری کراں بے چاری میں شعبان مہینے نوں
ویکھن باجھ محمدؐ تیرے بھٹھ گھتاں اس جینے نوں

ایک غیر مسلم شاعر، ملکھی نے بھی اس صنف میں اظہار عقیدت کیا ہے۔ یہ بھی نعتیہ شاہکار ہے۔ شعری ترنم کی یہ کیفیت ہے جیسے کانوں میں رس گھولا جا رہا ہو:

چیتر۔ چند نبی دی صورت مِل کے درشن پائیے نی
سوہنے شہر مدینے اندر خوشیاں عید منائیے نی
روضے پاک مبارک اتوں صدقے صدقے جائیے نی
ملکھی صفتاں کر کر اوہدیاں باقی عمر لنگھائیے نی

(باقی صفحہ ۱۵۲ پر)

نذرِ دلمیر

(بارگاہِ نبوی میں)

بقول مولانا شبلیؒ "فارسی شاعری اس وقت تک بے جان تھی جب تک اس میں تصوف کا عنصر شامل نہ ہوا تھا۔ شاعری اصل میں اظہارِ جذبات کا نام ہے۔ تصوف سے پہلے جذبات کا سرے سے وجود ہی نہ تھا۔ قصیدہ، مداحی اور خوشامد کا نام تھا۔ مثنوی، واقعہ نگاری تھی۔ غزل زبانی باتیں تھیں۔ تصوف کا اصل خمیر عشقِ حقیقی ہے جو سرتاپا جذبہ اور جوش ہے۔ عشقِ حقیقی کی بدولت مجازی کی قدر ہوئی اور اس آگ نے تمام سینہ و دل گرما دئے۔ اب زبان سے جو کچھ نکلتا ہے گرمی سے خالی نہیں ہوتا۔ اربابِ دل تو ایک طرف اہلِ ہوس کی باتوں میں تاثیر آگئی۔"

(شعر العجم۔ ج ۵، ص ۱۲۰)

اس اساس پر اردو اور ہندی کا بھی قیاس کیا جا سکتا ہے۔ بہرکیف اصنافِ شاعری یا نظم میں وہ کلام بھی آتا ہے جسے ہم حمد، نعت، منقبت، مرثیہ اور نوحہ کہتے ہیں۔ اس وقت ہمیں صرف حمد و ثنا کا بیان مطلوب ہے۔ حمد و ثنا میں خدا اور حضرت صلعم دونوں کی تعریف اور توصیف شامل ہے۔ بالفاظِ دیگر حمد صرف خدا کے لئے اور نعت صرف رسولِ مقبول کے لئے مخصوص ہے۔

گزشتہ ۱۴ صدیوں میں حضرت صلعم کی نعت میں نہ معلوم کتنے خوش اعتقاد اور خوش فکر شاعروں نے اپنی اپنی بساط کے مطابق اپنی اپنی زبان میں کتنا کچھ رقم کیا اور کیا کیا کچھ پیش نہیں کیا۔ اس بحرِ ذخار کو اعداد و شمار میں محیط کرنا قطعاً ناممکن ہے مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ اس دفترِ عظیم میں ایسی نعتیں بہت کم ملیں گی جو غلط اور فرسودہ روایات کی تکرار، مبالغے اور غلو سے پاک ہوں۔ اور "باخدا دیوانہ باش و بامحمدؐ ہوشیار" کے مصداق اپنی عقیدت کی بنا پر شاعروں کی اکثریت نے حضرت صلعم کی ثنا و ستائش میں حدِ ادب سے تجاوز نہ کیا ہو۔

متعدد حدیثوں میں بہ صراحت تصریح موجود ہے کہ حضرت صلعم نے فرمایا کہ مجھ کو "سید" اور "مولا" نہ کہو۔ "مولا" اور "سید" تو خدا ہے۔ قرآن میں ہر جگہ خدا ہی کو مولا کہا گیا ہے۔ (سیرۃ النبی جلد ۱، ص ۱۵۲)

"اکثر لوگ یہ کرتے تھے کہ قرآن مجید میں توحید اور معاد کے متعلق جو باتیں ہیں ان کے مطابق اشعار تصنیف کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس سے اسلام کی تائید ہوگی۔ الخ۔ آج یورپ والے اسی سے یہ کام لیتے ہیں کہ حضرتؐ پیغمبر نہ تھے بلکہ جاہلیت کے خطبا اور شعرا سے معتقدات اور خیالات بلکہ طرزِ ادا تک اخذ کرتے تھے۔"

(حاشیہ سیرۃ النبی جلد ۱، ص ۱۹۳)

مرم عربان در سے رائی پرستند
فقیہان دفترے را می پرستند
برانگن پردہ تا معلوم گردد
کہ یاران دیگرے را می پرستند

ان ابتدائی امور کی طرف اشارہ کرنے کے بعد ہم آپ کو سو برس پہلے کے ایک ایسے دیہاتی شاعر سے متعارف کرسکتے ہیں کہ اگر وہ کچھ زیادہ عمر پاتا اور زمانے کے حالات و واقعات اس سے بے وفائی نہ کرتے تو وہ بھی اپنی صنفِ سخن اور طرزِ بیان کی بدولت ایسا ہی معروف ہوتا جیسا کہ بہت سے شاعر اب تک مشہور ہیں۔ ہماری مراد میرٹھ کے رئیس منشی منور خاں متخلص بہ دلمیر سے ہے۔

دلمیر کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ میرٹھ شہر ان کا وطنِ ثانی تھا ورنہ ان کا آبائی یا پہلا وطن ضلع میرٹھ کا ایک چھوٹا شہر تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ دیہاتی ہونے کے باوجود عجیب باغ و بہار آدمی اور ذہین شاعر تھے۔

بقول مولانا حالی یہ حقیقت ہے کہ دلمیر سے قبل کسی نے دیہاتی زبان یعنی "دوآبے اور ہریانے" کی بولی میں ایسا دیوان مرتب نہیں کیا جس میں حمد، نعت، غزل، ہزل، مثنوی، قطعہ، مسدس، سراپا اور منظوم خطوط، جملہ اصنافِ سخن موجود ہوں اور

پھر لطف یہ ہے کہ فطرتاً ایک دیہاتی اور عوامی شاعر ہوتے ہوئے اسے اردو غزل وغیرہ پر بھی اتنا ہی عبور حاصل تھا جتنا دیہاتی شاعری پر۔ کلیاتِ دلمیر کے آخری چار صفحات میں مشتے نمونہ ایک نعت اور چند غزلیات درج ہیں۔ اُن کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ دلمیر کو اپنے ہم عصر شعراء کی صف میں بھی ایک مقام حاصل تھا۔

"کلیاتِ دلمیر" اوّل بار باہتمام منشی محمد فخر الدین، مطبع فخر المطابع میرٹھ میں طبع ہوا تھا۔ یہ نسخہ سنِ طباعت سے محروم ہے۔ البتہ دیباچے کی آخری سطر میں جہاں دلمیر نے اپنا نام اور پتہ درج کیا ہے وہاں انہوں نے اپنی عمر ۶۷ سال بتائی ہے۔ عبد الباری آسی مؤلف "تذکرۂ خندۂ گل" کی تحریر کے مطابق دلمیر نے ۶۷ برس کی عمر میں انتقال کیا گویا کلیات طبع ہونے کے بعد دوسرے ہی سال اُن کا انتقال ہو گیا تھا۔

تیس یا پینتیس برس کے بعد اس کلیات کا دوسرا ایڈیشن ان کے صاحبزادے احمد حسن صاحب نے میرٹھ سے ۱۹۲۵ء میں شائع کیا تھا۔ اس لحاظ سے پہلا نسخہ ۱۸۵۷ء کے بعد ۱۸۹۰ء اور ۱۸۹۵ء کے درمیان شائع ہوا ہوگا۔ اگر مؤلف تذکرہ خندۂ گل کی اس تحقیق کو صحیح مان لیا جائے کہ دلمیر نے ۶۷ برس کی عمر میں انتقال کیا تو قیاس یہ کہتا ہے کہ دلمیر ۱۸۲۴ء میں پیدا ہوئے ہوں گے۔

۱۸۵۰ء میں دلمیر نے کسی وسیلے سے بہادر شاہ بادشاہ کی خدمت میں ایسے وقت باریاب ہو کر اپنا دیہاتی کلام نذر کیا کہ اس وقت ذوق و غالب، شعرائے دربار بھی وہاں موجود تھے۔ بادشاہ نے دلمیر کی اس دیہاتی شاعری سے محظوظ ہو کر نہ صرف دلمیر کو شاہانہ انعام و اکرام سے نوازا بلکہ شعرائے دربار سے بھی یہ فرمایا کہ وہ بھی اس طرزِ سخن میں کچھ طبع آزمائی کریں۔ لیکن ان کا اظہار معذوری سن کر بادشاہ نے دلمیر سے فرمایا کہ وہ صرف ان چند اشعار پر اکتفا نہ کریں بلکہ ایک پورا دیوان مرتب کریں اور مزید خلعت و انعام کے امیدوار ہوں۔

دلمیر اس فرمانِ شاہی کی تکمیل میں مصروف تھے کہ ناگاہ ۱۸۵۷ء کی منحوس گھڑی نے سلطنت مغلیہ کا چراغ ہی گل کر دیا اور یوں ایک مدت دراز تک یہ کلیات یونہی پڑا۔

"کلیاتِ دلمیر" پر پہلا اور آخری ریویو جو مولانا حالی نے کیا تھا سب سے پہلے ۱۹۰۱ء کے معارف میں شائع ہوا تھا جسے مولوی وحید الدین سلیم نے ۱۹۰۴ء میں "مضامینِ حالی" (مقالاتِ حالی) میں شامل کر دیا تھا۔ مولانا حالی دلمیر کے متعلق اپنے ریویو میں فرماتے ہیں:

> "ایک موزوں طبع آدمی کا جس کی مادری زبان شہری فصیح اردو ہو گنواری اردو سیکھ لینا اور اس میں اشعار موزوں کرنا زیادہ دشوار نہیں مگر جو بات دشوار اور سخت دشوار ہے اور جس پر سوا اس شخص کے جو ماں کے پیٹ سے شاعر پیدا ہوا ہو کوئی قادر نہیں ہو سکتا، وہ یہ ہے کہ جو مضمون ایک گنواری زبان میں بیان کیا جائے اس کا پیرایۂ بیان بھی گنواروں کے محدود خیالات کی حد سے متجاوز نہ ہو ...... پس اردوئے معلیٰ کے شعراء جو کئی سو برس سے ایک ہی ہڈی کو چچوڑتے چلے آرہے ہیں اُن میں اور دلمیر میں وہی فرق ہے جو مقلد اور موجد میں ہوتا ہے۔"

حقیقت یہ ہے کہ دلمیر کی زبان سادہ، سلیس اور بامحاورہ ہے۔ اس نے جا بجا لطیف تشبیہات، استعارات اور موقع بموقع جن کہاوتوں اور ضرب الامثال سے کام لیا ہے ان سب میں اہلِ دیہات کے جذبات اور قصباتی ماحول کی بدرجۂ اتم عکاسی پائی جاتی ہے۔ بحیثیت مجموعی کلام دلچسپ اور قابلِ فہم ہے۔ چونکہ قصبات کی بولی کا خمیر ہندی اور بگڑی ہوئی اردو (یا اس کے غلط تلفظ) سے تیار ہوا ہے اس لئے ان دشواریوں کو دور کرنے کے لئے دلمیر کے فرزند منشی احمد حسن خاں صاحب نے "کلیات" طبع دوم کے دیباچے میں تلفظ کی تمیز کے لئے چند اشارات بھی قلمبند کر دئے ہیں اور ساتھ ہی بین السطور میں مشکل الفاظ کے معانی بھی لکھے ہیں۔ اس وقت ہم ان اشارات سے قطع نظر کر کے صرف بین السطور کے معانی پر اکتفا کریں گے، جن کی نوک پلک ہم نے ذرا درست کر دی ہے۔ اس طرح ارباب ذوق کو نہ صرف اشعار کے معانی و مفہوم کے سمجھنے میں آسانی ہوگی بلکہ دہقانی لب و لہجہ کا ذائقہ بھی مطالعہ کے لطف میں اضافہ کر دے گا۔ سب سے پہلے دلمیر کی کہی

ہندی حمد کے چند منتخب اشعار پیش کئے جاتے ہیں۔

حمد

ہے میرے کھالک، ہے میرے مالک
اے خالق
تو باپو ہم تیرے بالک
(خدا) (بندے)
ہمارے حاکم سوا اِی
بادشاہ سردار
چتاں چپتاں تیری دوہائی

تیں ہے ہماری دیہہ بنائی
تو ہی ہمارا جسم
تیں دیہی ماں جان رمائی
تو ہی نے اس جسم میں ڈالی
تیں پانی سوں مانٹرس کینا
نطفہ انسان بنایا
سوجھ، بوجھ، مَت سُدھ، بُدھ دینا

توں ہے جنم دے تو ہے جیاوے
تو
توں ہے کھواوے توں ہے پیاوے
کھلاتا پلاتا
تیرے سانچے انیک نرالے
مختلف
جن سانچوں لکھ کایا ڈھالے
لاکھ قالب
چڑی چڑنگ سکرے اور ساہیں
چڑیا چڑے شکرے باز
اڈتے پھریں بیال کے ماہیں
پرواز ہوا اندر

کچھ مچھ مینڈک اور ناکے
کچھوے مچھلی مگرمچھ
جل الگاروں بھریں تڑاکے
پانی الغاروں طرارے
چونٹی ماکھی سانپ سنپنڑے
مکھی کینچوے
موسی ماسی سانڈے سینڈے
چوہا پوہیا
انبر دھرتی سورج چندر
آسمان چاند
رِہی دیوتا پیر پگمبر
رشی دیو پیغمبر
سب تیری ڈنڈوتی سیس نواویں
دار سجدہ کریں
تجھے نے پوجیں تجھے نے گاویں
عبادت نام لیں
جے تو اپنا چھوہ دکھاوے
جس کو غصہ
انبر دھرتی چھوہ ہو جاوے
فنا
توں بیڑے کا کھیون ہارا
کشتی ملاح
تیرے ہاتھوں ہے نستارا
پار اُترنا
پانی پا دھرتی تو ہے بچھاوے
پانی کی سطح پر زمین قائم کی
انبر ماہیں تارے تو ہے لاوے
میں ستارے روشن کئے
سورج کاڈھے چندر چمکاوے
نکل کر چاند

پربت ٹھاوے سُمدر بہاوے
پہاڑ سمندر
تُوں ہے لاڑے میگھ ملارا
برساتا باران رحمت
تُوں ہے بوآوے بوہنڈا معارا
اُگاتا کھیت
کھیت اوگاوے ناج پکاوے

سگری پرجا جا نو کھاوے
ساری جس کو
بجھ بنا کوائے دُوجا پُوجا
کسی نے دوسرے کو
وا کی انکھاں نیل کا سُوجا
چشم نیل کی سلائی
دین دونی کی کھوئی کھوتی
دیں دُنیا خوبی
وا کی نیا ریت ماں ڈوبی

جگ پرلوں جد لیکھا پھریں
یوم قیامت جب نوشتۂ اعمال پیش ہوگا
نرکھ کُنڈ سارے نوگیریں
دوزخ تالاب ان سب کو ڈالا جائے گا
ہے میرے صاحب بکسن ہارے
خدا بخشندہ
پاڑ دے کھوتے کاگد معارے
پہاڑ گناہ کاغذ (نامۂ اعمال)
دلمیرا ہے تیرا داسی
(امیدوار)
توں ہے دے گا تانی باسی
تازی باسی
خدا کی عظمت و بزرگی، اقرارِ توحید، رسالت۔ یومِ قیامت

یقیناً سزا و جزا کے علاوہ مظاہرِ قدرت ارض و سما، چاند، سورج، ہوا، بارش، جمادات، نباتات اور حیوانات کا مختلف سانچوں، رنگ، روپ اور خاصیت کا بیان، دیہاتی بولی اور وہ بھی اردو محاورے اور روزمرہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے کس اختصار اور جامعیت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ دولت مندوں کی بہ نسبت اسلام غرباء میں زیادہ پایا جاتا ہے، اس کی شہادت میں بلا شبہ اور بلا تکلف دلمیر کی مختصر نعت کو پیش کیا جا سکتا ہے، جس میں ثنائے رسولؐ کریم کے علاوہ حضرت فاطمہؓ، صحابہ کرامؓ کی منقبت اور فرزندانِ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ذکرِ شہادت کو ایسے دل کش اور شیریں انداز میں پیش کیا ہے ان کے تعلق سے زبان کو بار بار حلاوت محسوس ہوتی ہے۔

قرآن مجید کے لئے "چراغ" کی تشبیہ اور خدا کے کلام کو "کھُدا کی بانی" کہنا کس قدر موزوں اور پیارا ہے صحنک کی نیاز (جسے حضرت فاطمہؓ سے منسوب کیا جاتا ہے) کو حورانِ بہشتی کا طعمۂ تبرک ٹھہرایا گیا ہے۔ آں حضرتؐ کی تبلیغ دین، صحابہ کرام کا دینِ محمدی کے لئے جہاد، نماز، روزہ، جنت، دوزخ، غرض کون سی چیز ہے جس کا تذکرہ اس دیہاتی لغت میں نہ آگیا ہو۔ لطف یہ ہے کہ اس "بھونڈی" قصباتی زبان اور گنوار و بولی میں ہی اردو محاورے اور روزمرہ کی چاشنی موجود ہے۔ نعت کے الفاظ یہ ہیں:-

نبی محمند رب کے پیارے
محمدؐ
سگ پرجا کے راج دولارے
تمام مخلوق
رب کے بھیجے جگ ماں آئے
دنیا
معاری کھاطر دیوا لائے
خاطر چراغ (قرآن مجید)
جن دیوے نے کھویو اندھیرا
جس چراغ (قرآن) غائب

کرا اوجالا جگت گھنیرا
بے حد

"کُران سریپھ" کھُدا کی بانی
قرآن مجید خدا کا کلام
ہمیں سنائی پڑھ کے جُبانی
پڑھ کر زبانی

پاپ کٹے اور پُن سنوارے
چھوٹ گئے نیک کام جاری
ہوگئے ہمارے کل نستارے
مغفرت کے تمام سامان

جگ پرلوں ہماری مُکتاں اوٹی
یوم قیامت بخشش ذمہ لیا
پاڑ دئیں سگ پوتھی کھوٹی
چاک کر دیا تمام فہرست گناہ

بہست ماہیں بگڑ بنایو
جنّت میں گھر بسایا
نرکھ کُنڈ سُوں پنڈ چھوٹایو
قعر دوزخ پیچھا چھڑایا

دین دیو، بے دینی کھوئی
دین (محمدی) عطا کیا کفر مٹایا
پاپ سوں ہماری کایا دھوئی
جسم پاک کر دیا

رہی نہ من کے ماہیں کلائی
قلب میں سیاہی
کاڑک گئی دھوڑائی آئی
سیاہی جاتی رہی سفیدی آگئی

پڑگئے متھے نُواج کے گھٹّے
پیشانی نماز نشان
ہوگئے کاپھر مومن سکٹّے
کافر

نبیؐ صاحب کے چار سپاہی

جنہاں ملکوں دھومس ٹھائی
جنہوں نے دنیا دھوم مچادی
کرَدنے لکھوں نیمَ کے بندے
لاکھوں ایمان والے

نرملہ ہوگئے مانڑس گندے
پاک لوگ
ملکوں ملکوں تیگ جھماڑی
ملک در ملک تیغ چمکی

دھرتی چھائے دین اوجیاڑی
زمین پر چھا گئے دین روشن کیا
بی بی پھاطمہ ہماری ماتا
حضرت فاطمہؓ

نیم دھرم ماہیں کیتّی داتا
دین و ایمان میں کتنا سخی
ہمارے نبیؐ کی پیاری جائی
بیٹی

جاکی سینک حوراں کھائی
جن کی صحنک نیاز حوران جنّت
باپو کی اُمّت جن بکسائی
باپ جس نے بخشوائی

مالک سائی دے دے دوہائی
خداوند تعالیٰ کے سامنے فریاد کی
حَسنؓ حُسینؓ بی بی کے جائے
حضرت فاطمہؓ فرزند

اُمّت کھاطر سر کٹوائے
خاطر
جن حُسینؓ کے گلے نو کاٹا
(یزید)

وا کا ہوگیو دو جکھ با ٹا،
اس کا ہوگیا دوزخ حصّہ
سدا رہیں گے آگوں جلتے
(دشمنانِ حسینؓ) آتش دوزخ
جلتے بلتے ہاتھوں ملتے
جلتے سلگتے کفِ افسوس
نبیؐ صاحب کی لہہ پے چالو
ہدایت (راہ) چلو
خود ہی بٹیا دیکھو بھالو
مستقیم راہ اختیار کرو
جو کوئی وا کی گیل نہ چالا
کوئی شخص اُن کی راہ چلے گا
وا کا دو جگ مو ہرا کالا
دونوں جہاں منہ
ڈوب گیو اُدہ کرموں ہینا
ڈوب جائے گا وہ نصیب بد
جن حجرت کا سنگ نہ لینا
جس نے حضرت صلعم ساتھ چھوڑدیا
آگ نسوان اود ھے تو نے بچا دیں
انس دوزخ وہی تجھ کو
جگ سے پہلوں تری مُکت کرا دیں
روزِ قیامت بخشش
چل دمیرا دا کے دگر سے
پیغمبر راستے
چھوڑ دنیگت کے رگڑے جھگڑے
ترک کر دنیا

یہ نمونۂ نعت سو برس پہلے کی دیہاتی شاعری کا ایک نقش ہے
جسے قندِ مکرر کے طور پر یہاں پیش کیا گیا ہے۔
امید ہے کہ اسے عقیدت و جذبۂ حبِ رسولؐ کے ایک قدیم نمونہ کے
طور پر پسند کیا جائے گا۔ اس کے مطالعہ سے ہریانہ اور دوآبہ گنگ و جمن
کی اس زبان کا بھی لطف اٹھایا جاسکتا ہے۔ (س۔ ی۔ ب)

"... کا آبروئے ہر دو سرا است" — بقیہ صفحہ ۱۴۶

ہمارے ایک اور غیر مسلم شاعر نے تو ایسی والہانہ عقیدت
کا اظہار کیا ہے کہ اس کے غیر مسلم ہونے کا مشکل سے یقین آتا ہے۔
اس پروانۂ رسالتؐ کا ایک ہی شعر صدہا ایسے اشعار کے مساوی
اور دفتر ہائے بے پایاں پر خندہ زناں ہے:

زباں پر حرف توبہ لائیں کیونکر
شفیع جرم ہے فردا پیمبر

لوک گیت تمام تر عوام کے احساسات و کیفیات کے آئینہ دار
ہیں اس لئے جس بے ساختہ پیرایہ میں یہ ان کی ترجمانی کرتا ہے
وہ ثقہ ادب کی دسترس سے ماورا ہے۔ کہاں انشا پردازی کے
کرشمے اور کہاں ایک لوک گیت کے اسی خیال پر مشتمل سرمستانہ بول:

جدوں طور دا ہیا لشکارا
تے موسیٰ دی بیہوش ہوگیا
اڑیا، اڑیا!
پاک محمدؐ دا لڑ پھڑیا
موسیٰ نیل دے کیتے دو ٹوٹے
تے چن ٹوٹے آپؐ کیتا
اڑیا، اڑیا!
پاک محمدؐ دا لڑ پھڑیا

عیسیٰ چڑیاں جنور اڈائے
تے آپؐ اُڈے عرشاں تے
اڑیا، اڑیا!
پاک محمدؐ دا لڑ پھڑیا

ان تمام مثالوں کے یکجائی مطالعے سے یہ بات بخوبی ظاہر
ہوتی ہے کہ ہمارے شعرا اور عوام نے اپنی اپنی زبانوں میں کس کس طرح اپنے
جذبات عقیدت کی ترجمانی کی ہے اور کیا کیا گہر ہائے آبدار اس خزینۂ شعر و ادب
کو عطا کئے ہیں۔ اب میں سلسلۂ کلام ان حقیقت افروز الفاظ پر ختم کرتا ہوں کیونکہ
سفینہ چاہیئے اس بحرِ بیکراں کے لئے: ع

کیتھے مہر علی کیتھے تیری ثنا، گستاخ اکھیں کیتھے جا اڑیاں!

اس مضمون میں جملہ منظوم تراجم محترمہ ترابدار صاحبہ کے قلم سے ہیں۔ (ادارہ)

"مولود"

(ایک سندھی نعتیہ صنف)

ڈاکٹر نبی بخش خاں بلوچ

سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد نے مولود کے نام سے ایک ضخیم کتاب بہ سلسلہ سندھی لوک ادب شائع کی ہے جس میں سندھی شعراء کے آنحضرت صلعم کی شانِ اقدس میں کہے ہوئے نعتیہ کلام کو جمع کیا گیا ہے۔ یہ کتاب ڈاکٹر نبی بخش خاں بلوچ جیسے فاضل ادیب محقق کی سعی و کوشش کا نتیجہ ہے جنہوں نے ایک مبسوط مقدمہ میں اس موضوع پر بالتفصیل بحث کی ہے۔ آنحضرتؐ سے وابستگی اور نتیجۂ موضوع کی اہمیت کے پیشِ نظر ذیل میں اس فاضلانہ مقدمہ کا ملخص پیش کیا جاتا ہے (ادارہ)

نبی کریمؐ کی تعریف و توصیف کے لئے سندھ سے باہر نعت، ثنا وغیرہ کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ لیکن ایسی توصیفی نظموں کی کوئی خاص ہیئت نہیں ہے اور نہ انہیں کوئی مخصوص نام ہی دیا گیا ہے۔ سندھ میں کافی عرصے سے رسول اکرمؐ کی ثنا خوانی کے لئے مولود مروج ہیں جو معنی و مقصد اور نظم کی نوعیت کے اعتبار سے ایک اہم اور اصولی درجہ رکھتے ہیں۔

لفظ مولود ایک مخصوص نام ہے جو سندھ والوں ہی نے لیا اور رائج کیا ہے۔ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ نام کس نے تجویز کیا اور کب سے مستعمل ہے لیکن مفہوم اور مقصد کے اعتبار سے یہ انوکھا ضرور ہے۔ حضور انورؐ کے عقیدتمندوں کے جذبات کے اعتبار سے دنیا میں اگر حقیقی معنوں میں کوئی انسانِ کامل آیا تو وہ محمدؐ ہی تھے۔ پیدا ہوئے تو محمدؐ ہی پیدا ہوئے۔ اس لئے سندھ والوں نے حضورؐ کی پیدائش اور ولادت کو ان کی تعریف اور توصیف کا مرکز اور محور قرار دے کر ان کی شان میں کہے ہوئے شعر کو مولود کے معنی خیز نام سے موسوم کیا۔ معنی خیز اس لئے کہ لفظ مولود کے لغوی معنی انسان پیدا ہوا یا نوزائیدہ کے ہیں۔

صنف شعر کے اعتبار سے مولود "وائی" یا "کافی" کے زمرے میں آتا ہے اور دونوں کا قالب ایک ہی ہے۔ چونکہ "وائی" ایک مخصوص سندھی چیز ہے اور مولود اسی کے زمرے میں آتا ہے اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ مولود ہیئت و نمونہ کے اعتبار سے ایک خالص سندھی صنف ہے جو سندھ میں ہی رائج ہے اور جس نے سندھی ماحول میں ہی پرورش پائی۔

چونکہ مولود ہیئت میں "وائی" یا "کافی" ہے اس لئے یہ سمجھنا بے جا نہ ہوگا کہ مولود اسی وقت سے رائج ہیں جب سے "وائی" وجود میں آئی۔ کچھ قدیم حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ساتویں صدی ہجری سے سندھ اور ملتان کے سہروردی بزرگوں، ان کے سجادہ نشینوں اور احباب کی مجالس سماع میں سندھی درویش سندھی کلام گایا کرتے تھے اور غالباً "ڈومیڑے" اور "وائیاں" گائی جاتی تھیں۔ چونکہ حضورؐ کی محبت اور فنا فی الرسول کی سالکانہ منزل بزرگوں کے طریقے میں خاص اہمیت رکھتی تھی لہٰذا وہ "وائیاں" جن میں حضور سے محبت اور عقیدت کا اظہار ہوتا تھا ان مجالس سماع میں وجد طاری کر دینے کا ذریعہ بنیں لیکن ان قدیم "وائیوں" یا "کافیوں" کے سالم نمونے نہیں مل سکے جن سے ان کے مضامین کا اندازہ اچھی طرح لگایا جا سکتا۔

بارہویں صدی ہجری سے "وائیوں" کے مکمل متن اور مختلف نمونے شاہ عنایت رضوی اور ان کے بعد شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ کے کلام میں ملتے ہیں۔ ان میں مولود کے مضامین والی "وائیاں" بھی شامل ہیں۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ "وائی" سے الگ مولود کی جداگانہ اور مستقل حیثیت کب عام طور پر تسلیم کی گئی۔ غالباً جب "وائی" کا دائرہ وسیع ہوا اور مجازی رنگ کے عاشقانہ عنوان اور سندھ کی رومانوی داستانوں کے مضامین عام ہوئے تو مولود کے مضمون والی "وائیاں" الگ شمار کی جانے لگیں۔

آج تک عموماً یہ سمجھا جاتا رہا ہے کہ مخدوم عبدالرؤف بھٹی (۱۰۹۴ھ۔

۱۱۹۹ھ) مولودوں کے موجد ہیں یا پہلے شاعر ہیں جنہوں نے مولود کہے یا جن کے مولود ہمیں ملتے ہیں۔ یہ گمان صحیح نہیں ہے۔ بلکہ تاریخی اعتبار سے مولود اسی وقت سے ہی رائج ہیں جب سے "وائیاں" یا "کافیاں" رائج ہیں اور ایک جداگانہ حیثیت سے بھی گیارہویں صدی ہجری کے آخر سے مولود کا رواج ہوا۔ میاں شاہ عنایت رضوی نے جو گیارہویں صدی ہجری کے اواخر اور بارہویں صدی ہجری کے اوائل کے شاعر تھے سب سے پہلے لفظ مولود استعمال کیا ہے۔ ایک دلیل یہ بھی ہے کہ مخدوم کھٹیؒ نے صرف مولود ہی کہے ہیں اور انہوں نے مولود کو اسی وقت اپنا موضوعِ سخن بنایا ہوگا جب انہوں نے یہ دیکھا ہوگا کہ مولود عوام میں اس درجہ مقبول ہیں۔

عام مقبولیت کے اعتبار سے مولود کے پانچ ادوار ہیں جو گیارہویں صدی ہجری سے شروع ہو کر تیرہویں صدی ہجری پر ختم ہوئے ہیں۔ اس کے بعد مولود کا موجودہ دور شروع ہوتا ہے۔ ان ادوار میں شاہ عنایتؒ، شاہ بھٹائیؒ اور مخدوم کھٹیؒ کے علاوہ پیر سرست، پیر محمد راشد، نقیم فتح فقیر کلہوڑو، مولوی غلام رسول بتوئی، پیر زین العابدین شاہ وغیرہ کے مولودوں کو سندھی ادب میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔

"وائی" اور "کافی" کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ ان کے موضوع مضمون کا دائرہ بھی وسیع ہوتا چلا گیا لیکن مولود کا موضوع حضور انورؐ کی ذات ہی تک محدود رہا۔ تاہم ہر عقیدت مند شاعر نے اپنے حال و قال اور فکر و فہم کے مطابق رسولِ اکرمؐ کی ذات بابرکات کے متعلق مولود کہے ہیں۔ اس لئے داخلی اور انفرادی اعتبار سے ان مولودوں میں الگ الگ مضامین ملتے ہیں۔ مخدوم کھٹیؒ پہلے شاعر تھے جنہوں نے مولود کے عنوانوں کو وسعت بخشی اور انہیں انوکھا رنگ دیا۔ نہ صرف یہ بلکہ انہوں نے مولود کے اندرونی سانچے اور ہیئت وزن اور ترنم میں بھی قابل قدر اضافے کئے۔

زبان کی گہرائی، خیال کی ندرت اور جذبہ کی صداقت و خلوص کے اعتبار سے موجودہ دور کے شاعروں کا معیار گذشتہ ادوار کے شعراء کے مقابلے میں اتنا بلند نہیں رہا۔

"وائی" اور مولود دونوں کا جزو لاینفک موسیقی ہے لیکن مولود کی لَے اور اس کا الحان "وائی" کی موسیقی سے اصولی طور پر مختلف ہے۔ "وائی" کے گانے میں ساز و سرود کا سہارا لیا جاتا ہے جبکہ مولود کی ادائیگی و خواندگی کی بنیاد قرأت یا انشاد کے اصول پر رکھی گئی ہے یعنی خوش الحانی سے صاف ستھرے انداز میں پڑھنا۔ اسی لئے انہیں "وائی" کی طرح گانے کی بجائے الاپ کر پڑھا جاتا ہے۔

ابتدائی دور میں مولود کو اچھی آواز میں الاپ کر پڑھنے کا انداز اختیار کیا گیا اور اس انداز کو بڑا عروج حاصل ہوا۔ ہوا لیکن شیریں آواز میں مولود پڑھنے کا طریقہ شمالی سندھ میں آج تک رائج ہے۔

عہد متوسط انداز تیرہویں صدی ہجری تک رہا اور اس عرصہ میں الاپوں کے طور پر مولود پڑھنے کی ابتدائی ہیئت میں دو خاص اضافے ہوئے۔ ایک یہ کہ اس میں اندرونی نادر ترنم پیدا ہوا اور دوسرے مولود پڑھنے والوں کی ساتھ سنگت یعنی ایک سے زیادہ آدمیوں کا مل کر مولود پڑھنے کا طریقہ رائج ہوا۔ اس اضافے کی وجہ سے سندھ کے ہر حصے میں مولودیوں کی باریاں یعنی ٹولیاں قائم ہوئیں جن میں ایک سربراہ اور چار یا پانچ ساتھی ہوتے ہیں۔ اس طرح مولود کورس کی طرز پر گائے جاتے ہیں۔ کچھ باریوں کو بڑی شہرت حاصل ہوئی ہے یہ طریقہ آج تک قائم ہے۔

مولود کو ایک خاص الحان اور لہجے میں ادا کرنے کا طریقہ خاص سندھ ہی سے تعلق رکھتا ہے یا یوں سمجھئے کہ یہ ایک خاص قسم کی موسیقی ہے جسے سندھ والوں ہی نے ایجاد کیا اور پروان چڑھایا ہے۔

تلخیص: خواجہ سلیم

شمع جہاں تاب

یاور عباس

یاور خدا کے نام سے کرتا ہوں ابتدا　　　لاریب صرف ایک ہے انسان کا خدا
رکھتے ہیں یوں تو لوگ خداؤں کا سلسلہ　　　مجھ کو قسم خدا کی نہیں اُن سے واسطہ
خلاقِ کل جہاں وہ خدائے جمیل ہے
ذاتِ رسول شانِ خدا پر دلیل ہے

فرعونیت کو حضرت موسیٰؑ نے شل کیا　　　حق کے شعار پاک پہ جم کر عمل کیا
صانع مسلماتِ خرد کو اٹل کیا　　　جو کچھ کیا درست کیا برمحل کیا
اک حسن اعتماد فضا میں ہے آج تک
فرعونیت کی چیخ ہوا میں ہے آج تک

نمرود اور خلیلؑ کا مشہور واقعہ　　　حق کی ہوا نے آگ کو گلزار کر دیا
باطل کا ایک وار بھی حق پر نہ چل سکا　　　یعنی مزاج شعلہ کا تبدیل ہو گیا
حق کو وہاں جو جرأت باطل گراں ہوئی
تبدیلئ مزاج عناصر عیاں ہوئی

مذہب کی روشنی سے بجھے سامری چراغ　　　تعلیم عیسوی نے مسخر کئے دماغ
ہر چند زندگی میں نہ حاصل ہوا فراغ　　　مقبولِ خاص و عام ہوا عیسوی ایاغ
عالم کو سیل نور سے معمور کر دیا
دنیا کو ایک جلوہ گہ طور کر دیا

پھر نیر شعور مشیت عیاں ہوا　　　اور کاروبارِ چشم و تجلی رواں ہوا
روشن تجلیات سے سارا جہاں ہوا　　　باطل کا فرط خوف سے چہرا دھواں ہوا
شب کی سیاہیوں کا جگر چاک ہو گیا
دُھل دُھل کے روشنی میں جہاں پاک ہو گیا

چمکا دئے ظہورِ تجلی نے بام و در　　　ہر راہ بند ہو گئی اربابِ حرص پر
راہِ فرار تھی نہ کوئی گوشۂ مفر　　　اک سیل نور آکے رکا آمنہ کے گھر
پھولوں سے گود بھر گئی دل شاد ہو گیا
کاشانۂ خلیلؑ پھر آباد ہو گیا

اولادِ خلیلؑ کی اک مردِ حق اٹھا   جس نے کہا کہ ایک ہے انسان کا خدا
یہ تھا محمدِ عربی تاجِ انبیا   عالم کو جس کی فکر نے بیدار کردیا

حق دوستی کا درس دیا ایسی شان سے
دنیا کو پاک کر دیا وہم و گمان سے

سائے لرز لرز کے ہٹے راہِ صدق سے   کفر و ریا و فسق کے بت سر کے بل گرے
قرآں کی روشنی میں چلے اٹھ کے قافلے   ایسے قدم ملا کے چلے، راستے بنے

یعنی تھا دورِ پاک رسولِ انام کا
حق کے ولی کا، بادشۂ خاص و عام کا

تاراجیوں کا دور تھا گلشن میں کفر کے   بے چینیوں کی لہر تھی دامن میں کفر کے
اک زلزلہ سا آگیا گلشن میں کفر کے   گویا کہ آگ لگ گئی دامن میں کفر کے

ایوانِ فکر و ہوش میں روشن ہوئے چراغ
ڈھلنے لگے مزاج، ابھرنے لگے دماغ

وہ نورِ بے مثال جہاں میں ہوا عیاں   جھکتا ہے جس کے نقشِ کفِ پا پہ آسماں
ہے مظہرِ صفاتِ خداوندِ دو جہاں   سردارِ انبیا ہے حقیقت کا رازداں

خلاقِ کائنات کی رحمت کا در کھلا
دنیا پہ اک دریچۂ علم و ہنر کھلا

انساں کو جس نے رونقِ محفل بنا دیا   محفل میں اعتماد کے قابل بنا دیا
دل کو کمالِ عشق کی منزل بنا دیا   ذرّہ کو کوہ، موج کو ساحل بنا دیا

درماندہ زندگی کو تبسم عطا کیا
ہوش و حواس و طرزِ تکلم عطا کیا

شاہِ عرب کہ باعثِ رحمت کہیں جنہیں   کل انبیاء میں فخرِ نبوت کہیں جنہیں
تاریکیوں میں شمعِ رسالت کہیں جنہیں   سب اہلِ دل امینِ محبت کہیں جنہیں

مدحت کی ابتدا ہے درود و سلام سے
محفل میں روشنی ہے محمدؐ کے نام سے

اس گلستاں میں روحِ گلستاں کوئی تو ہے   اس پردۂ بہار میں پنہاں کوئی تو ہے
اس انجمن میں شمعِ فروزاں کوئی تو ہے   یعنی خدائے عالمِ امکاں کوئی تو ہے

بیّن ثبوت اس کی بڑائی کے مصطفیٰ
سب سے بڑے گواہ خدائی کے مصطفیٰ

★

شارعِ انسانیت

حسن مثنّٰی ندوی

"سیرت" کے بارے میں آج کل یہ تصور کچھ عام سا ہو چلا ہے کہ یہ انگریزی زبان کے لفظ "لائف" کا مرادف ہے۔ عربی میں "لائف" کا مرادف "حیات" ہے اور فارسی و اردو میں "زندگی" اور "سوانحِ عمری" وغیرہ۔ سیرت کے معنی "سنت"، "طریقہ" اور "سرِشت" کے ہیں، یہ فرق رسول اللہؐ کی سیرت لکھنے والوں کے سامنے تھا، اسی لئے انہوں نے حیات کی جگہ سیرت کا لفظ اختیار کیا۔ سیرت میں بنیادی طور پر طینت و سرشت، افتادِ طبع، منبعِ فکر، مصدرِ خیال، طرزِ عمل اور پھر اس کے اثرات، یہ ساری چیزیں داخل ہیں، اور پھر رسول اللہ کی سیرت کا سب سے بڑا پہلو رسالت ہے۔ اور رسالت کا تعلق پوری انسانیت سے ہے۔ انسان کے اُس مرتبہ و مقام سے ہے، جو اس کو کائنات کی اس بھری محفل میں حاصل ہے۔ خود اُس کائنات سے ہے جس کا یہ انسان بظاہر ایک حقیر لیکن اہم جزو ہے۔ اُس زندگی سے ہے جو اس کائنات میں ابھر رہی ہے، اور ارتقا کے منازل طے کرتی چلی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ رسولؐ کی شخصیت سے رسالت کسی طرح جدا نہیں ہو سکتی۔ اور جب رسالت جُدا نہیں ہو سکتی، تو پھر رسولؐ کی زندگی صرف پیدائش سے وفات تک کے واقعات میں اس طرح محدود کبھی نہیں ہو سکتی جس طرح دوسرے اشخاص و افراد کی زندگیاں ہوتی ہیں۔ یہ بات بالکل منطقی تھی اور اس منطق سے سب آگاہ تھے، یہی سبب ہے کہ حضرت عائشہؓ سے جب حضورِ اکرم کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے انتہائی بلیغ انداز میں یہ فرمایا کہ وکان خلقہ القرآن (وہ تو سراپا قرآن تھے)۔ خود قرآن مجید نے بھی یہی کہا ہے کہ انک لعلیٰ خلقٍ عظیم ۔ آپ سرتاپا خلقِ عظیم ہیں، اور خُلق، عملی سیرت کا نام ہے۔ لہٰذا سیرتِ نبوی کے دائرے میں چند تاریخی واقعات اور سوانحِ حیات ہی نہیں آئیں گے، سارا قرآن آجائے گا، ساری ہدایات و تعلیمات آجائیں گی، تمام احکام و قوانین اور فرامین و مکاتیب، عقائد و عبادات اور معاملات و آداب آجائیں گے۔ بلکہ اُن تمام رفقاء کے حالات بھی، جن کی خاص تربیت حضورؐ نے فرمائی اور مختلف ذمہ داریاں ان کے سپرد کیں، اور پھر ان تمام مخالفوں کے احوال بھی جو معاندین و مخالفین کے رہنما تھے اور برسرِ عناد و مصروفِ پیکار رہے۔

قدماء نے جب قلم اٹھایا تو اس ہمہ گیر زندگی کے ابواب الگ الگ مرتب کئے۔ اخبار و مغازی، خطبات و رسائل، احکام و فرامین وغیرہ، مگر آج جسے "لائف" کہا جاتا ہے اس سے مراد درحقیقت تھوڑی سی وسعت کے ساتھ، روزمرہ کے معمولات، عادات و خصائل، اخلاق و آداب، آل اولاد، گھر بار، رہن سہن وغیرہ ہیں حالانکہ ان باتوں کو قدماء نے "شمائل" وغیرہ کے عنوان سے مرتب کیا ہے۔

"سیرت" اور "لائف" کا یہ فرق کچھ اسی قسم کا ہے۔ جیسا عربی کے لفظ "دین" اور انگریزی کے لفظ "ریلیجن" میں ہے کہ بظاہر تو دونوں ایک معلوم ہوتے ہیں لیکن فرق آسمان زمین کا ہے۔ اہلِ غرب اس پر کچھ لکھیں گے تو وہ کچھ اور ہوگا، اہلِ اسلام اس پر قلم اٹھائیں گے تو وہ کچھ اور ہوگا۔ یہ فرق دونوں کے ذہنی پس منظر اور زاویۂ نظر کا ہے۔ اسی طرح عربی کے لفظ "نبوت" و "رسالت" اور انگریزی کے لفظ "پروفیسی" میں بھی بڑا فرق ہے، یہ لفظ "پروفیسی" بیشتر اسی مقام پر رہتا ہے جہاں عربی کا لفظ "کاہن" ہے۔ جس کا "نبوت" و "رسالت" سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں۔ یہ دھوکا شروع شروع میں خود مشرکینِ مکہ کو بھی ہوا تھا، انہوں نے حضورِ اکرمؐ کو "کاہن" سمجھا تھا، پھر "شاعر" کہا، "ساحر" کہا اور اسی طرح "خطابات" بدلتے رہے، جو عداوت سے زیادہ ان لوگوں کے ذہنی اضطراب کے غماز ہیں، قرآن مجید میں یہ تمام "خطابات" محفوظ ہیں، اور کچھ اسی قسم کا فرق

"احادیث" اور "ٹریڈیشن" میں بھی ہے۔ بے شمار الفاظ ہیں جو اسلامی اصطلاح میں اپنا ایک مخصوص مطلب اور مخصوص تصوّر رکھتے ہیں جیسے یہ انگریزی الفاظ اپنا موروثی مفہوم و مطلب اور تصوّر جداگانہ رکھتے ہیں۔ اسی لئے ان اصطلاحات کو جب انگریزی الفاظ کے توسّط سے سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے یا ان کو مرادف سمجھ لیا جاتا ہے تو بات کچھ سے کچھ ہو جاتی ہے، اسلامی اصطلاحات کا اصل مفہوم یا تو بدل جاتا ہے یا ان کی روح مسخ ہو کر رہ جاتی ہے۔ یہ بات صرف انگریزی زبان ہی کے ساتھ مخصوص نہیں، خود اُردو زبان میں بھی بعض الفاظ جب اپنے لغت و محاورہ کی مدد سے استعمال کئے جاتے ہیں تو وہ بھی ذہن و فکر کو صحیح راستے سے بھٹکائے بغیر نہیں رہتے۔ مثلاً "جاہلیت" قرآن مجید کی ایک اصطلاح ہے۔ اس کو اگر لغت کی مدد سے یا اپنے روزمرہ کے طور پر استعمال کر لیا جائے تو اصل مفہوم کو یقیناً بڑی جراحت پہنچے گی اور بہت سی ایسی باتیں ذہن میں در آئیں گی جن کو نہ آنا چاہئے۔ قرآن نے زمانۂ ماقبل اسلام کو "الجاہلیہ" کا نام دیا تو ہے لیکن یہ نہیں کہا ہے کہ وہ جاہل یا گنوار تھے۔ یا مہذب و متمدن نہیں تھے، بلکہ یہ کہا ہے کہ وہ اُس فکر و نظر سے محروم اور اُس علم و خبر سے ناآشنا تھے جو حق و صداقت کی راہ پانے اور مقصدِ حیات سے آگاہ ہونے کے لئے ضروری ہے۔ یہ قرآن کی ایک اصطلاح ہے اور اس میں صرف عرب ہی کا نہیں، ساری دنیا کا زمانۂ ماقبلِ اسلام داخل ہے۔ ورنہ عربوں کو اگر آپ عہدِ حاضر کی اصطلاحی میزانِ تمدن پر تول کے دیکھیں تو وہ کسی دوسری قوم سے ہرگز کم نظر نہ آئیں گے۔

آج کسی قوم کے بارے میں یہ معلوم کرنا ہو کہ وہ کس حد تک مہذب اور متمدن ہے تو پہلی نگاہ اس کے مذاقِ سخن (ادب)، مذاقِ پوشش (لباس و پوشاک)، مذاقِ خورد و نوش (غذا) اور مذاقِ بود و باش (تعمیرات و رہائش) پر ڈالی جاتی ہے۔ آپ بھی ایک نظر عربوں پر ڈال کے دیکھئے، مذاقِ سخن ان کا ایسا تھا کہ وہ اپنے سوا ساری دنیا کو گونگا (عجم) قرار دیتے تھے، ان کا ادبی ذخیرہ آج بھی موجود ہے۔ اور ہم آسانی سے سمجھ سکتے ہیں کہ وہ ایسا تصوّر کیوں رکھتے تھے۔ ان کے جغرافی تقاضوں کو آب و ہوا اور موسم کو پیشِ نظر رکھ کر، ان کے لباس و پوشاک کو بھی دیکھئے۔ ان کی وضع قطع اور نفاست پر نظر ڈالئے، پھر عورتوں کے فیشن، ان کی رنگا رنگی، ان کی قسمیں، ان کی تراش، زیورات اور سنگھار کا سامان حتّٰی کہ ناخن رنگنے، غازہ لگانے، پلکوں اور بالوں کو بنانے، اور بننے سنورنے کے نت نئے پہلو، آرائشی نقاب کا استعمال، خوشبو میں بسے رہنے کا خیال، اور نمود کی ساری جدّتیں کیا واقعی کچھ کم تھیں؟ عرب بڑے کامیاب تاجر تھے۔ وہ اپنی ضرورت کی تمام چیزیں مہیا کر لیتے تھے، اور ان کو خوش سلیقگی اور نفاست پسندی کے ساتھ استعمال کرتے تھے، پہننے اوڑھنے میں بھی اور کھانے پینے میں بھی، اسی طرح تعمیرات اور انداز رہائش میں بھی ان کی مدنیت صاف نمایاں ہے، معاشی تنگی اور دوسری دشواریوں کے باوجود، دو منزلہ سہ منزلہ مکانات، باغات، صحن و چمن، سیرگاہیں، مکانات کے در و دیوار، ان کے نقش و نگار، ان کی سجاوٹ، منقش پردے، تخت و کرسی، اور مسہریاں وغیرہ ان کے ہاں موجود تھیں، جن لوگوں کے لئے مصر و حبش، اور روم و فارس کی مملکتیں گھر آنگن ہوں۔ ان کو بیک جنبش قلم جاہل اور گنوار لکھ دینا اور سمجھ لینا بڑا مشکل ہے، ان کے ہاں طرح طرح کے کارخانے تھے۔ کپڑے بنانے کے، رنگنے کے، زیورات بنانے کے، اسلحہ تیار کرنے کے، فولادسازی کے، اور جو چیزیں وہ خود نہ بناتے تھے وہ باہر سے درآمد کرتے تھے۔ اور ان کے عوض اپنی چیزیں دوسروں تک پہنچاتے تھے۔ اہل مصر کی شاہانہ ضروریات زندگی۔ لوازم تعیش، اور سامانِ آرائش بیشتر وہی پہنچاتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس وسیع ریگستانی خطّے میں ڈھائی سو سے زیادہ خود مختار ریاستیں قائم تھیں، جن کا اپنا شہری نظام تھا۔ عدالتیں تھیں، قوانین و ضوابط تھے، ان میں باہمی معاہدات و تعلقات بھی تھے، ان کی ایک مرکزی مجلس بھی تھی جہاں ان کے نمائندے جمع ہوتے تھے۔ بحث و تمحیص ہوتی تھی، نمائندگی کا بھی ان کا اپنا ایک طریقہ تھا۔ دوسرے ممالک میں اپنے سفیر روانہ کرتے تھے، تجارتی لین دین ہوتا تھا اور ان معاہدوں کو باقاعدہ قلمبند کیا جاتا تھا۔ ان میں باہم جنگ بھی ہوتی تھی اور پھر صلح بھی۔

مکّہ، مدینہ اور طائف، بڑے مرکزی شہر تھے، اور

شہری ریاستوں کی حیثیت رکھتے تھے منظم ریاستوں کا تصور عربوں کے لئے اجنبی نہیں تھا، معین وسبا اور حمیر کی بڑی بڑی سلطنتیں عربوں ہی کی تھیں، اور وہ ان کو بھولے نہ تھے۔ مکہ، مدینہ اور طائف کی ان شہری ریاستوں کا نظام سماجی مساوات پر مبنی تھا، سرداری کی بنیاد کسی ذات پات پر نہ تھی، سب آزاد اور مساوی تھے، سردار کا معیار صرف عقل و تجربہ تھا۔ وہ ایرانی اور رومی شہنشاہیوں کو قبول اسی لئے نہ کرتے تھے کہ ان ملکوں میں طبقہ وارانہ امتیاز شدت پر تھا۔

مکہ کوئی سوا سو میل کے احاطے کا حرم تھا۔ اور گرد و پیش کا عظیم الشان مرکز، یہاں دس قبائلی سرداروں کی اعیانیت قائم تھی، یہ گویا اس ریاست کے دس وزراء تھے، بادشاہ کوئی نہ تھا، البتہ دار الندوہ کے نام سے ایک پارلیمنٹ موجود تھی۔ جس کے ارکان ریاست کے وہ تمام مرد تھے جن کی عمر کم از کم چالیس سال ہو، اور دس وزراء کے سپرد الگ الگ محکمے تھے، انتظام کعبہ، سپہ سالاری، علمبرداری، امور خارجہ، ٹیکس کی وصولی اور اس کا خرچ وغیرہ، ان کے پاس غلاموں اور ملازموں کی ایک اچھی خاصی مستقل فوج بھی رہتی تھی، اور ایک عدالتی نظام بھی قائم تھا۔

شمال و جنوب اور مشرق مغرب اور وسط ملک کے تمام علاقوں کے قبائل سے ان کا ایلاف و ایتلاف تھا اور وہ باہمی تحالف اور معاہدات کے رشتے میں بندھے ہوئے تھے۔ عمان ایک طرف، فلسطین و شام و عراق دوسری طرف، مصر تیسری طرف، حبشہ چوتھی طرف اور یمن پانچویں طرف، اور ان کے درمیان ہزاروں میل کی مسافت، لیکن یہ ہر چھ ماہ پر تجارتی قافلے لے کر وہاں پہنچتے تھے۔ یہ قافلے زیادہ تر گرمی اور جاڑے میں سفر کرتے تھے۔ رحلۃ الشتاء والصیف اور یہاں کی خوش حالی و اقتصادی ترقی کے مسبّب بنتے تھے۔

غرض زندہ قوموں کی تمام صفات ان کے اندر موجود تھیں۔ وہ فیاض تھے، بہادر تھے، مہمات پسند تھے، دور دراز کے سفر کا شوق رکھتے تھے، امانت، دیانت کے قدردان تھے۔ زبان کا بڑا پاس تھا، جان لینے اور جان دینے سے بھی دریغ نہ کرتے تھے، دُھن کے پکے اور بات کے پورے تھے مستقل مزاج بھی تھے۔ سادہ اور جفاکش بھی، ان میں غیرت بھی تھی حمیت بھی اور خودداری بھی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ خرابیاں بھی ان کے اندر بے شمار تھیں، پھر بھی ان کو بدو کہہ کر جو تصور آج ہمارے ذہنوں میں ابھرتا ہے وہ ساری قوم پر چسپاں نہیں کیا جا سکتا۔ تاریخ یہی بتاتی ہے کہ وہ جاہل گنوار نہ تھے۔ بدوی و حضری، شہری و دہقانی کی اصطلاحیں تو ہر زمانے میں رہی ہیں۔ یہ پہلے بھی تھیں اور آج بھی ہیں، قصباتیوں اور دہقانیوں سے اہلِ شہر ہر جگہ ممتاز رہے ہیں، ان کے شہری بھی قصباتیوں اور دیہاتیوں سے ممتاز اور زیادہ ترقی یافتہ اور متمدن تھے۔ وہ زندگی کے بارے میں اسی طرح سوچتے تھے جس طرح آج کے متمدن لوگ سوچتے ہیں، اور وہ لذت پسند بھی اسی طرح سے تھے جس طرح آج کا متمدن شخص ہوتا ہے۔ وہ قسم قسم کی شرابیں بناتے تھے اور پینے پلانے کی محفلیں جماتے تھے، جن میں مردوں کے دوش بدوش عورتیں بھی ہوتی تھیں اور ساقی گری کی خدمت وہی انجام دیتی تھیں، وہ اس میں بھی متمدن دنیا کے طور طریق سے کچھ مختلف نہ تھے، گھوڑ دوڑ کے بھی بیحد شائق تھے، اور آج کے متمدن لوگوں کی طرح اس پر روپیہ لگاتے تھے اور قمار بازی میں بھی اپنی ذہانت کے جوہر دکھاتے تھے۔ ان کی عورتیں بھی آج کی متمدن عورتوں سے کسی طرح کم نہ تھیں، البتہ عشق بازی کی چھوٹ ہونے کے باوجود ان کی طبعی غیرت و خودداری اور مفاخرت نے ان پر کچھ پابندیاں از خود عائد کر رکھی تھیں اس لئے بے اعتباری کا دائرہ وسیع ہونے کے بعد بھی عہدِ حاضر سے مقابلتہً تنگ تھا، ورنہ عیش و عشرت کا ہر سامان مہیا تھا۔ ان کے عکاظ، میلے ٹھیلے ان کے بازار، ان کے "ثقافتی مظاہرے"۔ ان کے "مشاعرے" اور کاروبار سب میں بڑی رنگا رنگی ہوتی تھی۔

چھٹی ساتویں صدی عیسوی میں صرف عربوں ہی کی نہیں ساری دنیا کی حالت آج سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھی، تمدنِ انسانی پر چار ہزار سال سے زیادہ کی مدت گزر چکی تھی، بڑی بڑی شہنشاہیاں وجود میں آچکی تھیں، بڑی بڑی تہذیبیں اور بڑے بڑے نظام الاخلاق اور نظام القوانین ترتیب پا چکے تھے، انسان بڑا متمدن اور ترقی یافتہ تھا، مگر اس کے باوجود انسانیت پامال تھی، اور بری طرح پامال تھی، قبیلے قبیلے

کے علیحدہ علیحدہ بت' صرف عرب ہی میں نہ تھے بلکہ ساری دنیا اسی کیفیت سے گزر رہی تھی۔ بقول مؤرخ ڈینی سن تمدن کا سفینہ تباہی کے کنارے آ لگا تھا۔ انسانیت پھر سے اسی عہد وحشت و بربریت میں لوٹ چکی تھی، جہاں قبیلہ قبیلے کا، گروہ گروہ کا، قوم قوم کی بلکہ فرد فرد کا دشمن جانی تھا، صورت حال المناکیوں سے پُر تھی۔ قدیم قوانین و ضوابط، فلسفے اور اصول، اپنا اثر کھو چکے تھے۔ مسیحیت نے جدید قوانین و احکام وضع کئے تو تھے مگر وہ انسانیت کو سنبھالنے اور متحد کرنے کی بجائے مزید انتشار پھیلانے کا سبب بنے ہوئے تھے اور تباہ کن ثابت ہو رہے تھے۔ ضرورت تھی کہ ایسے میں کوئی نئی تہذیب کہیں سے رونما ہوتی اور انسانیت کی دستگیری کرتی۔

یہ تہذیب رونما ہوئی اور اس نے انسانیت کو تباہی کے غار میں گرنے سے بچا لیا اسی تہذیب کا نام اسلام ہے۔ اس کا ظہور چین میں نہیں، ہندوستان میں نہیں، روما میں بھی نہیں، مصر و فارس میں بھی نہیں، بلکہ ریگستان عرب میں ہوا۔ جو ملوکیت سے پاک تھا۔

اس تہذیب کے ظہور سے پہلے دنیا بے شمار بتوں کے سامنے سرنگوں تھی، پتھر سے لے کر خواہشات نفس تک کوئی چیز ایسی نہ تھی جس کو آدمی نے بت نہ بنا لیا ہو، اور ہر بت کی فطرت یہ ہے کہ اس پر بھینٹ چڑھائی جائے، سو ان بتوں کے پجاری انسانیت کو بھینٹ چڑھانے میں برابر مصروف رہے۔ پھر جو کچھ ہوا اس کے تذکرے سے تاریخ کے صفحات سیاہ ہیں۔

دو ہی صورتیں تھیں یا تو ان بتوں پر انسانیت ہمیشہ کیلئے بھینٹ چڑھا دی جاتی اور اس کا خاتمہ ہو جاتا، یا انسانیت کو بچانے کے لئے ان بتوں کو قربان کیا جاتا۔ اسلام نے بتوں کو قربان کیا۔ اور انسانیت کو بچا لیا۔ اس کا پہلا نعرہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ تھا کوئی الٰہ نہیں بجز اللہ کے۔

یہ آواز مکہ سے اٹھی' قلب حجاز سے۔ یہ نعرہ سرزمین حرم سے بلند ہوا۔ یہ پیغام محمدؐ رسول اللہ نے دیا۔ توحید کا پیغام۔ وحدانیت اور وحدت انسانی کا پیغام۔

آدمی کچھ سوچتا ہے، کسی تصور کو دل میں جگہ دیتا ہے پھر اسی تصور کا ظہور اس کے عمل میں ہوتا ہے۔ یقین و عمل کا فلسفہ یہی ہے۔ حضور اکرمؐ نے سب سے پہلے ذہن انسانی کو درست کیا۔ ایمان و عقائد کی اصلاح کی، ۔۔۔ ایمان کے لئے ضروری تھا کہ ان تمام تصورات اور فلسفیانہ افکار کی تردید کی جائے جو اس کائنات اور خالق کائنات کے بارے میں اور پھر اس کائنات کے اندر انسان کے مرتبہ و مقام کے متعلق قائم ہوتے رہتے ہیں۔ یہ سلبی پہلو تھا، جو کلمے کے پہلے جزو لَآ اِلٰہَ میں ہے، دوسرا پہلو ایجابی تھا اور وہ کلمے کا دوسرا جزو اِلَّا اللّٰہ ہے۔ یعنی یہ تصور محکم کیا جائے کہ یہ کائنات خود بخود وجود میں نہیں آئی، اتفاقی اور ہنگامی نہیں (جیسا کہ دیمقراطیسی مکتب خیال سمجھتا ہے) یہاں خیر و شر' یزدان و اہرمن یا روح و مادہ کی مستقل ثنویت بھی نہیں (جیسا کہ زرتشتی مکتبۂ فکر یا ارسطو کے حامی سمجھتے ہیں) اور نہ صرف روح کی ایسی کوئی کارفرمائی ہے جو بالآخر ہمہ اوست کے تصور تک پہنچاتی ہے (جیسا کہ افلاطونی یا اپنشدی گروہ قائل نظر آتا ہے) اور نہ یہی ہے کہ آپ طوفان وہم و گمان اور طغیان شک و ارتیاب کی نذر ہو جائیں (جیسا کہ ارسطو کا ہمعصر پرہو سے لے کر آج تک کے قدیم و جدید ارتیابیین سمجھتے رہے ہیں۔ لیکن یہ بھی ہے کہ تقریباً سارے ہی فلسفی کسی نہ کسی طرح اس عالم اسباب کے لئے ایک سبب اول بھی ضرور تسلیم کرتے رہے ہیں جس کو وہ علتہ العلل (فرسٹ کاز) کہتے ہیں۔

اسلام نے یہ اصلاح کی کہ وہ علتہ العلل اور وہ سبب اول یا عقل کلی، تم اسے کسی نام سے بھی پکارو، بے جان و بے شعور و بے علم و بے ارادہ نہیں بلکہ وہ سب کچھ ہے اور ان تمام صفات کا حامل ہے جو ہمیں اپنے اندر، اور باہر ساری کائنات میں نظر آتی ہیں اور یہی صفات سرچشمۂ حیات انسانی اور منبع اقدار زندگانی ہیں انہیں صفات میں ایک بڑی صفت ربوبیت بھی ہے اور ھدایت بھی ہے۔ اور بالکل منطقی طور پر اس سے یہ بھی نتیجہ نکلے گا کہ اس ربوبیت اور ہدایت کا ظہور بھی یقیناً ہو۔ سو یہی ظہور پیغمبروں کی آمد ہے۔

انسان اگر اس دنیا میں صاحب عقل و شعور اور صاحب فکر و ادراک ہے (اور یقیناً ہے) تو پھر یہ بھی لازمی ہے کہ جس دنیا میں اس نے آنکھ کھولی ہے، اور بے شمار چیزوں کا یہ جو عجیب کارخانۂ ہست و بود اس کو نظر آ رہا ہے، اس کی نسبت غور بھی کرے کہ یہ کیا ہے؟ کیسے وجود میں آگیا، اسے کون چلا رہا ہے

ہم خود کون ہیں اور کیا ہیں؟ زندگی کہاں سے آتی ہے اور کدھر چلی جاتی ہے، اس کی یہ آمد و رفت کیا ہے اور اس کا مقصد کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ سوچنے والوں نے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ غور و فکر کے جتنے پہلو بھی عقلِ انسانی کے بس میں تھے، آج سب ہمارے سامنے ہیں، دیمقراطیس سے لے کر کارل مارکس اور فرائڈ اور ان کے لواحقین تک پوری ترتیب موجود ہے۔ افلاطون سے لے کر برکلے، نیوٹن اور ہیگل تک اس فکر کا شجرہ ارادت بھی بالکل واضح ہے اسی طرح ارسطو سے لے کر ڈیکارٹ تک ایک قوم قطار اندر قطار کھڑی ہے بلکہ متشککین کا قبیلہ بھی اسپنسر، ہکسلے اور کانٹ سمیت صاف پہچان لیا جاتا ہے لیکن ان میں سے کوئی بھی تو ایسا نہیں جس نے انسان کو انسانی عافیت وسکون اور یقین کی نعمت بخشی ہو، فکر و فلسفہ اور عملی دنیا میں تو آسمان و زمین کا فرق ہے۔ اس لئے سلسلہ تو صرف ایک ہی ہے جس نے دلوں کو یقین عطا کیا، سکون عطا کیا، ایمان عطا کیا جس کی تعلیم ظنی نہیں یقینی ہے یہ سلسلہ باخبروں، خود آگاہوں اور خدا شناسوں کا ہے جن کو انبیاء و مرسلین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ محمد رسول اللہ اسی سلسلے کے آخری اور جامع پیغمبر ہیں۔ بنیادی تعلیم تمام انبیاء و مرسلین کی ایک ہے توحید۔ حضور اکرمؐ کی بنیادی تعلیم میں توحید ہے اور یہی وہ اصل ہے کہ اگر یہ درست نہ ہو تو پھر زندگی کے تمام شعبوں میں فساد کا پھیل جانا لازمی ہے۔

قرآن نے ہمیں یہ بتایا کہ انسان کی پہلی راہ ہدایت ہی تھی گمرہی فکر و عمل بعد کی پیداوار ہے اور کج فہمی اس کا سبب "تمام انسان ایک ہی امت تھے، پھر انہوں نے اختلاف پیدا کر لیا"

فلسفیوں نے اسے علتہ العلل یا عقلِ کلی کی صورت میں پہچاننا چاہا تھا۔ اس کی تردید کی گئی کہ نہیں "وہ ذی حیات، ذی ارادہ، اور فعال لما یرید ہے۔ علیم ہے اور کلیات و جزئیات سب پر حاوی اور قادر مطلق"

بعض لوگوں نے اسے باپ قرار دے لیا تھا۔ اس کی تردید کی گئی کہ "اللہ کو تم اسی طرح یاد کرو جس طرح اپنے باپ کو یاد کرتے ہو بلکہ باپ سے بھی زیادہ شدید وابستگی کے ساتھ — اور کہہ دیجئے کہ اللہ ایک ہے پاک اور بے نیاز ہے، نہ وہ کسی کا والد نہ کسی کا مولود، اور نہ کوئی اس کا ہمسر"

کچھ نے اللہ کی صفتوں کو بھی الگ الگ مستقل وجود تصور کر کے معبودیت کا درجہ انھیں دے دیا تھا جیسے ہندوؤں میں "پیدا کرنے والا، قائم رکھنے والا اور فنا کرنے والا" برہما، وشنو اور شیو بن گیا، یا جیسے عیسائیوں میں حیات، علم اور ارادہ تین شخصیتیں باپ، روح القدس اور بیٹا) اس کی بھی تردید کی گئی ہے کہ نہیں" اللہ کے سوا اور کوئی الٰہ نہیں، وہی حیؔ اور وہی قیومؔ وہی زندگی دیتا ہے، وہی موت دیتا ہے، وہی تمہارا اور تمہارے باپ دادوں کا بھی پروردگار ہے۔ تمام اچھے نام اسی کے ہیں اور تمام اچھی صفتیں اسی کی"۔

کچھ نے کہا کہ دنیا میں دو بڑی اور ازلی قوتیں ہیں خیر و شر نور و ظلمت، یزدان و اہرمن۔ اس کی بھی تردید کی گئی کہ یہ دو علیحدہ وجود نہیں۔ "ان سب کا خالق اللہ ہی ہے، اس نے ہر نفس کے اندر گنہگاری اور نیکوکاری کی صلاحیت رکھ دی ہے، اب جس نے نفس کو پاک کیا اس نے نجات پائی، جس نے اس کو مٹی میں ملایا وہ ناکام و نامراد ہوا"۔

اور پھر اس حقیقت کا اعلان عام کر دیا کہ "اے انسانو تم سب کو ہم نے (اللہ نے) ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو قبیلہ قبیلہ اور گروہ گروہ صرف اس لئے بنایا ہے کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو ورنہ خدا کے نزدیک سب سے معزز و مکرم تو وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار و صاحب کردار ہو"۔ یعنی یہ فرق و امتیاز انسانوں کے درمیان دیواریں کھڑی کرنے کے لئے نہیں ہیں۔

توحیدِ ذات، توحیدِ صفات، بنیادی عقائد و ایمان، اعمالِ صالحہ اور مکارمِ اخلاق پوری انسانی زندگی پر حاوی ہیں اور ان سب نے یہ بات راسخ کر دی کہ نہ تو یہ کائنات مہمل ہے نہ انسان مہمل ہے، نہ یہ کارخانۂ قدرت "مایا" اور "تماشا" ہے۔ نہ یہ خود کوئی اتفاقی حادثہ ہے، نہ اس میں کوئی واقعہ اتفاقاً ہوتا ہے، نہ یہ بے سبب اور بے مقصد ہے۔ اور چونکہ بے مقصد نہیں ہے۔ اس لئے ہر انسان کو ایک آخری منزل پر پہنچنا اور اپنے

(باقی صفحہ ۱۹۷ پر)

عقیدت کے آنسو محبّت کے طوفاں

★

عبدالعزیز فطرت

ہراک پیارے آنسو میں ہم نے بعجز و عقیدت، محبت کے طوفاں سموئے
نہ ہے بخت! اس رنگ سے، آج شب، خواب میں ہم حضورِ رسالت میں روئے

ہراک پیارا آنسو تھا خورشید تاباں، ہراک پیارا آنسو تھا ماہِ منوّر
یہی تخمِ پاکیزہ کشتِ عقیدت میں ہم نے خوشی سے بہ صد شوق بوئے

سنا ہے جہنم کے آتشکدوں میں کسی شعلے کو یہ اجازت نہ ہوگی
کہ اُس سے تعرض کرے جسنے دریائے عشقِ محمدؐ میں دامن بھگوئے

سنا ہے کہ عصیاں کے دریا میں جس نے ڈبویا ہے خود کو وہ مقبول ہوگا
فقط شرط یہ ہے کہ فرطِ ندامت سے اشکوں کے طوفاں میں خود کو ڈبوئے

کمالِ مسرت کی حیرانیوں سے، ہوئے خود فراموش ہم ایسے فطرت
ہنسے ہم نہ روئے، نہ جاگے نہ سوئے، پھرے صحن کعبہ میں بس کھوئے کھوئے

●

"عطیات محمدی": بقیہ صہ ۶۵

لیکن نفس پروری کے دور میں انسانی معاشرہ ان کے سدِ باب پر تیار نہیں ہوتا۔ ایک سبب یہ بھی ہے کہ یہ اخلاقی مرض اندر ہی اندر اور بتدریج افراد یا اقوام کی تباہی کا باعث ہوتے ہیں۔

مغربی اہلِ قلم کو محمدّی تعلیمات میں دو باتیں بہت قابل اعتراض معلوم ہوتی رہیں۔ یعنی مذہبی جہاد اور دوسری تعدّدِ ازدواج۔ مگر یورپ کی دیوانہ وار گُہاریں جو محاربات صلیبی کہلاتی ہیں، ان کی گونج گلیڈ اسٹن اور ایس کوتھ کی تقریروں تک میں سنی گئی۔ ادھر عمرانیات کے بعض مشہور اساتذہ نے جنگ کو "صلاح" زندگی کا لازمہ ثابت کیا گذشتہ خوفناک خونریزی اور نسل کشی کی شیطانی تدابیر نے بالواسطہ دکھا دیا کہ وہ جہاد، جو فی الواقع خدا پرستی اور انسانی حقوق کی حفاظت کے لئے کیا جائے سیلئ استاد کی طرح انسان کے حق میں رحمت اور انتہائی قربانی کی تعلیم ہے۔

تعدّدِ ازدواج کی طبعی اور طبّی ضرورت سے اب کوئی سائنسدان بھی انکار نہیں کرسکتا۔ دین فطرت نے اسے جائز قرار دیا ہے اور انیسویں صدی کے یورپ کے جاہل نقّالوں کے سوا آج کوئی بھی اس فطری قانون کی تکذیب نہیں کرتا لیکن سب سے عجیب تاریخی حقیقت یہ ہے کہ اسلام دنیا کا پہلا مذہب تھا جس نے عورت کو انسانیت کے حقوق دیئے۔ بے شبہ وہ اس کی "نسائیت" کو حجاب وعفت کے ذریعے محفوظ رکھنے میں متشدّد ہے اور بقول اقبالؒ "زن کو "نازن" بنانے کا روادار نہیں —— لیکن دو سو برس پہلے تک، دنیا کا کونسا مذہب، فلسفہ، یا قانون ہے جس نے عورتوں کو وراثت، اور حصول علم و دولت کے وہ باقاعدہ شہری حقوق عطا کئے ہوں جن کی قرآن مجید میں بہ تاکید صراحت فرمائی گئی ہے ⁘

" اردوئے قدیم " بقیہ ص۱۱۶

ہے خاتم نبوت و سرتاجِ مرسلاں
اس نالوں پرسول جیو ایس کا فدا کیا

مفتوں کا نام محمد شریف تھا وہ اورنگ آباد کے تھے۔ مگر آخر عمر میں حیدرآباد منتقل ہوگئے اور نصرت جنگ (۱۱۶۶ھ تا ۱۲۱۰ھ) کے متوسلین میں شامل تھے۔ مفتوں کا دیوان قلمی موجود ہے اس دیوان میں نعت کے تین قصیدے ہیں، پہلے قصیدے میں ۷۹ اشعار ہیں اس کا مطلع ہے:

برنگ سبحہ سراسر ہو جس میں غلطانی
تمیز ہو سکے کیا اوس کا اوّل وثانی

دوسرے قصیدے میں ۷۵ اشعار ہیں، مطلع ہے:

اے عشق اب مجھے تو گلِ زعفراں سمجھ
اور دل کے تئیں مرے وردِ ارغواں سمجھ

تیسرے قصیدے میں ۶۲ اشعار ہیں، مطلع ملاحظہ ہو:

دل ہمارے کو نہیں جوشش تمنّا وضعی
خوب نئیں ہم سے فلک کاوش ہتنا وضعی

یہ دیوان ۱۱۹۴ھ کی تصنیف ہے اور "دو" کے تخرجے کے ساتھ "منظور" سے اس کی تاریخ نکلتی ہے۔

تیرھویں صدی نے دکن میں بڑے اچھے نعت گو پیدا کئے جن میں شیر محمد خاں ایمان کا نام سرِفہرست ہے ان کے علاوہ اعز الدین خاں نامی متوفی ۱۲۴۰ھ خواجہ فیاض الدین بندہ متوفی ۱۲۸۵ھ، خواجہ معین شاہ موش متوفی ۱۲۸۸ھ، خواجہ عبداللہ خاں خیر، محمد حیات خاں حیات میسوری، فیاض الدین خاں ادب، شیخ محمود علی ناظم حیدرآبادی اور ندا مدّاح نواب ارسطو جاہ۔ خصوصیت کے ساتھ معروف ہیں۔ مشہور مدّاح رسول مولوی غلام امام شہید بھی اسی دوران میں حیدرآباد آئے تھے۔ ان حضرات کی مستقل تصنیفات نعت میں ہیں، مگر تفصیل کا یہاں محل نہیں۔

اس باب میں چودھویں صدی ہجری کا آغاز تیرھویں صدی کی نسبت زیادہ کامیاب نظر آتا ہے۔ سب سے زیادہ مقبول نعت گو حاجی اعظم علی شائق ہیں جن کی وفات غالبًا ۱۳۲۷ھ میں ہوئی۔ یہ خاص سرزمین دکن سے تعلق رکھتے تھے۔ بیرونِ دکن سے آنے والے سرآمد شعراء میں حضرت امیر مینائیؒ اور ان کے جانشین، حضرت جلیل مانک پوری کا پختہ کلام اس باب میں اس قدر مقبول ہو چکا ہے کہ یہاں مزید تعارف کی ضرورت نہیں۔ جنوبی ہند کے نعت گو شعراء میں جناب خطیب بادشاہ مدراسی (وفات ۱۳۴۳ھ) اور سیٹھ محمد اسمٰعیل مغموم مدراسی (وفات ۱۳۴۸ھ) کے کلیات طبع ہو چکے ہیں اور نعت میں ہیں۔ اسی دور کے شعراء میں ترچناپلی کے غلام مصطفٰی راسخ، (صاحبِ "چمنستانِ راسخ") کا بھی نام لیا جا سکتا ہے۔ دورِ حاضر میں دکن کے اور بھی ایسے شعراء کا سراغ لگایا جا سکتا ہے۔ جن کے کلام میں شعری پختگی بھی ہے اور مدحتِ رسول صلعم کی تابش بھی۔ بہر نوع، اس میں شک نہیں کہ ہمارے نثری و شعری سرمایے میں مدحِ رسولؐ پر بہت کافی مواد موجود ہے اور اس کا بیشتر حصّہ بڑا دقیع، جامع اور ایمان افروز ہے۔ جس کا محفوظ رکھنا ہمارا ملّی وادبی فرض ہے۔

" فقرِ غیور " : بقیہ ص۹۰

کبھی ہیرے کا تاج نہیں پہنا، جواہر نگار تخت پر نہیں بیٹھے۔ چاندی سونے میں نہیں تُلے۔ آپ کے رہنے کا مکان محل نہیں، مٹی کا گھروندا تھا۔ آپ کا لباس کمخواب و زربفت کی پوشاک نہیں، کالی کملی تھی۔ اس سادہ زندگی کی بدولت ہی یہ ممکن تھا کہ آپ کے حصّہ کا مالِ غنیمت مسجد کے صحن میں آپ کی خدمت میں پیش ہوتا تو آپ دولت کے ڈھیر غریبوں اور محتاجوں میں لٹاتے اور جب تک سب تقسیم نہ کر دیتے، گھر تشریف نہیں لے جاتے۔ غرض ــــ حضور کا "الفقر فخری" کا عالی شانِ امارت میں ــــ

بہ آب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را

پیغمبرِ اسلام کے اس سبق پر عمل کرنے میں صرف پاکستان یا عالمِ اسلام ہی کے نہیں، بلکہ ساری دنیا کے غم والم، دکھ درد دور کرنے کا راز پوشیدہ ہے۔

"عشقِ محمدؐ دولت ہے لاثانی"

(نعتیہ پشتو ٹپّہ)
ترجمہ: وفا

میںہ دخدائے درسولؐ بنہ دہ
دانورے مینے لباسی تیرے بہ شینہ
عشق خدا اور عشق محمدؐ دولت ہے لاثانی
باقی سب کی الفت جھوٹی سب کی چاہت فانی

زۂ بہ پروے نۂ نازیرم
چہ د فلک ملک ئے تول صفت کوینہ
کیونکر نہ فخر شاہِ اُمم آپ پر کروں
تسبیح خواں ہیں اہلِ فلک بھی حضور کے

اللہ ورکرے میلمستیا دہ
پہ لا مکان ئے شوی خدائے سرہ رازونہ
مہماں ہوئے جو خالق ہر دوسرا کے آپ
راز و نیاز کیا نہ ہوئے لامکان میں

چہ والضحیٰ دچا خطاب دے
دَ امتیانو شفاعت بہ ھغہ کری نہ
والضحیٰ جن کا ہے خطابِ پاک
روزِ محشر شفیع وہ ہوں گے

پہ کل نبیا نو کښے سردار دے
اللہ ئے کری پہ قرآن کښے صفتونہ
سردارِ انبیاء ہیں شہِ دوسرا ہیں آپ
توصیف کی ہے آپ کی پروردگار نے

ما مدینے تہ خدایہ بوځے
ځما پہ زړۂ دَ مدینے دی ارمانونہ
الٰہی مجھ کو پہنچا دے دیارِ پاک سرور میں
کہ ارماں ہیں مدینے کے ہزاروں قلبِ مضطر میں

"تاجِ عرشِ بریں"

فضا جالوی

خلقتِ اوّلیں مرے آقا
خاتم المرسلیں مرے آقا

زیبِ تختِ رسالتِ آخر
تاجِ عرشِ بریں مرے آقا

دیکھ لو پڑھ کے کلمۂ طیب
ہے جہاں حق وہیں مرے آقا

حشر میں اڑ رہے ہیں ہوش و حواس
حالِ امّت بیں مرے آقا

دیکھ لیں انبیاء کی تاریخیں
کوئی تم سا نہیں مرے آقا

در پہ حاضر ہیں جبرئیلؑ و براق
جا رہے ہیں کہیں مرے آقا

ایک اک شے سے ہیں فضا واقف
عرش سے تا زمیں مرے آقا

خُلقِ عظیم

(پیروانِ رسولؐ میں سیرتِ طیبہ کا پرتو)

حشمت فضلی

کردار

ابنِ سبا : حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ کا مشہور منافق اور دجّالِ اعظم یہودی جس نے بظاہر مسلمان ہوکر خلافتِ اسلامیہ کی بیخکنی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

چند مسلمان :

ایک بزرگ :

ایک مسلمان :

اک نہیں اور بہت ایسے ہیں
وضع و کردار میں اک جیسے ہیں
دھوکا جب دیتے ہیں یہ یزداں کو
پھر کہاں چھوڑیں گے یہ انساں کو
عہدِ حضرتؐ میں بھی بے حد و شمار
یہ منافق تھے، یہ تلبیس شعار

دوسرا :

ہمیں اسلام کے اقرار سے کام
دینِ اللہ کے اظہار سے کام
بسکہ ارشادِ نبوت یہ ہے
رسم و راہِ ہمہ ملّت یہ ہے

تیسرا :

ہاں ہمیں یاد ہے گفتارِ رسولؐ
شیوہ و اسوہ و کردارِ رسولؐ

ہائے کیا دن تھے وہ کیا راتیں تھیں
کیسی اعجاز کی وہ باتیں تھیں
طورِ دشمن کا بہیمانہ سہی
حسنِ کردار سے بیگانہ سہی
ان کا اخلاق کریمانہ تھا
رحمتِ عام کا افسانہ تھا
رند پاس آئیں کہ فاسق آئیں
کافر آئیں کہ منافق آئیں
سب سے پیش آئیں اسی خلق کے ساتھ
ہر کہ و مہ پہ تھا الطاف کا ہاتھ
اُف وہ اندازِ مدارات اُنؐ کا
شیوۂ لطف و مواخات اُن کا
ہم کو ہے درسِ دوامِ الفت
سبق شیوۂ عامِ الفت

ابنِ سبا: (نہایت غمگین اور دردانگیز لہجے میں گنگناتا ہوا مسجد میں داخل ہوتا ہے)

ایک شخص :

رنگ چہرے کا کس قدر ہے زرد
اس کی آواز میں ہے کتنا درد

دوسرا :

پیکرِ درد و کُشتۂ غم ہے
اس کا ہر سانس ساغرِ سم ہے

پہلا : لٹ چکی ہے ہر اک خوشی کی اساس
خونچکاں ہے مسرّتوں کا لباس

دوسرا:

آج مجبور و بے سہارا ہے
گردش آسماں کا مارا ہے

پہلا:

ملول و سوگوار ہے۔ اداس، بے قرار ہے

دوسرا:

رہینِ صد ہراس ہے اور آنکھ اشکبار ہے

پہلا:

ہم سے امداد کا یہ طالب ہے
(اوروں سے)
آپ کا کیا خیال ہے، کہئے!

بزرگ:

وقت پر دوسروں کے کام آنا
فرض اول ہے ہر مسلماں کا
ہاں یہی تو ہے سنت نبویؐ
ہم پہ لازم اطاعت نبویؐ

پہلا:

شکل اس کی مگر بتاتی ہے
یہ مسلماں نہیں، یہودی ہے

دوسرا:

یہ سراپا فریب رہزن ہے
ہمہ تن دین حق کا دشمن ہے
شیطنت کیش آدمی ہے یہ
ایک مکار کشتنی ہے یہ
مثل روباہ یہ فریبی ہے
خبث باطن میں ہے، یہودی ہے
پھر اسے کس لئے اماں بخشیں
عام تخریب کی اجازت دیں

بزرگ:

اے صاحبو! تسلیم ہے، تسلیم ہے یہ بات
ہیں اور ہی کچھ دینِ الٰہی کی روایات
اسلام کی تعلیم نے ہم کو یہ سکھایا
ہے سب کے لئے دامنِ اسلام کا سایا
اے دوستو! اس دین کا ہے نکتۂ باریک
سب شاہ و گدا ایک ہیں اسلام کے نزدیک
یہ کون ہے، کیوں آیا ہے، پوچھیں تو ذرا ہم
ہوں کس لئے آمادۂ تعزیر و جفا ہم

ابن سبا:

(روتے ہوئے)
کیا بتاؤں کہ مجھ کو کیا کہیئے
مجھ کو عبداللہ بن سبا کہیئے
عرض مطلب کروں تو کیسے کروں
سخت نادم ہوں میں پشیماں ہوں
سنتا آیا ہوں شان اسلامی
ہیں مسلمان شاہ روحانی
ہوں بہت ہیچ، بد سے بد تر ہوں
بیکس رنج و غم ہوں، مضطر ہوں
لٹ چکی ہے متاع صبر و سکوں
لذت زندگی سے عاری ہوں
اک گداگر ہوں، میں بھکاری ہوں
کاش مجھ کو سکون دل مل جائے
غنچۂ آرزو مرا کھل جائے

بزرگ:

یہ سکوں چاہتا ہے، بندۂ خود سر تو نہیں
قابل رشک ہے یہ کوئی گداگر تو نہیں
ہاں تو مایوس نہ ہو، راہبر اپنا ہو جا
روح کے قلزم بے حد و کراں میں کھو جا
تُو نے سوچا ہے کبھی کون ہے تو اور کیا ہے
جس میں ہو جلوۂ خورشید وہی ذرہ ہے

ابن سبا: (روتے ہوئے)

آپ سچ کہتے ہیں، میں جانتا ہوں
نور ایمان کہاں سے لاؤں

میں گنہگار ہوں، مجرم ہوں
اپنے عصیاں پہ بہت نادم ہوں

بزرگ :
درِ توبہ نہیں ہے بند کبھی
حق نے "لا تقنطوا" کہا ہے کبھی

ابن سبا :
روشنی اپنی کھو چکی کب کی
نذرِ طوفان ہو چکی کب کی
مگر اب بھی ہے یاد اک لمحہ
جبکہ اک روشنی کو دیکھا تھا
کتنی پاکیزہ، سحر ساماں تھی
جیسے وہ آرزوؤں کی جاں تھی
ایسا معلوم ہو رہا تھا آہ
اتر آئے زمیں پہ مہر اور ماہ
ہائے وہ منظر نشاط افزا
جیسے وہ خواب تھا، فسانہ تھا
(روتے ہوئے)
ایزدی نور پھونک دے مجھ کو
صورتِ طور پھونک دے مجھ کو
مجھ کو اس زندگی سے نفرت ہے
کھوکھلی ہر خوشی سے نفرت ہے
دور ایماں سے ہوں، میں کافر ہوں
رہ سے بھٹکا ہوا مسافر ہوں
مجھ کو بھی راہ راست دکھلا دے
منزل آرزو سے ملوا دے

بزرگ : یہ نہ کہہ دور ہے تو منزل سے
اپنی حسرت سے، مقصد دل سے
شرط اس کے لئے ہے اتنی مگر
سر جھکا دے خدا کی وحدت پر
کلمہ لاالہ پڑھ کر تو
دل سے ایمان لا رسالت پر
پھر میسر ہر اک خوشی ہوگی
پُر سکوں زندگی تری ہوگی
کوئی چھوٹا بڑا نہیں ہے یہاں
دین اسلام میں ہیں سب یکساں
جس طرح آفتاب سب کے لئے
جلوۂ ماہتاب سب کے لئے

ابن سبا : (حیرت سے)
آپ کا دین کتنا سادہ ہے
سرمدی کہکشاں کا جادہ ہے
میں نے بھی ایک خواب دیکھا ہے
کوئی رہ رہ کے مجھ سے کہتا ہے
سب کا جو رب ہے وہ ترا رب ہے
دین اسلام راست مذہب ہے
اُس کے چشمے میں غوطہ زن ہو جا
روح تیری ہو تاکہ پاکیزہ

بزرگ : تجھ کو اللہ نے ہدایت دی
یہ سعادت بہت بڑی بخشی
مرحبا، مرحبا، جزاک اللہ
غنچۂ آرزو ترا مہکا

ابن سبا : صدق دل سے میں کلمہ پڑھتا ہوں
ہیں محمدؐ خدا کے پاک رسولؐ

بزرگ : یہ مسلماں ہے، اب مسلماں ہے
یعنی منجملۂ اہلِ ایماں ہے
یہ ہے یکسر کرامتِ نبویؐ
شیوۂ خاصِ رحمتِ نبویؐ
یہ کہ الطاف خاص سب پہ ہو
سب کو خلق حسن میسر ہو
زندگی بھر یہی شعار رہا
پرتوِ مہر جلوہ کار رہا
آج بھی ان کی یاد آتی ہے
فیض حضرتؐ کا فیض باقی ہے
ذاتِ اقدس ہے رحمت عالم
مرجع جاودانِ لطف و کرم

سیاہ چٹان، سنہرے پھول

طاہر احمد

وہ ایک سرسبز ڈھلواں وادی تھی جو سیاہ سخت پتھر کی چٹانوں کو سینے سے لگائے دور تک پھیلتی چلی گئی تھی جس جگہ وادی کی عمودی ڈھلان شروع ہوتی تھی وہاں ایک بڑی سی تکونی چٹان اس طرح کھڑی تھی جیسے اسے کسی کا انتظار ہو۔ اس چٹان کو دور سے دیکھو تو ایسا معلوم ہوتا کہ کوئی انسان اپنے بازو پھیلائے آسمان پر پرواز کرنے کے لئے پر تول رہا ہے لیکن جب قریب آؤ تو وہ بے حد بڑی عظیم الجثہ اور سیاہ پتھر کا ایک تودہ بن جاتی۔ اس کے اردگرد ہر طرف نرم و نازک گھاس اور خود رو پھول ہوا سے ہلتے رہتے۔ بنفشہ اور سنبل کی جھاڑیوں میں آوارہ ہرنیاں اور بھیڑیں کلیلیں کرتیں۔ چٹان سے آگے وادی ڈھلوان ہوتے ہوئے دور جنگل میں اتر جاتی تھی اور وہاں آخر میں گھنے درختوں کا سلسلہ افق تک چلا جاتا تھا اس سیاہ چٹان سے تھوڑی دور ایک گہرا غار تھا جس پر سورج چمکتا اور چاند اپنا نور پھیلاتا۔ ایسا معلوم ہوتا کہ جیسے چاند، سورج اور ستارے سب اس غار کے اجالے کے لئے اس طرف آتے ہیں۔ اس وقت غار کے اندر دور تک روشنی کی لکیریں پھیل جاتیں۔ اس غار کے عین سامنے ایک بڑا پرانا اور گھنا درخت تھا، جس کی عمر کہتے ہیں، اس وادی کے لگ بھگ ہی تھی۔ اس کے سائے میں کئی نسلیں آئیں اور دوسری چراگاہوں کی طرف چلی گئیں۔ کئی بار وادی آباد بھی ہوئی ویران بھی ہوئی مگر یہ بوڑھا درخت نہ جانے کب سے اس غار کے سامنے اپنی سرسبز اور گھنی شاخیں پھیلائے کھڑا تھا۔ اس میں کبھی کبھی نارنجی اور زرد رنگ کے پھول اگتے تھے اور پورا درخت ایک طرح کا گلکار لباس پہنے کھڑا رہتا۔ جب ہوائیں چلتیں تو ان کومل پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو کو لیکر دور تک پھیلتی چلی جاتیں۔ اس کے بعد پوری وادی کے لوگ جمع ہو جاتے اور اس گھنے درخت کے اردگرد موسم بہار کے گیت گاتے۔

رات کو الاؤ روشن ہوتے اور دراز قد چرواہے، خمیدہ کمر بوڑھے اور جوانانِ رعنا سب ہی مل کر خوشی مناتے، بربط و رباب جیسے باجے بجاتے اور اپنی بھیڑوں کا گوشت بھون کر کھاتے۔ رات یونہی بسر ہوتی۔ اس درخت کے نیچے، اس کی چھاؤں کے تلے، یہ سب خوشیاں منائی جاتیں۔ گاؤں کا ایک بوڑھا سردار تھا۔ وہ سب کو جمع کر کے اس سے آئندہ سال کے لئے نصیحتیں کرتا، دعائیں دیتا اور بچوں کے سر پہ پیار سے ہاتھ پھیرتا۔ پھر وہ لوگ درختوں اور کنجوں سے آباد وادی کی طرف لوٹ جاتے۔ رنگ برنگ کی بھیڑوں اور شوخ لباسوں میں ملبوس اپنی وادی کی طرف چلے جاتے اُن کی عورتیں راستے میں ان کے لئے پھول لے کر آتیں اور گھروں کے دروازوں پر ان کا انتظار کرتیں۔ اس طرح وادی میں موسم بہار پوری رنگینی سے منایا جاتا۔ لوگ خوش و خرم تھے اور ان کی بھیڑوں کا اُون، اُن کے کھیتوں کا اَنّ اور ان کے چھتوں کا شہد افراط سے جمع تھے۔ بوڑھا درخت بہار میں تو بہت ہی خوبصورت ہو جاتا۔ اس میں پتیوں کے بجائے پھول اور کلیاں ہی نظر آتیں لیکن وہ خزاں میں بھی لوگوں کو اسی طرح سایہ دیتا رہتا۔ اس کے پتے چکنے چکنے، نرم، نرم، اور کسی کی انگلیوں کی طرح سبک اور مخروطی تھے۔ ان میں سے ہوائیں جب گذرتیں تو وہ کسی ساز کے پردوں کی مانند تھرتھراتے۔ اس درخت پر خزاں کا اثر نہ ہوتا بلکہ اس موسم میں وہ اور بھی گھنا ہو جاتا۔ جب وادی سے کوئی مسافر لوٹ کر آتا اور اس درخت کو دور سے دیکھتا تو اسے اپنے ہرے بھرے گھر کی طرف لوٹ جانے کی بشارت ملتی۔ اس کی ماندگی دور ہو جاتی اور وہ اس درخت کی طرح کھِل اُٹھتا۔ درخت کے بوڑھے تناور اور عظیم تنے پر کئی نسلوں کے بہادروں اور نیک انسانوں

کے نام کندہ تھے۔ ہر بڑے اور دلیر شخص کے نام کے پاس سے ایک ہری بھری شاخ پھوٹ کر دور تک چلی گئی تھی۔ بعض نیلے آسمان کی طرف بلند ہو گئی تھی۔ اس وادی کے لوگ کسی ایک ہی باپ کی نسل کے تھے۔ اُن کا قبیلہ آپس میں جھگڑتا نہیں تھا۔ اور اگر کبھی کوئی رنجش ہوتی تو وادی کا بوڑھا سردار ان میں صلح و محبت بحال کر دیتا۔ وہ پیار اور محبت سے اُن کو سمجھاتا۔ تازہ پھل اور شیریں شہد کھانے کو دیتا۔ پھر اپنی شیریں باتوں سے ہنس ہنس کر ایسی تلقین کرتا کہ اُن کی رنجش دور ہو جاتی۔ کہتے ہیں اس کے زمانہ میں اس تمام وادی میں کوئی چوری نہیں ہوئی اور نہ کسی کنواری نے اپنے آنسو بہائے۔ ان کے مسئلے بڑی آسانی سے حل ہو جاتے تھے۔ وادی کے لوگ بڑے محنتی تھے۔ کھیتوں میں حل چلاتے۔ کھجور اور ناریل کے پتوں سے طرح طرح کی چیزیں بناتے۔ موٹے کپڑے پہنتے اور دن بھر کی سخت محنت کے بعد جب وہ تھکے ہارے گھر آتے تو ان کی بیویاں اور ہمسائے اُن کو راحت و آرام دیتے۔ اُن کے پاس موٹے، نرم، نمدے بھی تھے جن پر بیٹھ کر وہ اپنی عورتوں کے ہاتھ کی پکی روٹی کھاتے بھیڑوں کا دودھ پیتے۔ اُن کی عورتیں دن بھر محنت کرتیں، نمدے بنتیں اور کنوؤں سے پانی بھر کر لاتیں۔

وادی اسی طرح آباد و سرسبز تھی ایک دن وادی کے عقب سے گرد کا طوفان اُمڈتا نظر آیا پھر یہ گرد آسمان پر چڑھ گئی دیکھتے ہی دیکھتے گھُپ اندھیرا چھا گیا۔ آسمان کے تمام دریچے ایک ایک کر کے بند ہو گئے وادی کے لوگ بڑے خوفزدہ اور حیران ہو گئے۔ گھروں سے باہر نکل آئے تھوڑی دیر میں دھماکا ہوا۔ گرج کی آواز آئی۔ ایسا معلوم ہوا جیسے کئی ہزار توپیں ایک دم داغ دی گئی ہوں۔ آہستہ آہستہ آواز کم ہونے لگی، پھر دب گئی اور اس کی جگہ گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز نے لے لی جو لمحہ بہ لمحہ قریب آتی گئی جب گرد کے پیچھے سے ایک سوار نمودار ہوا تو لوگوں نے دیکھا کہ اس کے گھوڑے کی نعل سے چنگاریاں نکل رہی ہیں اور گھوڑے کی سیاہ ایال ہوا میں جھنڈے کی مانند لہرا رہی ہے۔ تمام گھوڑے سیاہ تھے اور ان کے منہ سے گاڑھی بھاپ نکل رہی تھی، ان کی سیاہ چمک دار کھال شیشے کی طرح صاف اور چکنی تھی۔ سوار نیزے سنبھالے چلے آ رہے تھے۔ وہ وادی میں آن کر گھوڑوں سے اتر پڑے گھوڑوں اور سواروں کا جمگھٹ ہو گیا جیسے وہ بدی کے سیاہ بھیانک بادل ہوں۔ وادی کے لوگوں نے ایسے خوفناک انسان کبھی نہ دیکھے تھے جو ہاتھوں میں نیزے لئے ہوئے ہوں جو نفرت اور طاقت کے مظہر ہوں۔ وہ سب بوڑھے سردار کے پاس آگئے اور جمع ہو کر اس سے فریاد کی۔ ان کے پاس فریاد کے سوا کوئی ہتھیار نہ تھا۔ انہوں نے کبھی کسی سے جنگ نہیں کی تھی ان کے قبیلے میں کوئی نیزہ نہ تھا کسی نے تلوار نہ بنائی تھی۔

بوڑھا سردار میدان میں آگیا اور بڑے وقار کے ساتھ ان کے سامنے آکر غار کے نزدیک رُک گیا اور شفقت سے ان کے لئے دعائیں مانگیں اس پر سیاہ گھوڑوں والے بہت ہنسے۔ بوڑھے سردار نے ان کے سردار کو اپنے پاس بلایا اور کہا۔ "لوگو! تم ہمارے مہمان ہو ہم تمہارے ساتھ میزبانوں کا سا سلوک کریں گے۔ ہماری بھیڑوں کا دودھ حاضر ہے اور ہماری زمین کی فصلیں تمہارے لئے عام ہیں۔ کھاؤ پیو مگر ظلم نہ کرو۔ کیونکہ ظلم سے کھیتیاں سوکھ جاتی ہیں اور رحم و محبت سے زمین اپنے خزانے اُگل دیتی ہے۔"

اس پر کالی فوج کا سردار بڑا حیران ہوا یہ آدمی کیسی باتیں کر رہا تھا۔ اس نے اپنی فوج کو پڑاؤ کا حکم دیدیا۔ بوڑھا سردار اس سیاہ ہجوم کے بیچ میں کسی سفید روشن نشان کی طرح نظر آ رہا تھا۔ کالے گھوڑوں والے سمجھنے لگے کہ وادی کا سردار بوڑھا اور بزدل ہے۔

انہوں نے کچھ دن بعد وادی میں ہر وہ کام کرنا شروع کر دیا جس سے انہیں روکا گیا تھا۔ انہوں نے ہرے بھرے درخت کاٹ کر چوبیں بنالیں اور اپنے خیمے گاڑ دیئے اور فصلوں کو روند دیا۔ جب بوڑھے سردار نے اپنے لوگوں کی فریادیں سنیں تو وہ وادی سے آہستہ آہستہ نیچے اترا۔ اس کی گود میں ایک بھیڑ کا بچہ تھا اس نے اس کو سنبھالا۔ اور سب لوگوں کو جمع کر کے بولا:

"لوگو! تم مہمان ہو، یہ زمین ہماری بھی ہے اور تمہاری بھی کیونکہ یہ سب کی ہے۔ یہ سب کی ماں کی طرح ہے جو اپنے ہر بچے کو پالتی ہے۔ تم کو ضرورت اور بھوک نے تنگ کیا تو تم ادہر آئے۔ ہماری زمینوں پر پھل اور فصلوں کی کمی نہیں جب تک تم یہاں رہو کھاؤ پیو اور محبت کے بیج چھوڑ جاؤ کہ اس سے زمین پھر شاداب ہو جاتی ہے۔ زمینوں کو اپنے سموں سے نہ روندو،

یہ نفرت کی علامت ہے۔ جو فنا تو کرتی ہے مگر بڑی ہی فانی ہوتی ہے۔ محبت کی طرح نہ طاقتور ہے نہ پائیدار۔ اپنے نیزوں کو کدالوں میں اور ہلوں میں ڈھال لو تاکہ زمین ان کو اپنے خزانے دیتی رہے۔ زمین اس پر ہی خزانے لٹاتی ہے جو اس پر اپنا پسینہ بہاتا ہے، مگر اس کو نگل بھی لیتی ہے جو اس پر خون بہاتا ہے۔ پھل پسینہ سے میٹھے اور خون سے کڑوے ہو جاتے ہیں۔ اگر تم نے اپنے میزبانوں پر ظلم کیا تو وادی کا ہر درخت تم سے بدلہ لے گا، تم سب سے بدلہ لے گا۔ شاید ہم بھی اس سے نہ بچ سکیں۔ کیونکہ ہم بھی انسان ہیں اور تم سے الگ نہیں۔ ہماری اور تمہاری برائی میں زمین کوئی امتیاز نہیں کرتی۔ جیسے وہ اپنی فیاضی کے وقت نہیں کرتی۔"

جس وقت بوڑھا سردار یہ کہہ رہا تھا اس وقت فوج کا سردار اسے حراست میں لینے کی پوری تیاری کر چکا تھا۔ جیسے ہی بوڑھا خاموش ہوا اور اس نے گہری، ہمدرد، چمکدار، مہربان نظریں اس عظیم وادی پر ڈالیں مگر اس کے سامنے تو لوہے کی بیڑیاں آ چکی تھیں اور ایک سپاہی اس کو حراست میں لینے آ رہا تھا۔ وادی کے لوگوں میں غیرت کا طوفان بھڑک اٹھا۔ وہ اپنے سردار اور اپنی زمین کی یہ توہین برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ وہ پل پڑے اور عین اس وقت کہ ان کی ٹھوکریں اپنے مہمانوں کو ضرب پہنچاتیں بوڑھے نے ان سب کو روک دیا اور مسکرا کر خود کو گرفتاری کے لئے پیش کر دیا۔ اور ہاتھ اٹھا کر بولا:

"یہ زنجیریں نہیں ہیں مستقبل کی محبت کی ڈوریاں ہیں۔ ان سے مت ڈرو۔ یہ ریشم کی طرح نازک ہیں۔ ان پر ظلم مت کرو۔ اس سے ایک اور ظلم پیدا ہوگا۔ ان سے پیار کرو کہ پیار سے پھر پیار پیدا ہوگا۔" اور وہ اس کو لے گئے۔ جو آگے بڑھا اس کو گھوڑوں سے روند دیا۔ بہت لوگ کہتے ہیں کہ اس بوڑھے کو اسی غار کے سامنے پرانے درخت کی دو شاخوں سے لٹکا دیا گیا تھا۔ جیسے ہی یہ ہوا اچانک تمام پتے اور پھول جھڑ گئے اور شاخیں سوکھی ہوئی لاش کی باہوں کی طرح پھیل گئیں جیسے وہ ان کے لئے صلیب بن گئی ہو۔ بوڑھا سردار اس پر چڑھا دیا گیا۔ ایسے بہت سے برگزیدہ انسان اس طرح دار کے سزاوار بنائے گئے مگر وہ نئی زندگی کا پیش خیمہ ثابت ہوئے۔ فوج کے سردار نے حکم دیا کہ اسے جلد ہی لٹکا دیا جائے کیونکہ اس کی نگاہ میں ایسی محبت ہے کہ خود سیاہ فوج کے سپاہی چھپ چھپ کر اسے بچانے کی باتیں کر رہے ہیں۔ اور جدھر اس کی نظریں اٹھ جاتی ہیں سوکھے درخت ہرے ہو جاتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ان لوگوں سے نفرت کا زہر دور کر دے اور فوج کے مقصد میں ناکامی ہو جائے۔ لوگوں نے محسوس کیا کہ جیسے اس کی آواز زمین سے یا دلوں کی طرف جا رہی ہو، جیسے اس کی روح اوپر اٹھتی چلی جا رہی ہو جیسے وہ خود اوپر اٹھا لیا گیا ہو اس کے دونوں ہاتھ ایک عظیم مہربان باپ کے ہاتھوں کی طرح پوری وادی، پوری زمین، تمام انسانوں پر پھیلے ہوئے نظر آتے تھے۔ کہتے ہیں کہ لوگوں کے دلوں میں ایسی گونج سنائی دی :۔

"لوگو! اپنے پڑوسی سے محبت کرو۔ کسی کو قتل نہ کرو۔ دشمنوں کو معاف کر دو۔ اور برائی کا مقابلہ نیکی سے کرو۔ جیسا میں کر رہا ہوں۔ میں سامنے والے تاریک غار سے روشنی، امید اور پیغام بہار بن کر کبھی نہ کبھی پھر طلوع ہوں گا۔ بہار، نور، روح محبت!"

پھر وادی پر ایک ایسی خزاں آئی جو کبھی نہ آئی تھی۔ تمام درخت ننگے اور ویران ہو گئے۔ قحط پڑ گیا، دوست اور دشمن سب بھوکے مرنے لگے۔ سیاہ گھوڑوں کی لاشوں سے وادی بھر گئی۔ اور بوڑھا تنا ور درخت اپنی زندگی میں پہلی بار سیاہ بھوت کی مانند ننگ دھڑنگ ہو گیا۔ لوگ وادی چھوڑ کر دوسری سرسبز زمینوں کی طرف جانے لگے مگر کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن کو اچھے دنوں کے طلوع کی امید تھی۔ وہ وادی کے حسن سے مایوس نہ تھے۔ ہر شخص غار کے سامنے خدا سے دعا کرتا کہ وہ بوڑھا سردار کسی عنوان پھر آئے اور پھر اپنا نورانی سایہ پھیلا دے اور ظالموں کو بھی معاف کر دے۔

ایک رات یہاں کسی بوڑھے چرواہے نے خواب میں دیکھا کہ پرانے درخت میں کونپلیں آ گئی ہیں اور وادی پر بہت سارے بادل پھیل کر برس رہے ہیں۔ اور ہمارا بزرگ سردار اسی درخت کے نیچے بیٹھا لوگوں کو محبت کا

درس دے رہا ہے۔ اسی جگہ جہاں اس کا خون جذب ہوا تھا۔ صبح اٹھ کر اس نے ہر آدمی کو اپنا خواب سنایا۔ ہر ایک نے اس کو پاگل اور جنونی سمجھا۔ کیونکہ سب ہی لوگ مایوس ہو چکے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہی ہماری زندگی کا اصل ڈھانچہ ہے اور ایسا ہی رہے گا۔ اس کا خواب پراگندہ خیالی تھی۔

کہتے ہیں ایک رات انہوں نے دیکھا گہرے تاریک بادلوں سے چاند ابھر رہا ہے اور زمین پر بہت ہی تیز روشنی پھینک رہا ہے۔ انہیں خواب کی طرح دکھائی دینے والی دور، ایک عجیب سی تصویر نظر آئی۔ جیسے سیاہ چٹان پر روشنی چمک رہی ہو اور ایک غار ہے جس میں سے بڑی عجیب روشنی نکل رہی ہے جیسے ایک جمیل و باوقار ہستی ہے جو اس نور کی لہروں میں سے نکلتی ہوئی تاریکی کی طرف بڑھ رہی ہے اور جیسے جیسے وہ آگے بڑھتی ہے سارا تاریک جنگل روشنی میں تبدیل ہوتا چلا جاتا ہے کہتے ہیں اس رات پہلی بار ٹھنڈی ہوائیں چلیں اور گہرے سیاہ بادل جو کبھی وادی سے نہ ہٹے تھے آہستہ آہستہ اڑتے چلے گئے۔

اور جب صبح ہوئی تو کیسا نکھرا اجالا تھا۔ شبنم کے قطرے چمک رہے تھے لوگوں نے اپنے تصور میں اب رویائے صادقہ دیکھنے شروع کر دیئے تھے۔ وہ جب غار کی طرف دیکھتے تو ان کا تصور ایسا دکھاتا جیسے وہاں ایک نور اتر رہا ہو جیسے ایک جمیل ہستی، ایک باوقار انسان شفقت کی چمک آنکھوں میں لئے غار میں بیٹھا کچھ سوچ رہا ہو۔ کبھی وہ باہر کھلی نکلتا اور پہاڑ پر چڑھ جاتا۔ اس کے بال سیاہ تھے اور شانوں پر بکھرے ہوئے ہوتے۔ اس کے درمیانہ جسم پر موٹے کپڑے کی ایک چادر لپٹی ہوتی تھی۔ انہوں نے یہ سوچا یہ ہستی کون ہے؟ اس کے گرد انسانوں کا گروہ فوج در فوج کیوں جمع ہو رہا ہے۔ اچانک انہیں ایسا دکھائی دیا۔ جیسے ایک عظیم صحرا ہو۔ ان کے کان گونجنے لگے۔ جیسے وہ ایک صوت ہادی ہو،

تصور میں انہیں ایک آواز گونجتی سنائی دی، جیسے بجلی کا کڑکا ہو، جیسے ایک صوت ہادی ہو جس سے اطراف کا سارا صحرا گونج اٹھا ہو جیسے وہ آواز کہہ رہی ہو کہ آزادی کا دن طلوع ہو گیا ہے۔ اب اپنے کھیتوں کی طرف لوٹ جاؤ طوفانوں کو بھول جاؤ۔ بہار آنے والی ہے تم سب کو ظلم، بدی اور نفرت کے جن بادلوں نے گھیر رکھا تھا ان کے دور ہونے کا وقت آن پہنچا ہے۔

کہتے ہیں، ایک دن انہوں نے دیکھا جیسے دور کوئی وادی ہو اور اس کے لوگ اس کے دشمن ہو رہے ہوں۔ کیونکہ وہ ان کو اچھی باتیں سکھا رہا تھا۔ ان کے تصور نے پرچھائیاں سامنے لا کر دکھانی شروع کیں انہیں ایسا دکھائی دیا جیسے اس برگزیدہ شخص کو گھیر لیا گیا ہو، کیونکہ وہ ان سے یہ کہتا ہے کہ ایک ان دیکھے خدا کو پوجو اور اس کی ہی طاقت سے محبت کرو اور اسی سے ڈرو۔ کیونکہ ایک دنیا ایسی بھی آنے والی ہے جہاں تمہیں ہمیشہ رہنا ہے۔ اس وادی کے لوگوں نے پھر یہ دیکھا کہ لوگ اس ہستی کو کبھی مجنون کہتے ہیں کبھی کاہن۔ اس کی باتوں سے وہ اتنے جل رہے ہیں کہ اس پر پتھر پھینکتے ہیں مگر وہ ان کے لئے اچھی دعائیں کرتا ہے۔ ایک دن ان کے تصور نے دکھایا کہ ایسے راستے ہیں جن پر یہ ہستی گزرنے والی ہے مگر اس کے دشمنوں نے کانٹے بچھا دیئے ہیں مگر وہ ان کو صاف کرتا چلا جا رہا ہے۔

پھر انہیں ایسا دکھائی دیا جیسے وہ اب تنہا نہ ہو اور اس کے بہت سے ساتھی بھی جمع ہو گئے ہوں جو وادی کے لوگوں کی طرح بہادر بھی تھے اور محنتی بھی۔ وہ وفادار بھی تھے اور اس کی باتوں پر پوری طرح چلنے والے فداکار بھی۔ پھر ایسا لگا جیسے اس صحرا میں بہار آ گئی ہو۔ جیسے ویرانی دور ہو گئی ہو۔ جیسے بوڑھے ٹنڈ منڈ درخت پھر ہرے بھرے ہو گئے ہوں۔ وادی میں جو درخت ہیں ان میں پہلے زمانے میں کالی رنگت والے ہی پانی ڈالتے اور ساری محنت کے کام کرتے تھے اور جو سفید پوش اجلے رنگ کے باشندے تھے صرف شکار کھیلتے، سودی لین دین کرتے، ایک دوسرے سے لڑتے اور دنیا پر خون بہاتے تھے۔ مگر ان کا متخیلہ دکھا رہا تھا کہ سیاہی کم ہو رہی ہے اور نور بڑھتا جا رہا ہے۔ ریگ زار پر نخلستان حاوی ہوتا جا رہا ہے۔ پھر ان کو ایسا دکھائی دیا جیسے رُت بدل گئی ہو۔ کالا گورے پر فائق نہیں رہا۔ اشرف وادی کی

(باقی صفحہ ۱۹۵ پر)

روشنی اور سائے

عبدالغنی شمس

صحرائے عرب کے ذرے ذرے کو، شعلہ جوالہ میں تبدیل کر دینے والا خورشید خاور، نہ جانے کب سے افقِ مغرب کی اتھاہ اور انجانی پہنائیوں میں ڈوب چکا تھا۔ فضائے حجاز، ردائے شبِ یلدیٰ میں سرتا سر مستور تھی۔ کھجوروں کے لمبے اور سرکشیدہ درخت، عالمِ استغراق میں، چپ چاپ کھڑے نہ معلوم کیا سوچ رہے تھے۔ ہر طرف نزدیک و دور، مہیب سناٹا چھایا تھا۔ منزل پہ تھکے ماندے اونٹ، اپنی لمبی لمبی گردنیں، زمین پر ڈالے نیند میں ڈوب چکے تھے۔ سرزمین بطحیٰ کا ہر متنفس خوابِ شیریں کے مزے لے رہا تھا۔

اس وقت مکہ کے ایک مکان میں، ایک سایہ سا رینگتا ہوا نظر آیا۔ پھر دروازے کی کنڈی کھلنے کی ہلکی سی آواز ہوئی اور وہ سایہ جلدی سے، دروازے سے باہر نکل گیا۔ بالکل اسی طرح، ایک دوسرے مکان میں بھی ایک اور سایہ رینگتا ہوا دکھائی دیا اور وہ بھی بڑی سرعت کے ساتھ، گھر سے نکلا اور پیچ و خم کھاتی ہوئی تاریک گلیوں میں غائب ہو گیا۔

ایک عالیشان مکان میں ایک اور سایہ رینگتا نظر آیا جو دیکھتے دیکھتے نہ جانے کدھر چل دیا۔ زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا — یہ کون لوگ تھے؟ جو بظاہر سارقوں کی طرح، چھپتے چھپاتے، اپنے اپنے گھروں سے باہر نکل گئے؟ خوابِ شیریں کی سُکر آمیز لذت کو چھوڑنے پر انہیں کس چیز نے مجبور کیا تھا؟ اور اس اندھیری اور بھیانک رات میں وہ کہاں گئے تھے؟ یہ کسی کو معلوم نہ تھا — مگر یہ تینوں سائے ایک ہی سمت رواں تھے۔ ایک دوسرے کے وجود سے بے خبر، بلکہ اپنے گرد و پیش سے بھی بے پروا۔ کچھ دور چلنے کے بعد، تینوں سائے، اپنی اپنی کمین گاہوں میں چھپ گئے۔

سب پہ ایک خاص قسم کے ذوق و شوق کا عالم طاری تھا۔ سب ایک ہی تمنا میں سرشار تھے۔ سب کا ایک ہی مقصد تھا پاس پڑوس کے ایک چھوٹے سے مکان سے ایک دلکش و روح پرور آواز آ رہی تھی۔ جیسے پچھلے پہر کے شبنم کے تقاطر کا وجد آفریں ترنم، جیسے کسی غنچۂ نو رستہ کے چٹکنے کی نوائے دل نشیں، جیسے کسی آبشارِ نور کا نغمۂ حیات ہو۔ یہ صحرائے عرب کے رسولِ امی کی آواز تھی۔ اور وہ کلام جو وردِ زبان تھا۔ اللہ کا کلام تھا، پُرسوز و گداز، بہ حیثیت اعجاز ہی اعجاز جس کی مثل ایک آیت بھی پیش نہ کی جا سکی۔ جس کے چیلنج کو کوئی قبول نہ کر سکا۔ اور جو چیلنج آج بھی موجود ہے۔

اس آواز کا عجب اثر تھا۔ مایوس قلوب طمانیت و سکون سے بھر جاتے۔ بجھے ہوئے جذبات میں اُمنگوں کی نئی لہریں دوڑنے لگتیں۔ اس میں عظمت و جلالت کا سمندر تھا۔ کچھ ایسا وقار تھا کہ باطل کے دل دہل دہل جاتے۔ اس آواز کی عظمت کے مقابلے میں دنیا کی ہر چیز اور کائنات کی ہر بڑائی بالکل بے حقیقت محسوس ہوتی۔ یہاں تک کہ آسمان و زمین کے وجود کا احساس بھی مٹ جاتا۔ وہ آواز شہد سے زیادہ شیریں، اور دودھ سے زیادہ توانائی بخش تھی۔ وہ آواز دل کی اتھاہ گہرائیوں سے نکلتی اور فضائے بسیط کو چیرتی ہوئی کنگرۂ عرش سے جا ٹکراتی۔ انسان کا رواں رواں اس کی حلاوت اور اس کی کیفیت بیزیوں سے متاثر ہوتا ساری دنیا ایک سرمدی محبت میں سرشار تھی اس آہنگ سے دلوں میں کیف و سرور کی ہلکی ہلکی لہریں اٹھنے لگتیں۔ انسان کی خودی جاگ اٹھتی آئینۂ ذہن پہ صدیوں کا پڑا ہوا تہ در تہ دبیز غبار کافور بن کر اڑ جاتا۔ اس بڑے بول کی سربلندیوں میں ازل و ابد، تحلیل

ہوتے ہوئے محسوس ہوتے۔ دلِ آدم میں خلیفۃ اللہ ہونے کا یقین
نازہ اعلان پیدا ہو جاتا۔ قلبِ انسانی کی ساری کلفتیں معدوم ہو جاتیں،
جس طرح بارش کے پہلے چھینٹے سے پھولوں کی نازک نازک خوش رنگ
پنکھڑیوں پر پڑی ہوئی گرد دھل جاتی ہے جس طرح شبنم کے
خنک و فرحت زا قطرے غنچوں کی دل گرفتگی کو شگفتگی سے بدل
دیتے ہیں۔ رسولِ امی کی آواز رک جاتی مگر اس کی روح پرور
لہریں گوشِ دل میں دیر تک گونجتی ہوئی محسوس ہوتیں۔ وہ کلام
سحر و افسوں اور شعر نہ ہوتے ہوئے بھی اثر انگیزی و کیف بخشی میں
سحر و شعر سے کہیں زیادہ دلنشیں اور مسحور کن تھا۔

ان تینوں سامعین پر از خود رفتگی کا عالم طاری تھا۔
اُسی آواز کی کشش انہیں کھینچ لائی تھی۔

وہ تینوں سامعین کفارِ مکہ کی تین عظیم شخصیتیں تھیں۔
عمرو بن ہشام (ابوجہل) ابوسفیان بن حرب اور اخنس بن شریق۔
یہ لوگ وہ تھے جو اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے بدترین دشمن تھے۔
یہ لوگ وہ تھے جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر طرح کی
ایذا پہنچانے میں ہمیشہ پیش پیش رہتے۔ یہ لوگ وہ تھے جو آپؐ کو
مجنون، ساحر، شاعر اور کاہن کہہ کر اپنی کافرانہ ذہنیت کا ثبوت
دیتے۔ یہ لوگ وہ تھے جو حضورؐ کو گالیاں دیتے، آپؐ کے جسمِ پاک پر
نجاست ڈلواتے اور جیسے جی چاہتا ستاتے۔ یہ تضاد بھی کس قدر
دلچسپ ہے کہ وہی لوگ حضورؐ کی زبانِ مبارک سے قرآن پاک
سننے آئے تھے!

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ رات کی
نماز میں قرآن پاک کسی قدر جہر سے پڑھا کرتے تھے۔ اور یوں بھی
نماز کے علاوہ اکثر قرآن پاک تلاوت فرماتے ہی رہتے تھے حضورؐ
کی آواز بس اتنی ہوتی کہ مکان کے باہر کا آدمی اطمینان سے
سن سکتا تھا کفارِ مکہ، راتوں کو حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے
مکان کے پیچھے کسی جگہ، چپکے سے آ کر بیٹھ جاتے اور قرآن پاک
کی آیتیں سنتے۔ خاص کر وہ نماز جو رسولِ کریمؐ پچھلے پہر اٹھ کر
پڑھا کرتے تھے۔ اس میں تو کبھی ایسا ہوتا کہ کفارِ مکہ صبح تک بیٹھے
رہ جاتے۔ اور انہیں مرورِ اوقات کا احساس تک
نہ ہوتا۔
یہاں پر یہ بات ملحوظِ خاطر رہے کہ راتوں کو چھپ چھپ کر

قرآن شریف سننے والے، کچھ معمولی اور کم حیثیت لوگ نہ تھے۔ بلکہ
وہ سردارانِ مکہ اور شرفائے قریش تھے اپنے معاشرہ کے بڑے
لیڈر۔ یہ لوگ وہ تھے جن کو اپنی خطابت پر بھی ناز تھا۔ یہ لوگ
وہ تھے جو فصاحت و بلاغت کی دولت سے بھی مالا مال تھے۔
یہ لوگ وہ تھے جو طلاقتِ لسانی، خوش بیانی اور
زباں دانی میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے ان کو اپنے شاعرانہ کمالات
اور جدتِ فکر پر فخر و غرور تھا۔ اسی لئے وہ اپنے علاوہ دوسروں کو
گونگا ہی (عجمی) کہتے تھے۔ جب یہ لوگ قرآنِ پاک سنتے تو یہاں کو،
اپنی شاعری اور اپنی ادبی کاوش اور پرواز فکر سے بھی بہت بلند
بہت ہی ارفع محسوس ہوتا۔ اسی وجہ سے ان کے قلوب، قرآن پاک
کی طرف بے اختیار کھنچتے۔ وہ قرآن پاک سنتے تو اس کے ادبی
محاسن اور اس کی فصاحت و بلاغت ان کے دلوں میں اتر جاتی۔
جملوں کی خوبصورت ساخت، حسین و جمیل بندشیں، قرآن کا فطرتی
و دلکش طریقۂ استدلال اور انوکھا اندازِ بیان، ان کے دلوں کے
تاروں کو چھیڑتا۔ اور ان پر جذب و مستی کا عالم طاری ہو جاتا۔
وہ لوگ خوب سمجھتے تھے کہ قرآن پاک بشر کا کلام نہیں ہو سکتا۔
لیکن ان کی ملکی سیاست، دنیاوی اغراض و مقاصد اور ان کا
وہ نظام جو انہوں نے قائم کر رکھا تھا اور سب پر مضاعف،
ان کی بڑھتی ہوئی عصبیت، یہ ساری باتیں قبولِ حق کی راہ میں
بلکہ اعلانیہ اعتراف سے ان کو روکتی تھیں۔ اس وجہ
سے وہ چوری چھپے آتے اور قرآن حکیم سنتے۔
ایسی ہی راتوں میں ایک رات کا ذکر ہے کہ مکہ کے بڑے
سردار، ابوجہل، ابوسفیان اور اخنس، یہ تینوں حضورؐ کے مکان
کے پیچھے چپکے سے آ کر چھپ گئے تھے، تینوں میں سے کسی کو ایک
دوسرے کی خبر نہ تھی۔ ان میں کا ہر شخص یہی سمجھ رہا تھا کہ صرف
وہی آیا ہے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حسبِ معمول، قرآن پاک
کی آیتیں تلاوت فرماتے رہے۔ اور یہ لوگ زیرِ دیوار، مزے سے
سنتے رہے۔ جب صبح ہوئی تو اجالے نے تینوں کا راز ایک دوسرے پر
فاش کر دیا۔ اور اپنی اس حرکت پر وہ بڑے شرمندہ ہوئے،
اور یہ عہد کیا کہ اب ہم کبھی ایسی غلطی نہ کریں گے۔ جب دوسری
رات آئی تو پھر اس کی طبیعت نہ مانی اور ہر شخص نے یہی سمجھا کہ آج
اس کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں جائے گا۔ مگر جب صبح تک قرآن شریف

سن کر یہ روانہ ہوئے تو راہ میں پھر ملاقات ہو گئی اور پھر سب شرمندہ ہوئے۔ اب کے پھر قول و قسم اور پکا وعدہ ہوا کہ وہ ہرگز قرآن مجید سننے کے لئے نہیں جائیں گے مگر اس پر کبھی عمل نہ ہو سکا۔ اور نہ جانے دل کے ہاتھوں ان کی اس شرمندگی کا سلسلہ کتنی راتوں تک قائم رہا:

چلا نہ اٹھ کے وہیں چپکے چپکے پھر تو میر
ابھی تو اس کی گلی سے پکار لایا ہوں

قرآن پاک کی جذب و کشش کے ایک اور واقعہ پر غور کیجئے۔ یہ اُن دنوں کی بات ہے، جب رسول کریمؐ اپنے ہم وطنوں کو بڑے زور و شور سے دعوتِ اسلام دے رہے تھے۔ اور شہر مکہ کے گھر گھر میں حضورؐ کا چرچا تھا۔ انہیں دنوں ایک شخص طفیلؓ دوسی تھا جو ایک بلند پایہ ادیب اور مشہور شاعر بھی تھا یمن سے مکہ وارد ہوا۔ جب طفیل دوسی کی ملاقات مکہ والوں سے ہوئی تو انھوں نے از راہ ہمدردی، پہلی ہی ملاقات میں حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی پُرکشش شخصیت کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔ "محمدؐ نے ہماری جماعت میں پھوٹ ڈال دی ہے۔ اس شخص کی زبان میں نہ جانے کیا اثر ہے اور کونسا جادو ہے، جس کے زور سے بیٹے کو باپ سے، بیٹی کو ماں سے، بھائی کو بھائی سے اور بیوی کو شوہر سے چھڑا دیتا ہے۔ تم ہمارے مہمان ہو، اس لئے تمہیں اس خطرے سے خبردار کر دینا ہمارا فرض ہے۔ دیکھو تم ہرگز ہرگز محمدؐ سے نہ ملنا اور اس کی باتیں نہ سننا، ورنہ خوف ہے کہ کہیں تم بھی نہ پھنس جاؤ۔" طفیلؓ دوسی نے بڑے سکون و طمانیت سے اپنے دوستوں کی باتیں سنیں اور انہیں اطمینان دلایا کہ وہ ان کے مشورے پر ضرور عمل کرے گا۔ اب طفیلؓ دوسی نے احتیاط کے طور یہ تدبیر اختیار کی کہ جب وہ باہر جاتا تو اپنے کانوں میں تھوڑی سی روئی ٹھونس لیتا تاکہ وہ رسولؐ کریم کی آواز نہ سن سکے۔

ایک دن انجان پن میں طفیل دوسی کا ادھر سے گزر ہوا، جہاں رسول کریمؐ نماز میں کسی قدر جہر سے قرآن شریف کی قرأت فرما رہے تھے۔ اگرچہ اس وقت بھی طفیلؓ دوسی کے کانوں میں روئی رکھی ہوئی تھی۔ پھر بھی رسول کریمؐ کی تھوڑی تھوڑی آواز اس کے کانوں میں پہنچی۔ چلتے ہوئے قدم بے اختیار رک گئے اور اس کا دل کھنچنے لگا۔ مگر فوراً اس کے ذہن میں یہ بات آ گئی کہیں یہ آواز محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تو نہیں؟ اس خیال کے آتے ہی، طفیل دوسی وہاں سے بھاگنا چاہتا تھا کہ اس نے سوچا، میں بھی عجیب دیوانہ ہوں)۔ میں خود ہی ایک اچھا شاعر ہوں، کلام کے حسن و قبح سے کماحقہ واقف ہوں۔ مجھ پر کسی کی باتوں کا کیا اثر ہوگا۔ کچھ دیر رک کر، سن ہی کیوں نہ لوں طفیل دوسی نے اس طرح اپنے دل کو سمجھا لیا۔ اور سننے کے لئے کھڑا ہو گیا۔ سنتا رہا یہاں تک کہ اس پر بیخودی کا عالم طاری ہو گیا۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت سے فارغ ہو کر باہر تشریف لائے تو طفیل دوسی بھی آپ کے پیچھے پیچھے چلا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آہٹ سی محسوس کی اور مڑ کر دیکھا تو وہ حضور صلی اللہ کے بالکل قریب آ گیا۔ اور خود ہی رسول کریمؐ کو وہ ساری باتیں کہہ سنائیں کہ کس طرح اس کو مکہ والوں نے حضورؐ سے ملنے جلنے سے روکا تھا اور وہ اس خوف سے کہ کہیں آپؐ کی آواز کانوں میں نہ پڑ جائے، اپنے دونوں کانوں میں روئی ڈالے ڈالے پھر رہا ہے۔ اور اتنی احتیاط کے باوجود اس کے کانوں میں تھوڑی بہت آواز پہنچ ہی گئی۔ حضورؐ نے طفیل دوسی کی باتیں سن کر تبسم فرمایا۔ طفیلؓ کے عمق دل میں ایک ہیجان سا بپا ہو گیا۔ وہ اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکا اور بے اختیار حضورؐ سے یہ فرمائش کی کہ حضورؐ کچھ اور آیتیں تلاوت فرمائیں۔ حضورؐ کریم نے اس کی فرمائش پوری کی۔ چند آیتیں سننے کے بعد وہ بول اٹھا "اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم، تمہارے خدا کی قسم، اس سے بہتر کلام میں نے تو کبھی نہیں سنا!" اور وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔

جب قریش نے دیکھا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کی تبلیغ سے کسی طرح باز نہیں آتے بلکہ دن بدن آپ کی تبلیغی سرگرمیاں ترقی پذیر ہیں اور لوگ آہستہ آہستہ مسلمان ہو رہے ہیں۔ تو وہ بڑے پریشان ہوئے۔ انہوں نے سوچا کہ ایذا رسانیوں اور دھمکیوں سے تو کام نہ چلا۔ اب ذرا لالچ دیکر اور پھسلا کر محمدؐ کی آزمائش کریں۔ چنانچہ سب نے مشورہ کر کے، ابوالولید عتبہ بن ربیعہ کو جو قریش کا ایک بہت ہی معزز سردار تھا، سمجھا بجھا کر رسول کریمؐ کے پاس بھیجا۔ عتبہ کامیابی کی امید لئے ہوئے حضورؐ کے پاس

آکر بیٹھ گیا اور سلسلۂ کلام چھیڑا۔ "اے بھتیجے! ہماری جماعت میں جو تمہارا مرتبہ ہے اور شرافت نسبی میں جو تمہارا درجہ ہے وہ ظاہر ہے۔ تمہاری اس بزرگی میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا۔ مگر تم نے کچھ نئی باتیں کہہ کر خود اپنی قوم میں پھوٹ ڈال دی ہے۔ اپنے آباؤ اجداد کے عقائد کو برا کہا ہے۔ ان کے معبودوں کو برا کہا ہے۔ ان کے دین میں عیب لگایا ہے۔ اور مرے ہوئے لوگوں کی تکفیر کی ہے۔ میں اس وقت اس لئے آیا ہوں کہ تم میری باتیں ذرا غور و توجہ سے سنو۔ میں چند امور پیش کرنا چاہتا ہوں۔ اگر ان میں سے تم کسی کو قبول کر لو تو آپس کا یہ فساد رفع ہو جائے۔" رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عتبہ سے کہا: "ہاں ہاں فرمائیے، میں شوق سے سننے کو تیار ہوں۔" عتبہ نے بڑی سنجیدگی سے کہا "اے محمدؐ! اگر تم نے نبوت کا دعویٰ مال و دولت کے لالچ میں کیا ہے تو ہم سب اتنا مال دئے دیتے ہیں کہ تم امیر کبیر بن جاؤ۔ اور اگر تم بادشاہ بننا چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ بنانے کے لیے بھی تیار ہیں۔ اور اگر تم کسی اونچے خاندان میں شادی کرنے کی تمنا رکھتے ہو تو ہم اس کے لئے بھی آمادہ ہیں۔ اور اگر تم یہ نئی باتیں، خلل دماغی کی وجہ سے کرتے ہو تو ہم تمہارا علاج کسی طبیب کامل سے کرانے کے لئے بھی آمادہ ہیں۔ خواہ اس علاج معالجے میں کسی قدر بھی رقم صرف ہو تاکہ تمہیں صحت دماغی نصیب ہو۔"

رسول کریمؐ نے عتبہ کی پوری تقریر نہایت ہی سکون و تحمل سے سماعت فرمائی اس کے بعد آپ نے فرمایا، "آپ کو جو کچھ کہنا تھا کہہ چکے، اب جو کچھ میں کہتا ہوں اسے سنئے۔" عتبہ نے جلدی سے کہا، ہاں ہاں شوق سے کہو، میں سنتا ہوں۔ حضورؐ نے قرآن کی تلاوت شروع فرمائی۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ حٰمٓ۔ تنزیل من الرحمٰن الرحیم کتاب فصلت آیاتہ قرآناً عربیاً لقوم یعلمون ۔ بشیراً و نذیراً فاعرض اکثرھم فھم لا یسمعون وقالوا قلوبنا فی اکنۃ مما تدعونا الیہ۔

رسول کریمؐ تلاوت فرما رہے تھے اور عتبہ محویت کے عالم میں اپنے دونوں ہاتھوں کو پشت کی جانب ٹیک کر سن رہا تھا کہ ایک دم سے اس پر ایک اضطرابی اور بیجانی کیفیت طاری ہو گئی۔ اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لب مبارک پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ اور کہا "بس اے محمدؐ بس"۔ اس کا دل دہل رہا تھا۔ اس کے بعد وہ قریش کی مجلس میں پہنچا، جہاں لوگ اس کا نہایت بے چینی سے انتظار کر رہے تھے اور آس لگائے بیٹھے تھے کہ عتبہ ضرور سرخرو و کامراں آئے گا۔ مگر عتبہ کے چہرہ کا رنگ فق تھا۔ قریش نے پوچھا "عتبہ، کہو کیا حال ہے؟" عتبہ نے جواب دیا "کیا حال پوچھتے ہو؟ آج میں نے ایک ایسا کلام سنا ہے جیسا اس سے پہلے کبھی نہ سنا تھا۔ وہ کلام نہ تو شاعری ہے اور نہ جادوگری ہے۔ اے قریش! میری یہ رائے ہے کہ محمدؐ کے پیچھے نہ پڑو۔ اگر وہ کامیاب ہو کر عرب پر غالب آگیا تو اس میں تمہاری ہی عزت ہے اور وہ مغلوب و ناکامیاب ہوا تو تمہارا مقصد حاصل ہو جائے گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ تمہاری مداخلت اور چھیڑ چھاڑ بیکار ہے۔" قریش نے بہ یک زبان کہا، اے عتبہ! محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کلام سے تجھ کو بھی مسحور کر دیا۔" عتبہ نے کہا "خیر تم مانو یا نہ مانو، میں نے اپنی رائے پیش کر دی۔"

کفر کی دنیا حیران تھی کہ یہ کیا کلام ہے اور یہ کیسا متکلم ہے جس نے ہمیں بے بس کر دیا ہے۔ سوائے ان دلوں کے جن پر اللہ نے مہریں لگا دی تھیں وہ اتنے موم ہوئے کہ اس پیام ربانی کی صداقت کے گرویدہ ہو گئے ۔

عورتوں کا محسنِ اعظم

بیگم ہرمزی قدوائی

یہ بات ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ دورِ جاہلیت کے عرب دختر کشی اور قتلِ اولاد جیسے مہیب گناہوں میں ملوث تھے اور ان حرکتوں پر فخر بھی کرتے تھے۔ عرب میں یہ رواج کیوں پڑا تھا اس کے کئی وجوہ بیان کئے جاتے ہیں۔ عرب میں اولاد کی کثرت تھی مگر ان کی پرورش کے قدرتی وسائل بالکل محدود تھے۔ اس لئے اس کے بڑے حصہ کو وادیٔ غیر ذی زرع کہا گیا ہے۔ یہاں کی قدرتی پیداواریں بہت ہی کم تھیں۔ خود حضورِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوراک میں جن چیزوں کا ذکر ہم پاتے ہیں وہ وہی ہیں جو عام طور پر وہاں کثرت سے پیدا ہوتی تھیں اور عوام کی بنیادی خوراک تھیں یعنی کھجور اور جو۔ جس کے پاس کچھ تھوڑا بہت اثاثہ ہوتا، وہ مویشی بھی پال لیتا اور تجارت میں بھی شریک ہوتا تھا۔ لیکن زراعت اور تجارت بھی محدود سطح پر تھے اور ان باتوں کا قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ لوگوں کے وسائلِ معیشت وسیع نہ تھے اور دس بارہ اولادوں کا پالنا محال ہو جاتا تھا۔ مرد تو پھر بھی کاروبارِ حیات میں کارآمد رکن بن سکتے تھے مگر لڑکیاں گھرانے کا بوجھ ہی ثابت ہوتی تھیں اور دورِ جاہلیت میں ان کو پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دینے کا گناہ شاید اس وجہ سے بھی پیدا ہوا۔ پھر عرب یہ بھی سوچتے تھے کہ لڑکے تو میدانِ کارزار میں ہمارے دوش بدوش لڑ سکتے ہیں یہ لڑکیاں کس مرض کی دوا ہیں۔ جنگ و جدال قبائلی زندگی کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ ہزیمت خوردہ قبیلہ کی لڑکیاں دشمن کے حوالے کر دی جاتی تھیں جس سے باپ کی عزت پر حرف آتا تھا۔ اگر کوئی اس ذلت سے بچنا چاہتا تو زرِ نقد بطورِ فدیہ دے کر اپنی بچیاں چھڑا لیتا تھا، لیکن جو نادار ہوتے وہ اپنی لڑکیوں کو حوالے کرنے پر مجبور تھے۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے ان لوگوں نے یہی بہتر سمجھا کہ لڑکیوں کو پیدائش کے بعد یا تو زندہ دفن کر دو یا کسی پہاڑ کی چوٹی سے نیچے گرا دو۔

پیدائش سے قبل بیٹا پیدا ہونے کے ارمان ہوتے اور بتوں سے دعائیں مانگی جاتی تھیں کہ اولادِ نرینہ تولد ہو۔ یہ لوگ بت پرستی میں ڈوبے ہوئے تھے اور ایک اَن دیکھے خدا کے تصور سے کبھی آشنا نہ ہوئے تھے اس لئے قدرتی بات تھی کہ اپنے ہی ہاتھوں سے بنائے ہوئے پتھروں کو معبود سمجھنے کی لعنت میں گرفتار تھے۔ ان کے ذہن میں فرشتوں کا بھی ایک تصور تھا مگر بہت ہی حقیر۔ وہ انہیں بھی اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے (نعوذ باللہ) اور چونکہ ان کے نزدیک وہ فرقۂ اناث سے تھے اس لئے وہ ان کو بھی حقیر مخلوق جانتے تھے!

یہ صحیح ہے کہ اسلام سے پہلے عربوں کے معاشرہ میں عورت ضرور موجود تھی مگر اسے کوئی معزز و مؤثر مقام حاصل نہ تھا۔ یہ لوگ عورت کو اپنی شاعری کا موضوع بناتے تھے اس سے تعلق عشق و محبت کے قصے بھی ان کے ہاں مشہور تھے۔ بعض قصص و حکایات ایسی بھی ملتی ہیں جن سے عورت بحیثیت

بیٹری اور جنگوں میں جوش دلانے والے ایک وسیلہ کے بھی نظر آتی ہے۔ مگر یہ سب باتیں خال خال ہیں اور یہ حقیقت کہ عرب دختر کشی کے مرتکب ہوتے تھے کسی طرح بھی محتاج تصدیق نہیں رہی ہے۔ خود حضورؐ انور کا واقعہ لکھتی ہوں۔ ایک دفعہ کسی مجلس میں تشریف فرما تھے کہ حاضرین سے مخاطب ہوئے:

کیا تم اس بات پر بیعت نہیں کرتے ہو کہ خدا کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کروگے، چوری نہ کروگے، زنا نہ کروگے اور کسی ایسی جان کو جس کا قتل خدا نے حرام قرار دیا ہے ناحق قتل نہ کروگے — ایک اور روایت سے یہ بھی ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنی اولاد کو قتل نہیں کروگے اور نہ کسی پر تہمت لگاؤگے جس کا (اصل) مخرج دراصل وہ شے ہے جو تمہارے ہاتھ پاؤں کے درمیان ہے۔ (یعنی قلب انسانی) حضورؐ سرورِ کائنات نے اسی موقع پر یہ بھی عہد لیا کہ تم میری نافرمانی نہیں کروگے۔ اور فرمایا کہ جس شخص نے اس عہد کو پورا کیا اس کا اجر خدا کے پاس ہے اور جس شخص نے، سوائے گناہِ شرک کے، ان میں سے کسی فعل کا ارتکاب کیا اور اللہ نے اس کا پردہ رکھ لیا تو اس کا فیصلہ اللہ پر ہے، چاہے وہ معاف کرے، چاہے سزا دے۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں قتل اولاد سے روکا گیا ہے وہ عربوں کی رسم دختر کشی کی طرف ہی اشارہ ہے۔ مگر قتل اولاد کی ایک اور شکل بھی عربوں میں رواج پاگئی تھی اور وہ منت مرادوں کی رسم قبیح ہے۔ ہوتا یہ تھا کہ ماں باپ اپنے دیوتاؤں کے سامنے منتیں مانگتے تھے اور منت پوری ہونے پر اپنے وعدہ کے مطابق بھینٹ چڑھایا کرتے تھے۔ یہ بھینٹ اونٹوں کی بھی ہوتی تھی اور مال و زر کی بھی اور اولاد کی بھی۔ لکھا ہے کہ خود حضورؐ پرنور کے دادا حضرت عبدالمطلب نے بھی ایک دفعہ اپنے دس بیٹوں میں سے ایک بیٹا نذر کرنے کی منت مانی تھی۔ جب وہ دس بیٹوں کے باپ ہوگئے تو ایک بیٹے حضرت عبداللہ (حضورؐ کے والد) کو قربانی کے لئے موزوں سمجھ کر اپنے ساتھ لے گئے مگر کچھ لوگوں نے حضرت عبداللہ کی جان بچانے کی تدبیریں کیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی منشا ہی یہ تھی کہ ان سے ہمارے رسولؐ اس دنیا میں تشریف لائیں اور انسانیت کو ان تمام عذابوں سے نجات دلائیں اس لئے اس نے حضرت عبداللہ کی جان اس طرح بچائی کہ رواج کے مطابق ایک کاہنہ کے پاس گئے اور فال نکلوائی۔ مشہور تھا کہ یہ کاہنہ بڑی سچی فال نکالتی ہے۔ کاہنہ نے قرعہ ڈالا کہ آیا اونٹ کی قربانی دی جائے یا حضرت عبداللہ کی۔ پرچی میں سو اونٹوں کی قربانی والی پرچی نکلی اور اس طرح حضرت عبداللہ کو اللہ نے بچا لیا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک بار حضورؐ نے فرمایا تھا کہ میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں — یعنی اول حضرت اسمٰعیلؑ جن کو حضرت ابراہیمؑ خدا کی راہ میں ذبح کرنا چاہتے تھے، اور دوسرے خود حضرت عبداللہ۔

قرآن کے حکم سے ان دونوں قسموں کے قتل کو حرام قرار دیا گیا۔ الانعام میں ہے:

. . . . افلاس کے باعث اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ اسی سورہ میں آگے ارشاد ہے۔

. . . . (افلاس) کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ ان ارشادات سے یہ تو ضرور معلوم ہو جاتا ہے کہ دختر کشی کی ایک بڑی وجہ لوگوں کا افلاس بھی تھا۔ لڑکیوں کی پیدائش پر رنج و ملال کا ہونا اس وقت کی عام بات تھی۔ حضرت مریم رضؓ جب پیدا ہوئیں تو ان کی والدہ کو بھی بڑا افسوس ہوا تھا کیونکہ وہ دل میں خواہاں تھیں کہ بیٹا پیدا ہو" سورہ آل عمران" میں اس بات کا ذکر اس طرح آیا ہے:

اللہ اس لڑکی کے متعلق جو اس نے جنی ہے، بہتر جانتا ہے کہ وہ آگے چل کر کیا بننے والی ہے، گو ماں کا خیال یہی تھا کہ لڑکا لڑکی سے برتر و فائق ہوتا ہے۔

غرض اس وقت کی دنیا ایسی ہی برائیوں اور زندگی کے عذابوں میں گرفتار تھی۔ عرب بالخصوص بہت پس ماندہ تھا۔ اس لئے قدرتِ حق نے اسی سرزمین کو چنا کہ یہاں محسنؐ انسانیت پیدا ہو اور جہل دور ہو۔ حضورؐ انور کی پیدائش اور بعثت سے منشائے الٰہی پورا ہوا۔ عربوں پر ہی نہیں پوری انسانیت پر احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات اَن گنت ہیں۔ مگر میں خصوصیت کے ساتھ ان احسانات کا ذکر کر رہی ہوں جو

طبقہ اناث پر ہوئے بلکہ حضورؐ ان کے لئے آیۂ رحمت بن کر آئے۔

انسان نے عورت کو اپنی ضرورتوں کے لئے ایک کھلونا بنا رکھا تھا، وہ اسے جس وقت چاہتا توڑ دیتا تھا۔ اس کو نہ ماں باپ کے گھر میں عزت کا رتبہ حاصل تھا، نہ شوہر کے گھر میں۔ اللہ کے حکم اور حضورؐ انور کے پُرتاثیر ارشاد نے عربوں کی اس ذہنیت کی کایا پلٹ کر دی۔ حضورؐ نے فرمایا:

اگر کسی کے ہاں لڑکی پیدا ہو اور وہ اسے
زندہ نہ گاڑے، نہ اسے ذلیل خیال کرے
اور نہ اولاد نرینہ سے اسے حقیر جانے،
تو ایسا شخص جنت میں داخل ہوگا۔ (ابو داؤد)

مرحبا! اللہ کے اس سچے اور عظیم ترین رسول نے کس طرح لڑکی کی جان بخشوائی اور اس کا معاشرت میں درجہ بلند کیا۔

غیر مسلم ہمیں طعنہ دیتے ہیں کہ مسلمانوں میں عورتوں کو جاہل رکھا جاتا ہے۔ برا ماننے کی بات نہیں۔ ہم خود ہی فرمان بنوی بھولے ہوئے ہیں۔ حضورؐ نے تو ہمیں یہ تلقین کی تھی کہ علم حاصل کرنا ہر مومن اور ہر مومنہ پر فرض ہے۔ مگر ہم غیر مسلم معاشرہ کے درمیان رہنے کے باعث اس فریضہ سے غافل ہوگئے اور دوسری برائیاں بھی ہمارے معاشرہ میں در آئیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہم غیر مسلموں کی طرح اپنی لڑکیوں کو حقیر سمجھنے لگے۔ یہ تنگ نظری اتنی بڑھی کہ ان کی پیدائش پر کچھ ناک بھوں ہی چڑھاتے ہیں۔ اور انہیں کنبہ میں بار سمجھتے ہیں۔ اب انہیں زندہ درگور تو کر نہیں سکتے لیکن جو مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ملا تھا، وہ ہم انہیں نہیں دیتے۔ موٹا جھوٹا کپڑا پہنا دیا اور ایسا ہی کھلا پلا دیا اور جب لڑکی شادی کے قابل ہوئی تو جلد از جلد سر سے ٹال دیا۔ بلکہ بے دیکھے بھالے شادیاں کر دی جاتی ہیں۔ اگر اب حالات کچھ سدھر گئے ہیں یا بعض کنبوں میں ہماری لڑکیاں بہتر حالت میں ہیں تو یہ بڑی ہی اچھی بات ہے، مگر میں ایک عام گفتگو کر رہی تھی۔

لڑکیوں کو زیورِ تعلیم و تربیت سے آراستہ کرنے کی تاکید حضورؐ نے بار بار فرمائی۔ مسلم اور ترمذی کی روایت ہے: جو شخص لڑکیوں کی پرورش کرے، یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائیں (ہاتھ کی دو انگلیوں کی طرف اشارہ کرکے فرمایا) تو میں اور وہ اس طرح اکٹھے جنت میں داخل ہوں گے۔ ایک اور موقع پر بھی یہی فرمایا: جس شخص نے تین بیٹیوں، یا تین بہنوں یا دو بہنوں یا دو بیٹیوں کی پرورش کی، انہیں پڑھایا یا سلیقہ سکھایا، ان کے ساتھ نیک سلوک کیا اور پھر ان کی شادی بھی کر دی، تو وہ شخص جنتی ہو گیا۔

ان دونوں ارشادات سے بخوبی ظاہر ہے کہ حضور پُر نور کو لڑکیوں کی تعلیم و تربیت کس قدر عزیز تھی بلکہ یہاں تک تاکید کی تھی کہ جب تک وہ بالغ نہ ہو جائیں انہیں تربیت و تہذیب سے آراستہ کیا جائے، یہ نہیں کہ دو چار ابتدائی کتابیں پڑھا کر تعلیم و تربیت کی انتہا سمجھ لی جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یہی ہے کہ لڑکیوں کو وہ تعلیم دلوائی جو ان کے لئے عرصۂ حیات میں مفید ثابت ہو سکے، اور وہ بہتر مائیں بن کر قوم کو باعزت مقام دلا سکیں۔

ہمارے معاشرہ میں اب تعلیم کا چرچا ہوا ہے تو وہ بھی کاروباری ذہنیت کے ساتھ۔ میں نے اکثر لوگوں کی زبان سے یہ الفاظ سنے ہیں کہ یا تو اپنی تعلیم پر روپیہ خرچ کر لو یا شادی پر۔ حالانکہ یہی مرحلہ ہے جب ہمیں ارشاد نبوی پر عمل کرنا چاہیے جس میں صراحتاً کہا گیا ہے کہ ان کی تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ ان کے ساتھ نیک سلوک بھی روا رکھو اور پھر ان کی شادیاں بھی کر دو، تب ہی آدمی جنت کی نعمتوں کا مستحق، اور رضائے الٰہی کو پورا کرنے والا بن سکتا ہے۔

شاید اس کے بتانے کی ضرورت نہیں کہ حسن سلوک کا مقصد کیا ہے۔ لڑکیوں کے ساتھ معاشرہ میں اچھے سلوک کا مقصد یہ ہے کہ حقیقتاً لڑکوں کے برابر ہی انہیں عزت دی جائے، ان کے برابر کھانے پہننے کو دیا جائے اور برابر کی تعلیم و تربیت ہو۔ میں نے بعض گھروں میں یہ براطریقہ بھی دیکھا کہ مائیں لڑکیوں کے مقابلہ پر لڑکوں کو بہتر غذا دیتی ہیں اور کہا کرتی ہیں کہ لڑکے تو دنیا کا بوجھ اٹھائیں گے، یہ لڑکیاں کیا لام پہ جائیں گی۔ مگر اس ذہنیت کی خامی ظاہر ہے۔ اگر ہم اپنی بے پروائی یا عدم

مساوات سے اپنی لڑکیوں کو جسمانی توانائی میں کمزور رکھیں گے تو کیا
وہ بہتر اور صحت مند مائیں بن سکیں گی؟ عورتوں کو ذہنی اور
جسمانی دونوں طریق پر توانا و صحت مند ہونا ضروری ہے۔ جبکہ
ہم ایسا نہ کریں گے اللہ اور رسولؐ دونوں کی ناخوشی مول
لیں گے۔

ایک اور غلط رجحان جو نئے معاشرہ میں ابھر رہا ہے
وہ یہ ہے کہ لڑکیوں کو اچھی تعلیم اس لئے دی جائے کہ وہ کوئی
ملازمت کرکے کچھ کما کر لائیں اور جب وہ وسیلۂ معاش تلاش
کرلیتی ہیں تو بعض لالچی والدین ان کی شادیاں نہیں کرتے اور
کہتے ہیں کہ خود اتنا کماؤ کہ تم اپنی شادی کا بوجھ اٹھا سکو۔ یہ ذہنیت
بھی سودے بازی کی ذہنیت ہے اور کوئی صحت مندانہ علامت
نہیں ہے۔ اللہ اور رسولؐ کی خوشنودی تو اسی وقت حاصل ہوسکتی
ہے جب ہم بلا معاوضہ اپنی اولاد کی خدمت کریں خواہ وہ لڑکا ہو
یا لڑکی۔ یعنی کسی خود غرضی کو دخل نہ ہو، ورنہ معاشرہ میں طرح
طرح کی دوسری برائیاں جڑ پکڑ لیں گی۔

ابوداؤد میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا میں اور وہ عورت
جس کے رخسار پر سیاہ دھبے پڑ گئے ہوں روز جزا ایسے نزدیک
ہوں گے جیسے انگوٹھے کے پاس کی دونوں انگلیاں۔ یہاں رخسار پر سیاہ
دھبے والی عورت سے مراد وہ عورت ہے جس کا شوہر فوت
ہوگیا ہو مگر وہ اپنے یتیم بچوں کی خاطر نکاح ثانی نہ کرے تا آنکہ
رخساروں پر سیاہ داغ پڑ جائیں۔ بعض اوقات بچوں کی خاطر
ایسی نفس کشی بھی اجر کی مستحق مانی گئی ہے اور حضورؐ نے ایسی بے غرض
ماؤں کو روز جزا اپنے قریب ہونے کی بشارت دی ہے۔ اس
روایت سے یہ بھی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ ہمیں اپنے بچوں کی پرداخت
میں بے لوث اور بے حرص ہونا چاہئیے۔

اب لڑکیوں کے معاشرتی و قانونی حقوق کی طرف غور
کیجئے۔ اسلام سے پہلے لڑکی کو باپ سے کوئی ورثہ نہیں ملتا تھا۔
اس کی وجہ یہی تھی کہ لڑکی کو معاشرہ میں بے کار فرد مانا جاتا تھا لہذا
وہ کسی بھی حق کے لئے موزوں نہ سمجھی جاتی تھی۔ مگر حضورؐ نے ہی
لڑکیوں کے ورثہ کی نوید بھی سنائی۔ خود اللہ تعالیٰ نے سورۂ نساء
میں ارشاد فرمایا:

للرجال نصیب مما ترک الوالدٰن والاقربون و للنساء
نصیب مما ترک الوالدٰن والاقربون مما قل منہ او
کثر نصیبا مفروضا (پارہ ۴ - سورہ نساء آیت ۷)

کہ ماں باپ اور رشتہ داروں کے ترکے میں خواہ وہ
تھوڑا ہو یا زیادہ لڑکوں کا حصہ ہے اور ماں باپ اور رشتہ داروں
کے ترکے میں خواہ وہ تھوڑا ہو یا زیادہ لڑکیوں کا بھی حصہ ہے اور
یہ حصے خدا کی طرف سے مقرر ہیں۔ اس ارشاد خداوندی کے بعد
عورتوں کا مالی مستقبل مستحکم ہو جاتا ہے۔ ان صریح احکام کی
خلاف ورزی خیانت ہے اور اس کی جواب دہی اللہ کے
حضور میں کرنی ہوگی۔

خود رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اس سلسلہ
میں ملاحظہ فرمائیے۔ ایک دفعہ ایک صحابی، حضرت سعد
بن ربیعہ، غزوۂ احد میں شہید ہوگئے۔ اولاد میں صرف دو
لڑکیاں چھوڑیں۔ حضرت سعدؓ کے بھائی نے سارے ترکہ پر قبضہ
کرلیا اور لڑکیوں کو بالکل محروم کردیا۔ اس پر حضرت سعدؓ
کی بیوہ حضور مقبولؐ کی خدمت میں آئیں اور شکایت کی۔ اس پر
یہ آیت جو نیچے درج ہے۔ نازل ہوئی اور حضورؐ انور نے
سعدؓ کے بھائی کو بلوا کر حکم دیا کہ مرحوم کی دونوں بیٹیوں کو
ترکے میں سے دو تہائی اور بیوہ کو آٹھواں حصہ ادا کرو،
بقیہ خود رکھو (یہ روایت ترمذی و ابوداؤد):

یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین فان
کن نساء فوق اثنتین فلھن ثلثا ما ترک وان کانت
واحدۃ فلھا النصف ولابویہ لکل واحد منھما السدس
مما ترک ان کان لہ ولد .... الخ (پارہ ۴ سورہ نساء آیت ۱۱)

یعنی تمہاری اولاد سے متعلق اللہ کا یہ تاکیدی حکم ہے کہ ترکے میں
لڑکے کے لئے دو لڑکیوں کے برابر حصہ ہے۔ اگر لڑکیاں دو سے
زیادہ ہوں تو ترکے میں ان کا حصہ دو تہائی ہوگا اور اگر اکیلی
لڑکی ہو تو اسے آدھا ترکہ ملے گا اور (میت کے) ماں باپ میں
ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ ملے گا بشرطیکہ وہ اپنے پیچھے اولاد
بھی چھوڑے۔ اگر اس کے کوئی اولاد نہ ہو اور وارث ماں باپ
ہی ہوں تو ماں کے لئے ایک تہائی اگر ماں باپ کے ساتھ)

بھائی بہن بھی ہوں تو اس کی ماں کا چھٹا حصہ ہوگا۔

قرآن حکیم نے اس آیت کے مطابق عورت کا حصّہ مقرر کردیا۔ بحیثیت بیٹی بھی اور بحیثیت بیوی، بہن اور ماں بھی۔ اب آپ دوسرے دینوں اور ملّتوں کی طرف دیکھیں تو خود ہی معلوم ہوجائیگا کہ عورت کے حقوق کے تحفظ کا کیا عالم ہے۔ عورت کو بحیثیت ایک معزز فرد معاشرہ میں کسی مذہب نے اتنی سہولتیں اور حقوق نہیں دئے۔ نکاح بھی اس کی رضا کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ مرد پر مہر بھی فرض کیا گیا تاکہ لوگ حرمت نکاح اور حرمت نساء دونوں کی حکمت سے عملاً آگاہ ہوسکیں اور عورت کو ارزاں یا ارذل نہ سمجھیں۔ اس باب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی حیاتِ طیبہ سے ایک واقعہ عرض کرتی ہوں:

ایک لڑکی حضورؐ کی خدمت میں آئی۔ عرض کیا کہ میرے والدین نے میرا نکاح کر دیا ہے مگر میں اس نکاح سے ناخوش ہوں۔ اس پر آپؐ نے اسے یہ اختیار دیا کہ وہ چاہے تو نکاح فسخ کرسکتی ہے۔ ایک اور حدیث میں بھی یہی مذکور ہے (نسائی)۔ ممکن ہے یہ اسی لڑکی کا واقعہ ہو۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لڑکی حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئی تھی اور ان کے واسطے سے ہی حضورؐ تک یہ معاملہ پہنچایا تھا۔ آپؐ نے اس کے باپ کو بلایا اور لڑکی کو اختیار دیا کہ یہ چاہے تو طلاق لے لے۔ اس پر لڑکی نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ! میرے ماں باپ نے جو کچھ کیا ہے میں اسے جائز ٹھہراتی ہوں۔ میرا مقصد یہ تھا کہ عورتوں کو اپنے حقوق پوری طرح معلوم ہوجائیں۔ ان احادیث نبویؐ سے یہ نتائج اخذ ہوتے ہیں کہ لڑکی کو اپنے شوہر کے انتخاب کا مجاز قرار دیا گیا ہے۔ مگر ہم غیر مسلم معاشرہ میں صدیوں تک گھرے رہے اس لئے ان کی خو بو اور معاشری برائیاں بھی ہم میں آگئی ہیں اور ان کی دیکھا دیکھی ہم اس صریح حق کو بھول گئے ہیں۔ حق مہر کے سلسلے میں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ مہر وہ رقم ہے جو بطور ہدیہ یا نیک سلوک ہم اپنی منکوحہ کو دیتے یا اس کی ادائیگی کا اقرار عائد کرتے ہیں۔ خود قرآن نے اس حق کی ادائیگی کی تاکید کی ہے۔ سورۂ نساء میں ہے کہ، وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ۚ عورتوں کے مہر خوش دلی کے ساتھ بغیر کسی معاوضہ کے انہیں دیدو۔ مہر کی رقم کچھ بھی مقرر ہو سکتی ہے مگر حد شرعی ضرور قائم رہنی چاہیئے اور اس کی ادائیگی یکمشت اور قسط وار دونوں طرح ہو سکتی ہے۔

رقم مہر کے سلسلے میں حضرت عمرؓ کے زمانہ کا ایک واقعہ یہاں دہرا دینا بے محل نہ ہوگا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا کہ اے لوگو! حضرت رسولؐ کریم اور حضورؐ کے اصحاب نے اپنے نکاحوں میں کبھی چالیس اوقیہ یا چارسو درہم سے زیادہ مہر مقرر نہ کیا تھا۔ بلکہ اس سے کم ہی ہوتا تھا۔ اس لئے اگر تم میں سے کوئی اس سے زیادہ مہر مقرر کرے گا تو میں اسے تسلیم نہیں کروں گا اور زائد رقم بیت المال میں داخل کرادوں گا۔ یہ سنکر مجمع میں سے ایک عورت کھڑی ہوگئی اور اس نے حضرت عمرؓ کو ٹوکا اور کہا کہ اے امیرالمومنین کیا آپ ہمیں اس حق سے محروم رکھنا چاہتے ہیں جو اللہ اور اس کے حبیبؐ کے صدقہ میں ہم عورتوں کو ملا تھا۔ پھر اس نے سورہ نسا کی آیت کا حوالہ دیا جس کا مطلب یہ تھا کہ اگر مہر میں تم بیوی کو بہت سا مال دے چکے ہو تو وہ اس سے واپس مت لو۔

حضرت عمرؓ نے فوراً اپنی غلطی محسوس کرلی اور فرمایا کہ مدینہ کی عورتیں تو عمرؓ سے بھی زیادہ فقیہہ ہیں۔ مدعا یہ ہے کہ اگر مرد مستطیع ہے تو زیادہ رقم مہر بھی ادا کی جاسکتی ہے مگر خوشدلی کے ساتھ اور بے معاوضہ یہی قرآنی حکم ہے۔ ایام جاہلیت میں باپ یا ولی بھی رقم وصول کرتا تھا مگر یہ عورت کی ملکیت نہ ہوتی تھی۔ اسلام نے عورت کو یہ حق دلوایا ہے۔ وہ اپنے دین مہر کی پوری طرح مالک ہے اور جس طرح چاہے خرچ کرسکتی ہے۔ اگر زر نقد نہ ملے تو وہ جائیداد اور سونا چاندی بھی لے سکتی ہے۔

ان امور کی تصریح سے مطلب یہ ظاہر کرنا ہے کہ عورت کے حقوق اور معاشرہ میں اس کے جائز مقام کو صرف اسلام نے پوری طرح دلوایا ہے اور ہم اسلام کی برکتوں سے مالا مال ہونے کے لئے خدا کے حضور میں سجدہ ریز ہیں اور اس کے نبیؐ برحق پر درود و سلام بھیجتے ہیں جن کے انسانیت پر احسانات کو دنیا کبھی نہیں بھلا سکتی ؛

★

بسم الله الرحمن الرحيم من محمد عبد الله ورسوله إلى المقوقس عظيم القبط سلام على

بسم اللہ الرحمن الرحیم خدا کے بندے اور اس کے رسول محمد کی جانب سے مقوقس بادشاہ قبط کی طرف

من اتبع الهدى ۔ أما بعد فإني أدعوك بدعاية الإسلام أسلم تسلم يؤتك الله أجرك

اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے اما بعد میں تجھ کو دعوت اسلام دیتا ہوں اسلام لے آ سلامت رہیگا اور خدا تعالےٰ تجھے دوہرا

مرتين فإن توليت فعليك ما يجمع القبط يا أهل الكتاب تعالوا إلى كلمة سواء بيننا وبينكم

دیگا۔ اور اگر اسلام نہ لایا تو تیرے اوپر تمام قبط کا گناہ ہوگا اے اہل کتاب آؤ اس بات کی طرف جو ہم تم میں

ألا نعبد إلا الله ولا نشرك به شيئا ولا يتخذ بعضنا بعضا أربابا من دون الله

ہے وہ یہ کہ سوائے خدا کے کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور آپس میں ایک دوسرے کو رب نہ بنائیں سوائے

فإن تولوا فقولوا اشهدوا بأنا مسلمون ۵

پس اگر اہل کتاب نہ مانیں تو کہہ دو کہ اے اہل کتاب گواہ رہو ہم تو مسلمان ہیں ——— !!

نامۂ مبارک

سلطان مقوقس، والیٔ قبطہ (مصر) کے نام یہ نامۂ مبارک سن سات ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مہر مبارک ثبت کر کے روانہ فرمایا تھا۔

سفر قبطہ کے دوران ایک فرانسیسی سیاح کو یہ نامۂ مبارک کسی قبطی راہب سے دستیاب ہوا تھا۔ اس نے ہدیۃً سلطان عبدالمجید خان، والئی دولت عثمانیہ کی خدمت میں پیش کیا، جنہوں نے اس کو سلطنت عثمانیہ کے خزانۂ تبرکات نبوی میں داخل احترام و عقیدت سے رکھ دیا۔

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ

کلمہ طیبہ

نقش و خط کا نفیس امتزاج
خطاط : عبدالمجید (دہلوی)

غریبی اور کلمۃ الحق

(سردار دیوان سنگھ مفتون)

میرا بچپن کا زمانہ مذہبی ماحول میں بسر ہوا کیونکہ میری والدہ مذہبی خیال کی تھیں جو بغیر گوردوارہ گئے اور بغیر پاٹھ کئے کھانا بھی نہ کھاتیں اور مجھ پر بھی یہ پابندی عائد کی تھی کہ میں صبح بیدار ہونے کے بعد گوردوارہ ضرور جاؤں اور مجھے اچھی طرح سے یاد ہے کہ میں ایک حد تک متعصب بھی تھا جیسے دوسرے مذاہب کے کچھ لوگ ہوتے ہیں۔ ہندوازم، اسلام اور عیسائیت سے نہ صرف مجھے کوئی تعلق نہ تھا بلکہ ان سے کچھ نفرت بھی تھی مگر بائیس سال کی عمر میں ذہن میں ایک انقلاب سا پیدا ہوا اور نفرت کے وہ جذبات بالکل ختم ہو گئے جو دوسرے مذاہب کے متعلق بچپن سے مجھ میں موجود تھے اور ایک ایسا دور شروع ہوا جسے مذہب کے متعلق بے تعلقی کا دور قرار دیا جا سکتا ہے۔

مذہب سے بے تعلقی کا دور جاری تھا اور سب مذہبی مجاوروں کے متعلق میرے دل میں انتہائی نفرت وحقارت پیدا ہو چکی تھی کہ میں مہاراجہ نابھہ (اب آنجہانی) سے ملنے کے لئے دہلی سے مصوری گیا۔ مصوری میں چند روز قیام کرنے کے بعد جس روز واپس آرہا تھا اور مصوری سے روانگی میں کافی وقت تھا تو میں نے دیکھا کہ سنیما میں حضرت مسیح کے متعلق ایک فلم "کنگ آف کنگز" دکھائی جا رہی ہے اور سکولوں کے عیسائی طلبا پادریوں کے ساتھ سنیما ہال میں داخل ہو رہے ہیں۔ وقت گزارنے کے خیال سے میں نے سنیما کا ٹکٹ لینا چاہا تو سنیما والوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ یہ سکولوں کا پرائیویٹ شو ہے۔ اس کے بعد میں نے ایک پادری سے فلم دیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا تو وہ مجھے اپنے ساتھ سنیما کے اندر لے گئے۔ اس فلم میں حضرت مسیح کو مصلوب کرنے کا منظر دکھایا گیا تھا اس فلم کو دیکھنے کے بعد مجھ پر کیا اثر ہوا اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ میں اس روز سے اپنے آپ کو حضرت مسیح کا بھگت قرار دیتا ہوں اور اس کے بعد جب بھی ممکن ہوا میں نے اخلاص اور بغیر کسی غرض کے عیسائیوں کی خدمت انجام دی اور میری خواہش ہے کہ میں اپنی زندگی کے آخری لمحوں تک عیسائیوں کا بھی خدمت گذار ثابت ہوتا رہوں۔

میں ایک مقدمہ کے سلسلے میں دہلی جیل میں تھا اور احراریوں کی تحریک جاری تھی کہ مولوی عبدالقیوم کانپوری اس تحریک کے سلسلے میں دہلی جیل میں آگئے اور ان کا قیام بھی اسپیشل وارڈ کے اس کمرہ میں ہوا جہاں میں مقیم تھا۔ جیل میں انسان کو حالات پر غور کرنے اور مطالعہ کرنے کا کافی وقت ملتا ہے۔ مولوی صاحب سے رات کو باتیں ہوا کرتیں۔ میری زندگی کا تجربہ یہ ہے کہ ہر مذہب کے تبلیغی اسپرٹ رکھنے والوں میں اپنے عقاید کی تبلیغ کا بڑا شدید جذبہ ہوتا ہے اور دوسرا شخص جواب دے یا نہ دے یہ حضرات اپنے مذہب یا مسلک کی خوبیاں بیان کرتے ہی چلے جاتے ہیں۔ مولوی عبدالقیوم صاحب بھی باتوں باتوں میں اسلام کی خوبیاں بیان کرتے رہتے، جن کو کبھی تو میں سنتا اور کبھی بغیر سنے ہی ہاں، ہاں یا ہوں، ہوں کر دیتا۔

ایک روز مولوی صاحب نے مجھے رسول اللہؐ کی وہ حدیث سنائی جس میں پیغمبر اسلام نے فرمایا ہے "اشرف الجہاد اعلائے کلمۃ الحق"۔ میں نے جب یہ حدیث سنی تو میں نے غور کیا کہ اس شخصیت کی بلندی کا کیا اندازہ کیا جا سکتا ہے جس نے حاکم وقت کے سامنے حق وصداقت کی آواز کو دنیا میں سب سے بڑا جہاد قرار دیا ہو۔

چنانچہ جیل سے رہائی کے بعد میں نے رسولؐ اللہ کے اس ارشاد کے متعلق "ریاست" میں ایک نوٹ بھی لکھا اور اس نوٹ میں یہ الفاظ بھی تھے کہ ان ہونٹوں کی قدر و قیمت کا کوئی اندازہ نہیں کیا جا سکتا جن ہونٹوں سے اس حدیث کے یہ الفاظ نکلے۔

اس واقعہ کے بعد میں نے کبھی کبھی فرصت کے وقت قرآن اور حدیثوں کو بھی پڑھنا شروع کیا۔ قرآن کی ایک بہت عمدہ خوبصورت جلد تو مجھے تاج کمپنی نے بھیجی اور حدیثوں کے لئے میں احمدی حضرات کا شکر گذار ہوں۔ قرآن اور حدیثوں کے مطالعہ کے بعد مجھ پر دوسری باتوں کے علاوہ اس حدیث کا بھی بے حد اثر ہوا جس میں رسولؐ اللہ نے دعا کی ہے کہ "یا اللہ، مجھے غریبوں کی صف میں رکھنا اور مرنے کے بعد بھی مجھے مسکینوں میں جگہ دینا۔" چنانچہ ان دونوں حدیثوں کا ہی اثر ہے کہ میں نے اپنی زندگی میں حق و صداقت کی آواز پیدا کرتے ہوئے بارہا خطرہ کو لبیک کہا اور خدا کا شکر ہے کہ مالی اعتبار سے میں ہمیشہ ہی غریب اور مقروض رہا اور میرا ایمان ہے کہ گو انتہائی افلاس بھی انسان میں گراوٹ پیدا کرتا ہے مگر دولت اور سرمایہ تو انسان کو انسانیت سے محروم کر دینے کا باعث ہوتا ہے اور بہت کم لوگ ایسے ملیں گے جو مالدار ہوتے ہوئے بھی انسانیت سے محروم نہ ہوئے۔ ان دونوں حدیثوں کے علاوہ میری زندگی حضرت عمرؓ کے اسوۂ حسنہ سے بھی بہت متاثر ہوئی جن کی سلطنت ایران تک وسیع تھی مگر آپ کے لباس میں پیوند لگے ہوتے اور آپ رات کو تکیہ کی جگہ اینٹیں رکھ کر سوتے۔

میں سکھ خاندان میں پیدا ہوا اور نسل کے اعتبار سے مجھے سکھ ہی سمجھا جانا چاہئے مگر ذاتی خیالات کے اعتبار سے میں حضرت مسیحؑ اور پیغمبرؐ اسلام کا اتنا ہی معتقد اور بھگت ہوں جتنا کوئی عیسائی یا مسلمان ہو سکتا ہے اور میری یہ خوش نصیبی ہوگی کہ اگر مجھے سکھ گورو صاحبان کے علاوہ حضرت مسیحؑ، رسول اللہؐ اور سری کرشن جیسی عظیم و بلند شخصیتوں کے اسوۂ حسنہ کی تقلید نصیب ہو۔

خسروِ نورانیاں

رانا بھگوان داس بھگوآن

السّلام اے شمعِ انوارِ جہاں
السّلام آئینہ دارِ کن فکاں
السّلام اے سیّدِ کون و مکاں
السّلام اے واقفِ سرِّ نہاں
السّلام اے خواجۂ پیغمبراں
السّلام اے مظہرِ ربِّ جہاں
السّلام اے ہادیٔ گم گشتگاں
السّلام اے شافعِ بے چارگاں
السّلام اے مالکِ ہر دو جہاں
السّلام اے وجہِ تخلیقِ زماں
السّلام اے تاجدارِ مُرسلاں
السّلام اے رازدارِ کُن فکاں
السّلام اے محسنِ نوعِ بشر
السّلام اے نکتۂ حُسنِ جہاں
السّلام اے شہریارِ دینِ حق
السّلام اے خسروِ نورانیاں
السّلام اے جانِ بھگوآں السّلام
السّلام اے سجدہ گاہِ عاشقاں

مہاپرشؐ

(محمدؐ)

رِشی محمدؐ صاحب کی زندگی پر جب ہم وچار کرتے ہیں تو یہ بات صاف نظر آتی ہے کہ ایشور نے انؐ کو سنسار سدھارنے کے لئے بھیجا تھا۔ انؐ کے اندر وہ شکتی موجود تھی جو ایک گریٹ ریفارمر (مصلحِ اعظم) اور ایک مہاپرش (ہستئ اعظم) میں ہونی چاہئیے۔

آپؐ نے عرب کے چرواہوں کو، جو ظلم و ستم کے عادی تھے، انسانِ کامل بنادیا اور ان کے اندر رحم و کرم، حلم و تواضع پیدا کردی۔ ان میں متر تا (مودت) اور پریم (محبت) کے جذبات پیدا کردئے۔ یہ لوگ جاہل اور وحشی تھے۔ پرنتو (مگر) چند ہی روز میں ان کو حکمرانو کے اعلیٰ مرتبہ پر پہنچا دیا۔ وہ اپنے بھائیوں کا خون بہانا ایک معمولی بات سمجھتے تھے مگر حضرت محمدؐ صاحب کی تعلیم سے ایسے دیالو (رحمدل) ہوگئے کہ دنیا کی کھوئی ہوئی سلامتی اور اس کا امن دوبارہ قائم ہوگیا اور خود بھی شانتی (امن) کے محافظ بن گئے۔

حضرت محمدؐ رحمدل بھی تھے اور سخت بھی۔ اگر ایک غریب پریشان حال یتیم کو دیکھتے تو آپ کو رحم آجاتا مگر ظالم اور امن کے دشمن کے مقابلہ پر وہ سختی سے کام لیتے۔ اس وقت آپ کے پاس ظالم کے لئے رحم نہ ہوتا۔ ایشور نے ان کو ہردے (قلب) کا پوتر (پاکیزہ) بنایا تھا۔ وہ بہت دیالو (رحمدل) تھے۔ پرنتو (مگر) انصاف کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ وہ عرب کے فاتح اعظم تھے مگر مفتوح اقوام کے لئے پیغام رحم و کرم تھے۔ جن لوگوں نے آپؐ پر اور آپ کے ساتھیوں پر ظلم کیا تھا، اگر آپؐ چاہتے تو ان کو سولی پر چڑھوا دیتے۔ لیکن آپؐ نے ان کی ساری برائیاں معاف کردیں اور ان سے انتقام نہیں لیا۔ یہ ایک ایسا تاریخی واقعہ ہے جس کی مجھے نظیر نہیں ملتی۔

آپ کے جیون چرتر (سیرت) میں یہ عجیب بات بھی نظر آتی ہے کہ امن اور شانتی کے دشمن کو آپؐ نے کبھی معاف نہیں کیا مگر جو انؐ کا ذاتی دشمن ہوتا اس سے کبھی بدلہ نہ لیا۔ مگر بدلہ لینے کو ناجائز بھی نہیں بتایا کیونکہ ایسا کرنا نیچر (فطرت انسانی) کے خلاف تھا۔ مگر اپنی ذات کی حد تک وہ عفو و درگذر کے اصول کے پابند رہے۔ آپؐ کی رحم دلی اور کرم کی یہ کیفیت تھی کہ کوئی سخت سے سخت بات کہہ جاتا تو بھی آپ بڑی شانتی (سکون) سے سن لیتے۔ آپؐ کے جیون میں ایک مثال بھی ایسی نہیں پیش کی جاسکتی کہ آپؐ نے اپنے کسی دشمن کو ویسا ہی سخت جواب دیا ہو۔

غریب پروری کا حال یہ تھا کہ کبھی کوئی بھکشو (مانگنے والا سائل) آپؐ کے دروازہ پر آتا تو کبھی محروم ہوکر نہ جاتا۔ یہاں تک کہ آپ کے پاس کچھ بھی نہ ہوتا تو آپؐ فرمایا کرتے کہ میرے نام سے قرض لے لو میرے پاس جس وقت ہوگا ادا کردوں گا۔

آپؐ کے کیریکٹر (کردار) کے متعلق آپؐ کے دشمن بھی شبہ ظاہر نہیں کرتے تھے بلکہ اس وقت بھی سب آپؐ کو پوتر منش (پاکیزہ سیرت ہستی) ہی سمجھتے تھے۔ آپ کا دنیاوی جیون بھی بڑا اسندر تھا۔ مثلاً یہ کہ اپنی معاش کے لئے خود محنت کرتے تھے اور دوسروں کو بھی سخت محنت کی تلقین کرتے رہتے تھے۔ آپؐ نے تمام عمر سنیاس (رہبانیت) اختیار کرنے کا اپدیش (تلقین) بھی نہیں دیا بلکہ یہ کہا کہ اس دنیا میں رہو، اسے برتو اور یہ بھی بتایا کہ دنیا میں رہنے کے زریں اصول کیا ہیں اور یہاں رہ کر بھی ہمیں عزت اور شانتی کس طرح مل سکتی ہے۔

آپؐ کی پیدائش سے پہلے عرب میں بھی مورتی کی پوجا ہوتی تھی جس طرح ہند میں ہوتی ہے، مگر آپ کی تعلیم سے مورتی پوجا مٹ گئی اور ایشور بھگتی کا دھیان پیدا ہوا۔ یہ بھی آپ ہی کی کرپا (مہربانی) تھی کہ عرب کے ظالم لیٹرے اعلیٰ اور صاف دل والے "مہنت" اور "سوامی" بن گئے۔ آپ نے عربوں میں وہ جوہر پیدا کردیا جو ایک ہی سمے میں آدمی کی آتما (روح) کی سدھار کا کام بھی کرے اور اسے جرنیل، کمانڈر، اور چیف جسٹس بھی بنادے۔

آپؐ نے استریوں (خواتین) کی مظلومی کا بھی خاتمہ کر دیا۔ آپ کی پیدائش سے قبل عورتوں کے کچھ بھی حقوق نہ تھے اور ان پر ظلم حد سے بڑھا ہوا تھا۔ آپؐ نے ان کو عزت کی جگہ دی۔ اُن کے حق مقرر کئے اور ان کے سروں پر بھی مساوات کا تاج رکھ دیا۔

آپؐ کے جیون میں سب سے زیادہ قابل توجہ بات یہ ہے کہ آپؐ نے اپنی ذات کے لئے کبھی کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔ اگر آپ چاہتے تو لاکھوں روپے کی دولت جمع کر لینا آسان تھا، وہ بڑے شاندار محل رہنے کے لئے بنوا سکتے تھے مگر آپؐ نے اپنے گھر کے لوگوں اور استریوں کے لئے کوئی بھی سرمایہ جمع نہ کیا کیونکہ وہ نہایت ہی سادہ زندگی پسند کرتے اور بسر کرتے تھے۔

آپؐ کی تعلیم میں ایک چمکتا ہوا ستارہ یہ بھی ہے کہ وہ امیر، غریب کو ایک ہی سطح پر زندگی بسر کرنے کا ڈھب سکھلاتے تھے۔ آپؐ سے پہلے غریب کی حالت تو جانور سے بھی بدتر تھی۔ ان کے کچھ حقوق نہ تھے۔ مگر آپؐ نے ان کو عزّت دی، ان کو حقوق دئے۔ آپؐ کا قول تھا کہ غریب کے پہلو میں بھی دل ہے جو اچھے سلوک سے خوش اور بُرے سلوک سے ناخوش ہوتا ہے۔

برابری اور غریب نوازی کی یہ تحریک آج بھی زندہ ہے کسی مسجد میں جا کر دیکھئے۔ وہاں آپ کو امیر اور غریب، ادنیٰ اور اعلیٰ اور بھکشک (گداگر) ایک ہی صف میں نظر آئیں گے۔ یہی وہ خوبیاں ہیں جنہیں سمجھ والے لوگ پسند کرتے ہیں اور ان کی عزت کرتے ہیں۔

شری محمدؐ کی جے، بولو!

(پنڈت گوپال کرشن بی، اے ایڈیٹر بھارت سماچار، بمبئی)

★

"فخر موجودات" بقیہ صنہ ۶۰

بقیہ صنہ ۶۰

جانے، آپ جدھر گذرتے، لونڈے آپؐ کو پتھر مارتے تھے، حضرت زیدؓ نے حضور صلعم سے بد دعا کے لئے عرض کی، آپؐ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھایا اور خدا سے عرض کی۔ "میرے پروردگار میری قوم کو راہِ راست دکھا دے کیونکہ یہ بے علم لوگ ہیں"۔ لونڈوں سے جان بچا کر کسی طرح ایک باغ کی دیوار کے زیرِ سایہ بیٹھ گئے۔ اس باغ کے مالک دو مکی رئیس تھے عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ کفر شدید کے باوجود آپ کی حالت زار پر ان کو رحم آگیا۔ باغ کے مالی عدّاس کو جو ان کا غلام تھا انہوں نے ایک طبق میں کچھ خوشے انگور کے آپؐ تک لے جانے کو کہا۔ جناب عدّاس ایک نصرانی عالم تھے بد قسمتی سے غلام بن کر بکے تھے۔ یہ بزرگ جب خوشے لے کر آپؐ کے پاس پہنچے تو عتبہ اور شیبہ نے حیرت کے ساتھ دیکھا جناب عداس آپ کے سر کو، ہاتھوں کو، اور پاؤں کو بوسہ دے رہے ہیں، دونوں نے عدّاس کو بلا کر سوال کیا کہ عدّاس تم یہ کیا کر رہے تھے؟ عدّاس نے جواب دیا:

"میرے آقا! روئے زمین پر آج اس شخص سے اچھا آدمی نہیں ہے، اس نے مجھے وہ بات بتائی ہے جو ایک نبی ہی بتا سکتا ہے۔"

اس کے بعد آپ وہاں سے مکّہ کو لوٹ آئے۔

۳ ق ھ کے ماہ حج سے اسلام کی تاریخ کا نیا موڑ شروع ہوتا ہے، مدینہ سے آکر چھ افراد نے ایک گھاٹی کے اندر اسلام قبول کیا۔ ۲ ق ھ کے ماہ حج یہ لوگ تجدید بیعت کے لئے چھ مزید مسلمانوں کو اپنے ساتھ لے آئے اور ان لوگوں نے بھی اسلام قبول کیا اور آنحضرتؐ نے ان کے ساتھ تعلیم قرآن کے لئے حضرت مصعب بن عمیر کو روانہ کیا۔ ۱ ق ھ کے ماہ حج میں ۷۰ انصار نے اسلام قبول کیا اور مسلمانوں کو مکّہ سے ہجرت کر کے مدینہ چلے آنے کی دعوت دی۔ اور مکّہ سے لوگوں نے یکے بعد دیگرے مدینہ کی طرف ہجرت کی چند دنوں کے بعد خود حضور صلعم کو حکم ملا واهجرهم هجرًا جميلا اور آپ نے جمعہ یکم ربیع الاول ۱ھ کو مکہ چھوڑ دیا۔ تین یوم آپؐ اور حضرت ابوبکرؓ غار ثور میں چھپے رہے دوشنبہ ۵ ربیع الاول ۱ھ کو غار سے نکلے اور دوشنبہ ۱۲ ربیع الاول ۱ھ کو مدینہ پہنچے، اس روز سے اسلامی تاریخ کا کچھ اور ہی رنگ ہو گیا۔

محمدؐ عربی میری نظر میں

نپولین بونا پارٹ

اپنی قوم کو وجود باری کا سبق (حضرت) موسیٰؑ نے دیا۔ (حضرت) عیسیٰؑ نے سلطنت روم میں اور قدیم ترا عظم میں (حضرت) محمدؐ نے بھی اعلان کیا۔ مگر عرب بڑے ہی بت پرست تھے۔ (حضرت) عیسیٰؑ کے چھ سو سال بعد ابراہیمؑ و اسماعیلؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کی تعلیمات کو جب لوگ بھول گئے، تو محمدؐ نے انہیں مقامِ کبریا پھر یاد دلایا۔

آریائی نسل کی ملتوں اور دیگر انسانی گروہوں نے فکرِ مشرق میں عجب خلفشار پیدا کر رکھا تھا کہ خدا بیٹے مسیح ہے اور روح القدس ہے مگر محمدؐ نے اعلان کیا کہ سوائے ایک خدا کے دوسرا کوئی بھی نہیں نہ وہ کسی سے پیدا ہے نہ کوئی اس کا فرزند ہے اور نہ کوئی دوسرا قابل پرستش۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ تثلیث ہی ہے جو بت پرستی کو راہ دیتی ہے — اسی لئے جانو کہ معبود سوائے خدا کے اور کوئی نہیں۔

محمدؐ کی ذات ایک مرکزِ ثقل تھی جس کی طرف لوگ کھنچے چلے آتے تھے۔ ان کی تعلیمات نے لوگوں کو اپنا مطیع و گرویدہ بنا لیا اور ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا جس نے چند ہی سال میں اسلام کا غلغلہ نصف (معلومہ) دنیا میں بلند کر دیا۔ اسلام کے ان پیروؤں نے دنیا کو جھوٹے خداؤں سے چھڑا لیا۔ انہوں نے بت سرنگوں کر دیئے۔ موسیٰؑ و عیسیٰؑ کے پیروؤں نے ۱۵سو سال میں کفر کی نشانیاں اتنی منہدم نہ کی تھیں جتنی ان متبعینِ اسلام نے صرف پندرہ سال میں کر دیں۔ حقیقت یہ ہے کہ محمدؐ کی ہستی بہت ہی بڑی تھی۔

جس وقت وہ اپنی قوم کے سامنے آئے اس وقت عرب خانہ جنگیوں کا شکار تھے مسلمانوں نے اپنا علَم دنیا کے اِس کونہ سے اُس کونہ تک لہرا دیا۔ جو قومیں ابتلا و آزمائش کے دور سے گزر کر جسم و روح کی پرورش و رفعت کا سامان مہیا کرتی ہیں ان سے ایسی ہی عظیم کارگزاریاں ظہور میں آتی ہیں۔ جنگِ قادسیہ کے بعد نتائج کہاں سے کہاں تک پہنچے؟ جیحوں کے کناروں سے چین کی سرحد تک ان کا پھریرا اڑنے لگا۔ شام اور مصر ان کے زیرنگیں آ گئے۔ لیکن غور کرو اگر پیروانِ اسلام کے "خالد" اُن کے "ضرار" اور "عمرؓ" ہزیمت کھا جاتے تو پھر ان کا ٹھکانہ کہاں تھا؟ وہ لوٹ کر پھر لق و دق صحراؤں کی خانہ بدوش زندگی میں واپس چلے جاتے، گم ہو جاتے، اور آوارۂ صحرا پھرتے رہتے جیسے اُن کے اجداد بے نشان اور بے حیثیت رہ گئے تھے۔ وہ بھی ایسے ہی ہو جاتے! نکبت و فلاکت کی تصویر رہتے اور پھر دنیا کو کیسے معلوم ہوتا کہ محمدؐ کون تھے؟ علیؓ کون تھے اور عمرؓ کیا تھے؟

پارتھی، سیتھین، منگول، تاتاری اور اقوام ترک کی بابت یہی معلوم ہوتا ہے کہ ابتداءً وہ علم و حکمت اور فنون و ثقافت کے دشمن تھے مگر دیکھو عرب تو شروع سے ہی علم کے گرویدہ اور حکمت و فنون کے جویا رہے ہیں۔ کون ہے جو محمدؐ (عربی) پر علم دشمنی کا الزام لگا سکے۔ پہلے اموی خلیفہ، معاویہؓ کو دیکھئے۔ شعر و ادب کا دلدادہ ہے۔ ایک دفعہ کوئی یہودی عالم (ربّی) ان کے سامنے پیش ہوا اور بڑی بلیغ عربی میں چند اعتذاریہ اشعار پڑھے جنہیں سنتے ہی خلیفہ نے اسے عفو کا مستحق قرار دے دیا۔ اسی کا بیٹا یزید بھی شعر کا دلدادہ تھا۔ بس یوں سمجھئے کہ مسلمانوں میں فن شعر تہور و جرأت کے جوہروں کے بالمثل مانا جاتا تھا۔ ہارون رشید اور المامون کی طرف نگاہ کیجئے علم و حکمت اور فنون و ثقافت کی پرورش کے گہوارے تھے۔ انہیں ادب کا

ذوق تھا۔ کیمیا و ریاضی کی لگن تھی اور ہر دم دانشوروں کی صحبت میں گذارتے تھے۔ انہوں نے لاطینی، یونانی علوم و فنون کے خزانوں کو عربی میں منتقل کرایا۔ یہی لوگ تھے جنہوں نے "ایلیڈ" "اوڈیسی" اور "اقلیدس" کے ترجمے عام کئے۔ انہوں نے مدارس اور دار العلوم بنوائے جہاں حسب، ہیئت اور اخلاقیات کی تعلیم دی جاتی تھی۔ ریاضی داں احمد نے "بطلیموس" کی جدولوں کو درست کیا۔ عباس ایک اور بڑا حساب داں تھا۔ مسلمان سائنسدانوں نے صنعا سے کوفہ تک کے فاصلہ کو ایک درجہ سمت الراس تک ناپا۔ وہ کیمیا کے تجربے کرتے تھے۔ انہوں نے "الانبیق" ایجاد کی، دھوپ گھڑی بنائی، گھڑیاں مرتب کیں، ریاضی میں اعلام و اعداد معیّن کئے — آج ان سب کا وجود عربوں کا ہی مرہون منت ہے۔

مگر ان ایجادات و کمالات سے بڑھ کر جو شرف انہیں حاصل ہے وہ ان کے آداب حیات ہیں، ان کا ادب ہے، ان کی حکمت ہے۔ ان کی شاعری میں ولولہ ہے، علو ہے۔ محمدؐ نے اہل علم کو سراہا ہے، حکمت کی ہمت افزائی کی ہے اور عقل و دانش کے کارپردازوں کو اونچا کیا ہے۔ (یہی وجہ ہے کہ اسلام میں علم اور کتاب کی قدر ہوئی ہے) قاہرہ کے کتب خانہ میں صرف ہیئت پر چھ ہزار کتابوں سے کم نہ تھیں۔ دیگر علوم پر ایک لاکھ کتابیں ان کے علاوہ تھیں۔ قرطبہ کی لائبریری میں تین لاکھ کتابیں معروف و مشہور حقیقت ہے۔ غرض خلفائے اسلام نے اپنے پانچ سو سالہ دور میں ہر طرف علم و حکمت کی حفاظت کی۔ ہر طرف اس کا چرچا کیا اور ترقی کا قدم آگے ہی بڑھتا گیا — کہ اچانک فتنۂ چنگیزی کا ظہور ہوا۔

محمدؐ نے ازواج کی تعداد معین کردی۔ ان سے قبل انسان کے لئے کوئی حد ہی نہ تھی کہ وہ کتنی بیویاں کرسکتا ہے جو صاحبِ ثروت تھے وہ جتنی عورتیں چاہتے بیویاں بنا لیتے۔ مگر محمدؐ نے یہ رسم توڑ دی۔ حقیقت یہ ہے کہ عورتیں مردوں کی نسبت کم ہی پیدا ہوتی ہیں اس لئے سوال تھا کہ محمدؐ نے عہد عیسوی کے قانون کی پابندی کیوں نہیں کی اور مردوں کو یہ اجازت کیوں نہیں دی کہ وہ جسقدر بیویاں چاہیں کرلیں۔ پھر ادھر یورپ میں کیا ہوتا رہا ہے؟ یہاں کے قانون دہندوں نے خواہ وہ یونانی ہوں یا جرمن یا رومی و گال، اسپینی ہوں یا انگریز ایک سے زیادہ بیوی کرنے کی اجازت نہیں دی۔ مغرب میں تو یہی حال ہے، مگر ادھر مشرق میں کیا ہے؟ وہاں تو ہمیشہ اس کی آزادی رہی۔ ازمنۂ قدیم سے یہاں کی ہر ملت میں خواہ وہ یہود ہوں، اثوری ہوں یا ایرانی تاتاری ہوں یا افریقی حدِّ ازدواج معین نہ تھی۔ بعض نے (تاویل میں) کہا ہے کہ جغرافیائی کیفیت اس کی متقاضی ہے اور مغرب کے مقابلہ پر یہاں یہ فرق ہونا اسی باعث ہے۔ مگر بات اور ہے۔

ایشیا اور افریقہ میں مختلف اللون انسان بسے ہوئے ہیں انہیں باہمدگر کس طرح شیر و شکر کیا جائے۔ کثرت ازواج کے سوا عد کوئی تدبیر نظر نہیں آتی۔ اسی طرح یہ ممکن ہے کہ سفید پہ کالے کا اور کالے پر سفید کا جبر و تسلط دور کیا جاسکتا تھا۔ کثرت ازواج میں یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک ہی ماں یا ایک ہی باپ سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور کالے گورے دونوں ہی بھائی بھائی بن جاتے ہیں۔ دونوں ایک دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں۔ مشرق میں ایک بات یہ بھی ہے کہ جلد کا رنگ ایک انسان کو دوسرے پر کوئی فوقیت نہیں دیتا۔ (تفریق رنگ و نسل پر قابو پانے کے لئے) محمدؐ نے چار بیویاں تک کرنے کی اجازت دے دی۔ مگر سوال یہ ہے کہ جب عورتیں کم ہوں تو چار تک کی اجازت بھی کیسے دی جاسکے گی؟ — مگر ایک نکتہ پر غور کرو۔ کثرت ازدواج سے فائدہ تو صرف صاحبِ مال و زر ہی اٹھا سکتے ہیں اور وہی (معاشرہ میں) اوپر ہیں، وہی آراء کی تشکیل کرتے ہیں۔ پس انہیں آپس کی یہ شادیاں مربوط رکھتی ہیں۔ اگر ہم (یعنی اہل فرانس) اپنی نوآبادیوں جیسے (مصر و شمالی افریقہ) میں کالوں کو آزادی دینا چاہتے ہیں اور ان میں رنگ کا تعصب بھی دور کرنا چاہتے ہیں تو ہمارے قانون سازوں کو کثرت ازواج کی اجازت دینی پڑے گی۔

مشرق میں غلامی کا وہ عالم کبھی نہیں رہا جو مغرب میں ہے۔ مشرق میں غلامی کی کیفیت بائیبل کے مطابق ہی نظر آتی ہے۔ غلام کو اپنے آقا کی املاک میں سے حصّہ ملتا ہے۔ وہ اس کی لڑکی سے بھی شادی کرسکتا ہے۔ (میرے زمانہ میں) اکثر "پاشا" (حاکمان مصر) غلاموں سے ہی ہیں۔ بڑے وزیر، مصر کے تمام مملوک سلاطین، علی بن مراد بے وغیرہ سب غلام تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی کا آغاز اپنے مالکوں کے ہاں معمولی نجی ملازم کی طرح کیا مگر بر بنائے صلاحیت یا بطریقِ کرم وہ اونچے درجوں تک پہنچ گئے۔ مگر مغرب میں حالت کیا تھی؟

(باقی صفحہ ۱۹۵ پر)

رسولؐ کا تیسرا ساتھی

سی۔ ایف۔ اینڈریوز

انسان کی بزرگی اور عظمت کی جانچ ادبار و فلاکت کے وقت ہی ہوتی ہے۔ برگزیدگی کا ثبوت جب ہی میسر آتا ہے جب دنیاوی اسباب و سامان راحت مفقود ہوں۔ مگر ایسے لوگ خال خال ہی نظر آئیں گے جن کی بزرگی و عظمت کی روح جلیل اُس وقت ہویدا ہوئی ہو جب ظاہری اسبابِ دنیا معدوم اور وہ بے سرو سامان ہوں۔

ایسی برگزیدگی اور شرف و جلالت کی دلیل ہمیں محمدؐ میں ملتی ہے جو قبلِ ہجرت اور بعد ہجرت اُن کی ذات سے ظہور میں آئی۔

ہجرت سے چند یوم پیشتر وہ مکّہ میں بالکل یکّہ و تنہا، اور بے یار و مددگار تھے۔ اگر حضرت علیؓ، حضرت ابوبکرؓ اور چند دیگر یارانِ باوفا کو مستثنیٰ کر دیا جائے تو ایسا نظر آتا ہے جیسے ان کی رسالت کا مشن ناکام ہو گیا ہو۔ خود آنحضرتؐ کی ذات (گرامی) خطرات میں گھری ہوئی اور قطعی غیر محفوظ تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ قریش ہی ہر جگہ فتحمند نظر آتے تھے اور خطرات ایسی نوبت کو پہنچ چکے تھے کہ ایک ایک دن، بلکہ ایک ایک لمحہ جو گزرتا تھا اس شبہ کو پیدا کرتا تھا کہ کہیں ان کی زندگی اور مشن ہی ختم نہ ہو جائے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے انہوں نے اپنے آپ کو موت کے منہ میں دے دیا ہو، مگر ان سب باتوں کے باوجود اُن کی جرأت و پامردی میں کوئی فرق نہ آیا۔ اور دشمنوں میں گھرے رہنے کے باوجود اپنے کام کو انجام دیتے رہے، تاآنکہ وہ وقت آ پہنچا جب سب کے لئے ترکِ مکاں کا حکم آیا۔

انہوں نے صرف یہی نہیں کیا بلکہ مدینہ میں ان لوگوں کو جو ان کے دوست اور معتقد تھے جرأت آموزی کے پیغام بھیجتے رہے اور پامردی و ثابت قدمی کی تلقین فرماتے رہے۔ ان کا پیغام تھا: "کوشش میں لگے رہو اور خدا تعالیٰ سے امید قائم رکھو، ہم خود بھی اسی کی ذات کے بھروسہ پہ بیٹھے ہیں۔ تم میں سے ہر ایک کو اسی کے فضل کا انتظار کرنا چاہئے۔ اس کے بعد تم خود ہی دیکھ لوگے کہ راستی پر کون ہے۔ پس صبر و استقامت کے ساتھ کوشش میں مصروف رہو، کیونکہ اللہ کا وعدہ سچا ہے!"

جیسے جیسے وقت گزرتا گیا مدینہ کے مسلمانوں کا ایک چھوٹا سا گروہ ایمان میں پختہ ہوتا چلا گیا۔ ایک موقع پر نصف شب گذری تھی کہ سب لوگ ایک پناہ کی جگہ آکر جمع ہو گئے مگر یہ احتیاط کی گئی تھی کہ شبہ رفع کرنے کے لئے دو دو تین تین کی تعداد میں آئیں بہرنوع ان کی تعداد پچھتر تک پہنچ چکی تھی جن میں دو جری عورتیں بھی شامل تھیں۔ آنحضرتؐ اندھیرے میں تلقین فرما رہے تھے کہ ایک آواز آئی: "اے محمدؐ، اپنا ہاتھ پھیلایئے، اپنا ہاتھ دراز کر دیجئے!" سب نے بڑھ بڑھ کر حضورؐ کے ہاتھ پر بیعت کرنی شروع کر دی، یہ بیعتِ عقبہ کے نام سے مشہور ہے۔

قریش کو بھی اس واقعہ کی خبر ہو گئی اور وہ بڑے تلملائے اور نتیجۃً مسلمانوں پر سختیاں اور بھی بڑھ گئیں۔ آخرکار (حضرت) محمدؐ نے حکم دیا کہ "مدینے چلے جاؤ، کیونکہ اس شہر میں اللہ (تعالیٰ) نے تمہارے بھائی بند بنا دیئے ہیں اور رہنے کے لئے مکان بھی جہاں تم پناہ لے سکو گے۔"

الغرض، مسلمان تھوڑی تھوڑی تعداد میں مدینہ کی طرف جانے شروع ہو گئے۔ مکّہ سے مدینہ کا فاصلہ تقریباً ۲۵۰ میل ہے۔ ایک تیز رو قافلہ اس طویل فاصلہ کو گیارہ دن میں طے کر سکتا ہے۔

اب تقریباً سب ہی مسلمان مدینہ پہنچ چکے تھے — ان مہاجرین کی تعداد ایک سو پچاس سے زائد نہ تھی، جن میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے۔

شروع شروع میں تو مسلمانوں کے اس عمل سے قریش متعجب ہوئے مگر پھر اُن کو غصّہ آیا اور اس کا سب سے بڑا مورد خود حضور صلعم کی ذات گرامی تھی۔ یہ وقت آنحضرتؐ کے لئے بہت ہی پُرخطر تھا اور ٹھیک اس وقت انہوں نے انتہائی جرأت و پامردی اور استقلال و استقامت کا نمونہ پیش کیا۔ حضرت ابوبکرؓ ہر روز مُصر ہوتے کہ حضورؐ بھی مدینہ چلے جائیں مگر ہمیشہ یہی جواب ملتا کہ "ابھی میرے جانے کا وقت نہیں آیا ہے۔ اللہ کی طرف سے ابھی مجھے کوچ کا حکم نہیں ملا ہے۔" غالباً ان کی خواہش یہی تھی کہ اپنے تمام پیروؤں کو مدینہ پہنچا ہوا دیکھ لیں، تب وہ خود ادھر کا رخ کریں۔ بالکل ایسے جب کوئی جہاز سمندر پر رواں دواں ہو تو اُس کا کپتان زمین پر سب سے آخر میں اترتا ہے۔ یہی معاملہ آنحضرتؐ کے ساتھ درپیش تھا۔ اور ہوا بھی یہی کہ جب سب مسلمان مدینہ پہنچ گئے تب انہوں نے مکّہ کو الوداع کہا۔

اسی دوران میں قریش سازشیں کر رہے تھے۔ سازش یہ تھی کہ آنحضرتؐ کی روانگی کے بعد انہیں راستہ ہی میں ہلاک کر دیا جائے۔ وہ اپنے داؤں میں لگے ہوئے تھے اور بڑی سرگرمی کے ساتھ اپنے دشمن (آنحضرتؐ) کے قتل کئے جانے کی امید لگائے بیٹھے تھے۔ اس وقت جو عالم تھا اُس کا ذکر قرآن مجید میں ان الفاظ میں آیا ہے:

> "اور اس وقت کا خیال کر جبکہ کافروں نے تیرے برخلاف اس لئے سازش کی تھی کہ یا تو تجھ کو روک لیں یا قتل کر دیں یا (شہر سے) نکال دیں۔ بیشک انہوں نے سازش کی اور خدا نے بھی سازش کی اور اللہ سب سے اچھا سازش کرنے والا ہے۔"

قریش نے یہ بھی انتظام کیا تھا کہ آنحضرتؐ سے ملاقات کی جائے اور اغلب تھا کہ وہ اپنے بد ارادوں کو عمل میں لانے کے لئے اس موقع کو غنیمت سمجھتے۔ بہرنوع، آنحضرت نے آنے والے خطرات کا پہلے سے اندازہ کر لیا تھا اور ہر پہلو نظر میں تھا۔

حضرت علیؓ مکان میں بستر پر سرخ کمبل اوڑھے لیٹے رہے تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو کہ حضورؐ استراحت میں ہیں۔ یوں حضرتؐ حضرت ابوبکرؓ کے مکان پر تشریف لے گئے تھے۔ جب حضرت ابوبکرؓ کو یہ علم ہوا کہ ہجرت کا وقت آن پہنچا ہے اور یہ کہ اب حضور صلعم کی معیت بھی نصیب ہوگی تو خوشی کے مارے ان کی آنکھیں اشکوں سے لبریز ہوگئیں۔

مختصر یہ کہ دونوں ایک کھڑکی سے نکل کر حدودِ شہر سے باہر پہنچے راستے ناہموار تھے، مگر ان کا سفر جاری رہا تا آنکہ وہ اونچے پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گئے۔ یہ پہاڑ ثور کے نام سے معروف ہے۔ وہاں انہوں نے ایک غار میں پناہ لی۔ قرآن مجید میں اس واقعہ کا ذکر ان الفاظ میں آیا ہے:

"بیشک اللہ نے رسول کی مدد کی جبکہ کافروں نے انہیں ایک ہمراہی کے ساتھ نکالا الا جبکہ وہ دونوں غار میں بے یار و مددگار تھے۔ اور جبکہ رسول نے اپنے ساتھی سے کہا کہ پژمردہ مت ہو، کیونکہ بتحقیق، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے اس پر اپنا امن نازل کیا اور ایسی فوج کے ساتھ اس کی مدد کی جسے تم نے دیکھا اور کافروں کی باتوں کو ذلیل کیا اور خدا تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور وہ قادر اور حکیم مطلق ہے"

تاریخ اسلام میں اس واقعہ سے زیادہ اور کوئی واقعہ مشہور نہیں۔ حقیقت بھی یہ ہے کہ وہ ہے بھی اس شہرت کا مستحق، کیونکہ خطرات انتہا کو پہنچ چکے تھے اور ابوبکرؓ جیسے شخص جو دنیا کے بڑے ہی دلیر اور جری انسان تھے، موت کو اپنے سامنے دیکھ کر کانپ گئے تھے مگر صبح کو جب سورج کی کرنیں غار پر پڑی ہیں تو اس وقت نظر آیا کہ غار کا منہ اوپر سے کھلا ہوا ہے اور اوپر سے سب کچھ دکھائی دیتا ہے۔ یہ دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا۔ "کیا ہو اگر کوئی قریش اوپر سے جھانکنے لگے! ممکن ہے وہ ہمیں اپنے قدموں کے نیچے دیکھ لے"۔

اس پر حضورؐ نے فرمایا۔ "اے ابوبکرؓ اس بات کا خیال نہ کر کہ ہم دو ہیں۔ نہیں — بلکہ درمیان میں ایک تیسرا، خدا بھی ہے"

•

ایسے پُرخطر موقع پر یہ الفاظ جو حضورؐ کے منہ سے نکلے اس قابل ہیں کہ مشاہیر عالم کے اقوال کے ساتھ انہیں خلوص و محبت

کے ساتھ محفوظ کر لیا جائے۔

میں ان الفاظ کے ساتھ ہی اپنے اس مختصر مضمون کو ختم کرتا ہوں۔ یہ الفاظ ہی اس بیان واقعہ کا اہم ترین حصہ ہیں۔ واقعہ کا اختتام مجملاً یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ تین دن تک تلاش جاری رہی۔ تیسری رات بڑی اندھیری آئی اور نہایت جانکاہ دقتوں کے بعد، بال بال بچتے ہوئے وہ آخرکار مدینہ پہنچ گئے۔ جیسے ہی حضورؐ وہاں پہنچے، شاداں و فرحاں عقیدت مندوں نے انھیں چاروں طرف سے اپنے حلقہ میں لے لیا۔

یہ واقعہ، جسے میں نے یہاں مجملاً بیان کیا، ہر مسلمان کو یاد ہے، ہاں یہاں صرف ایک بات نئی ہے اور وہ یہ کہ اس موقع پر یہ واقعہ ایک عیسائی نے لکھا ہے۔

"میں مسلمان نہیں ہوں مگر غار (ثور) کے اس واقعہ کی مدح ضرور کرتا ہوں اور بصد احترام، جبکہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ" اے ابوبکرؓ، اس بات کا خیال نہ کر کہ ہم دو ہیں ـــ نہیں، ایک تیسرا ـــ خدا ـــ بھی ہمارے درمیان ہے!"

اگر میں نے یہ واقعہ کسی غلط پیرایے میں بیان کر دیا ہو، یا جزئیات میں مجھ سے فروگذاشت ہوئی ہو تو اہل نظر مجھے معاف فرمائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ میرا ارادہ بحث کا نہیں تھا بلکہ صرف یہ تھا۔ اس ارفع و قابل احترام واقعہ کا تذکرہ کروں جو حقیقۃً مستحق صد توصیف ہے۔

آنحضرتؐ کی عظمت و برگزیدگی کو، جب یہ الفاظ مبارک ان کی زبان سے نکلے، سمجھنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اُس وقت مکّہ کی جو حالت تھی اسے بھی نظر سے اوجھل نہ ہونے دیا جائے۔ عالم یہ تھا کہ لوگ جہل اور باطل میں ڈوبے ہوئے تھے۔ بے رحمی اور عیش کوشی میں مبتلا تھے، قریش کا مذہب بجز بت پرستی کچھ نہ تھا۔ دختر کُشی تو ان میں عام رائج تھی۔ زنا کی کثرت کا کیا بیان۔ حد یہاں تک پہنچی ہوئی تھی کہ باپ کے مرنے کے بعد لڑکا اُس کی بیویوں میں سے جس سے چاہتا شادی کر لیتا ـــ اس پر ہی بس نہ تھا، گناہوں کا یہ ہنجار تھا کہ ان کا بیان انسان کے رونگٹے کھڑے کر دیتا ہے۔

مہیب خطروں میں گھرے ہونے کے باوجود آنحضرتؐ کے پائے استقامت اور ایمان باطنی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ انہوں نے اپنے اردگرد مرد و زن کی ایک مختصر سی جماعت ہی میں ایک نئی روح پھونک دی ـــ خیال کیجئے وہ جس ماحول میں گھرے ہوئے تھے وہ کیا تھا اور حضورؐ کی ذات ان سے کس قدر مختلف۔ وہ جس گرد و پیش میں رہتے تھے وہاں ہر روز ایک تازہ خدا کی پرستش ہوتی تھی۔ آنحضرتؐ کو اس بت پرستی، اس اوہام نوازی اور باطل کی پوجا سے دلی نفرت تھی ـــ وہ ان پر حقارت کی نظر ڈالتے تھے۔ اُن کا ایمان صرف خدا پر تھا، اس کے فضل و کرم اور جود و بخشش پر۔ دوسروں سے مہر و محبت کا برتاؤ کرتے سچائی اور انصاف سے کام لیتے تھے۔ غرض یونہی وہ روز بروز ایک اَن دیکھے خدا کے نزدیک سے نزدیک تر ہوتے چلے گئے۔ ان میں آخرت پر یقین اور گناہ سے خوف کا جذبہ جاگ چکا تھا۔

اور یہ ساری حیرت میں ڈال دینے والی تبدیلیاں بہت ہی قلیل عرصہ میں نمود پا گئیں اور اس کی بڑی وجہ اللہ پر ایمان تھا جو آنحضرتؐ کے دل میں جاگزیں ہو چکا تھا۔ اگر آنحضرتؐ اس دورِ ابتلا میں اپنے کام میں قاصر رہتے تو یہ سارے اوصاف جلیلہ بھی ان میں سے اس طرح غائب ہو جاتے۔ جیسے بیدار ہونے پر خواب ـــ مگر نہیں۔ وہ کام میں کبھی نہیں چوکے۔ ان کا خدا پر کامل تکیہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اُن کے منہ سے بھی یہی نکلا: "اے ابوبکر، اس بات کا خیال نہ کر کہ ہم دو ہیں"ـــ نہیں، ہمارے درمیان ایک تیسرا بھی ہے ـــ خدا!" ـــ ایسے ہی کسی مرحلۂ نازک پر جب یہ الفاظ میرے سامنے لوٹے جاتے ہیں تو میرا دل روحانی سرخوشی سے لبریز ہو جاتا ہے۔

اس واقعہ کے علاوہ اور بھی بہت سے واقعات ہیں جو بعد میں رونما ہوتے رہے، مگر ایک عیسائی ہونے کی حیثیت سے میں ان کو اتنی اہمیت نہیں دیتا مگر ان الفاظ کی تعریف و توصیف کئے بغیر بھی نہیں رہ سکتا، جب کبھی میں ان الفاظ کو دہراتا ہوں تو وجدان روحانی جوش و خروش سے جھومنے لگتا ہے۔ یہ الفاظ بار بار میرے ذہن میں عود کرتے ہیں: "ابوبکر! یہ مت خیال کرنا کہ ہم دو ہیں ـ نہیں، ہمارے درمیان ایک تیسرا بھی ہے ـ خدا"!

(ترجمہ: ص-ا-ب)

پیغمبر اسلام میری نظر میں

ڈاکٹر مسز اینی بیسنٹ
ترجمہ: ضیاء الدین احمد برنی

اس صدی کی ابتدا میں برصغیر کی جدوجہد آزادی میں جن چند غیر ملکی دانشوروں نے حصہ لیا ان میں ڈاکٹر مسز اینی بیسنٹ کا نام خاص طور پر لیا جا سکتا ہے۔
وہ ایک صوفی منش متصوف تھیں اور انہوں نے ایک حلقۂ تصوف بھی قائم کیا تھا۔ انہیں اسلام اور پیغمبرؐ اسلام کی زندگی کے مطالعہ سے خاص شغف تھا۔ وہ مسلمانوں کی ملّی ترقی و اصلاح کے لئے بھی کوشش کرتی رہتی تھیں۔ ۱۹۱۲ء میں ایک تصوف کانفرنس منعقد ہوئی تھی جس میں انہوں نے حضور مقبولؐ کی حیات طیبہ پر اپنے تاثرات کا اظہار کیا تھا۔ اس لیکچر کے بعض اجزا اس قابل ہیں کہ انہیں یہاں مکرر مطالعہ کے لئے پیش کیا جائے۔ (ادارہ)

جہاں تک اسلام کے بانی کا تعلق ہے، آپؐ کی زندگی کی تاریخ میں علم الاصنام کا وہ عنصر نہیں پایا جاتا جس نے دوسرے بڑے مذہبی پیشواؤں کی زندگیوں پر پردہ ڈال رکھا ہے۔ آپؐ کی زندگی ایک ایسے زمانہ میں بسر ہوئی تھی جسے تاریخی زمانہ کہا جاتا ہے۔ عیسوی سن کی ساتویں صدی میں یہ شخص پیدا ہوا تھا اور اس کی زندگی ایسے زمانہ کی بسر ہوئی تھی جس کی تاریخ کا ہمیں پورا پورا علم ہے۔

الامین:

کس شاندار طریقہ سے آپؐ کی زندگی تاریخ کی روشنی کا مقابلہ کرتی ہے اور کس قدر جاہل ہیں وہ لوگ جو حضرت محمد (صلعم) پر حملہ کرتے ہیں! یہ دونوں باتیں تاریخ سے ثابت ہیں۔ بہت سے لوگ تو آپؐ کی زندگی سے واقف ہی نہیں، اپنے خدوخال کے اعتبار سے وہ کس قدر سادہ کس قدر بہادرانہ تھی، تاریخی آدمیوں کی عظیم الشان زندگیوں میں سے ایک! آپؐ تاریخ کے ایک کٹھن دور میں پیدا ہوئے تھے جو سخت اور مشکل حالات سے گھرا ہوا تھا۔ آپؐ پیدا ہوئے تھے ایسی قوم میں جو سرتاپا اوہام پرستی میں ڈوبی ہوئی تھی، پیدا ہوئے تھے ایسے لوگوں میں جن میں اوہام باطلہ نہایت ہی خراب نتائج پیدا کر رہے تھے۔ ہم تھوڑی دیر میں ان اشخاص کی شہادت سے جن کی زندگیوں کو آپؐ نے بدل ڈالا تھا، ان لوگوں کے الفاظ سے جنہوں نے آپؐ کی شہادت دی تھی جب کہ آپؐ زندہ تھے اور جنہوں نے آپؐ کو پیغمبر خدا تسلیم کیا تھا، یہ معلوم کر لیں گے کہ اس وقت عامۃ الناس کی زندگیاں کیسی تھیں۔ لیکن اس سے قبل بھی آپؐ اندھیرے میں روشنی کے مینار کی طرح چمکتے ہوئے نظر آتے ہیں، اور ہمیں آپؐ کی زندگی اس قدر شریفانہ اور اس قدر سچی نظر آتی ہے کہ ہم فوراً معلوم کر لیتے ہیں کہ کیوں آپؐ کو اپنے گرد و پیش کے لوگوں تک[1] اپنے خدا کا پیغام پہنچانے کے لئے منتخب کیا گیا تھا۔ وہ کونسا نام تھا جس سے مکہ کے تمام مرد، عورتیں اور بچے آپؐ کو پکارا کرتے تھے؟ وہ نام الامین یعنی صادق، دیانت دار تھا۔

---

[1] اسلام کا پیغام صرف عرب کے لئے نہیں بلکہ ساری دنیا کے لئے ہے (مترجم)

مجھے اس سے زیادہ پایہ کا اور زیادہ شریفانہ اور کوئی لقب نہیں ملتا جس سے وہ اس شخص کو پکارا کرتے تھے جس نے اپنی زندگی ایام طفولیت سے انہی میں بسر کی تھی یعنی ایسا شخص جو اعتماد اور بھروسہ کے قابل ہو۔ آپؐ کی نسبت عام طور سے بیان کیا جاتا ہے کہ جب آپؐ گلیوں اور بازاروں میں سے گزرتے تھے تو بچے دروازوں سے نکل کر دوڑتے ہوئے آتے اور آپؐ کے گھٹنوں اور ہاتھوں سے چمٹ جاتے تھے۔ جب کبھی آپؐ یہ دونوں صفات ایک ہی شخص کی ذات میں مجتمع دیکھیں (یعنی بچوں کی محبت اور ایسا چال چلن جس کی وجہ سے اس کے گرد و پیش کے لوگ اسے امین اور صادق کے نام سے پکاریں) تو پھر آپ اس میں ایک ہیرو کے، ایک پیدائشی لیڈر کے، بنی نوع انسان کے ایک ہادی کے عناصر موجود پائیں گے۔

یہ داستان اپنے اندر بہت بڑے معنی رکھتی ہے کہ کشمکش کے خیالات کے، غور و فکر کے، دنیا میں زندگی بسر کرنے اور پھر کچھ مدت تک صحرا کے ایک غار میں رہنے کے اُن پندرہ سالوں میں آپؐ نے ایسے خیالات سے جنگ جاری رکھی جنہوں نے اوّل اوّل آپ کو مغلوب کر لیا اور آپؐ روحانی طاقتوں کی آواز کے مقابلہ میں انسان کی فطری کمزوری کی وجہ سے خوف زدہ ہو گئے۔ یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ ایک رات جب آپؐ اس غار سے واپس لوٹے جہاں خدا کے ایک فرشتے نے آپؐ کو حکم دیا کہ "اے خدا کے رسولؐ، اٹھ اور جا اور لوگوں کو پیام سنا" تو آپؐ خوف کے مارے کانپ اٹھے اور تردد اور شک میں پڑ گئے کہ "میں کون ہوں؟ میں کیا ہوں کہ خدا کے پیغمبرؐ کی حیثیت سے لوگوں کے پاس جاؤں؟" یہی وقت تھا جبکہ آپؐ کی بیوی نے آپؐ کی ہمت بندھائی اور آپؐ کو اس آواز پر چلنے کی ہدایت کی۔ انہوں نے کہا: "خوف نہ کیجئے، کیا آپ الامین نہیں ہیں؟ خدا کبھی ایسے شخص کو دھوکا نہیں دے سکتا جس پر لوگ اعتماد رکھتے ہوں۔" اس سے بہتر شہادت کسی پیغمبر کو کہیں نہیں مل سکتی۔ پھر آپؐ اپنے بڑے مشن پر گامزن ہو گئے۔ آپ کی بیوی آپ پر سب سے پہلے ایمان لائیں، وہ جو عورتوں میں سب سے زیادہ پیاری اور سب سے زیادہ شریف تھیں جنہوں نے لوگوں کے اس ہادی کے ساتھ ۲۶ سال تک مکمل ازدواجی زندگی بسر کی تھی۔ یہ تھا اس ہستی کا کردار اس خاتون کے الفاظ میں جو آپؐ سے سب سے زیادہ قریب تھی۔

آپؐ کی سادہ زندگی:

اب عام طور پر یہ بات کہی جاتی ہے کہ ایک پیغمبر کی اپنے ملک میں عزت نہیں کی جاتی۔ مگر اس پیغمبر کی اپنے ملک میں اور اپنے باپ کے گھر میں بھی عزت تھی۔ آپؐ کی اپنے رشتہ داروں کے دلوں میں عزت تھی اور ان ہی میں سے آپؐ کو ابتدائی ایمان لانے والے ملے۔ جیسا ابھی کہا گیا ہے۔ آپؐ کی پہلی بیوی آپؐ پر سب سے پہلے ایمان لائیں اور پھر وہ لوگ ایمان لائے جو رشتہ میں آپؐ سے قریب ترین تھے، اور پھر ان میں کے دوسرے اشخاص ایمان لائے جن سے آپؐ محبت کرتے تھے۔ صبر آزما محنت کے تین سال بعد ایسے تیس آدمی ہو گئے جنہوں نے آپؐ کو خدا کا رسول تسلیم کر لیا۔ اور آپؐ کی زندگی کس قدر سادہ اور کس قدر کفایت شعارانہ تھی! آپؐ اپنے ٹوٹے ہوئے جوتوں کی مرمت خود کر لیا کرتے تھے، اپنے کپڑوں کو خود سی لیا کرتے تھے۔ آپؐ اپنے ہی درزی اور کفش دوز تھے، اس وقت بھی جب کہ اپنی زندگی کے آخری حصہ میں آپؐ کے گرد و پیش کے لاکھوں آدمی پیغمبر خدا کی حیثیت سے آپؐ کی تعظیم کرتے تھے۔ یہ تھا اس ہستی کا کردار! کس قدر سادہ! کس قدر شریفانہ! کس قدر ایماندارانہ!

ایک دن آپؐ ایک مالدار آدمی سے بات چیت کر رہے تھے جبکہ ایک اندھے آدمی نے چلا کر کہا! "اے خدا کے رسولؐ! مجھے بھی نجات کا راستہ بتایئے"! آپؐ نے اس کی بات پر کچھ توجہ نہیں دی اس لئے کہ آپؐ ایک مالدار آدمی سے گفتگو میں مشغول تھے۔ پھر اس نے چلا کر کہا: "اے خدا کے نبیؐ! مجھے بھی نجات کا راستہ دکھایئے"! رسولؐ کے چہرے پر شکنیں پڑ گئیں اور آپؐ نے منہ موڑ لیا۔ دوسرے ہی دن صبح کے وقت وہ پیغام ملا جو آپ کی ایمانداری اور انکساری کی شہادت کے طور پر ہمیشہ ہمیشہ قرآن مجید میں محفوظ رہے گا اور وہ پیغام اس میں اس لئے درج ہے کہ سب لوگ اسے یاد رکھیں:

"وہ ترش رو ہوئے اور منہ موڑ بیٹھے، کیونکہ ان کے پاس ایک نابینا آیا۔ اور تم کو کیا خبر کہ شاید وہ پاکیزگی حاصل کر لیتا یا سوچتا تو سمجھانا اُسے فائدہ دیتا؟ جو پروا نہیں کرتا، اس کی طرف تو تم توجہ کرتے ہو۔ اور اگر وہ نہ سنورے تو تم پر کچھ الزام نہیں۔ اور جو تمہارے پاس دوڑتا ہوا آیا اور خدا سے ڈرتا ہے، اس سے بے رخی

کرتے ہو!(۱) (سورۂ عبس آیات ۱، تا ۱۰)

بہت تھوڑے آدمی اتنے جری نکلیں گے جو ایسی تنبیہ کو عام کر دیں جو براہِ راست ان کی ذات سے متعلق ہو۔ لیکن برخلاف اس کے آپؐ اس قدر عظیم اور اس قدر ایمان دار انسان تھے کہ بعد میں جب کبھی آپؐ اس بوڑھے شخص کو دیکھتے کھڑے ہو جاتے اور اسے یہ کہہ کر بٹھاتے۔ "اہلاً وسہلاً، تیری ہی وجہ سے تو میرے خدا نے مجھے تنبیہ فرمائی تھی!" آپؐ اس قدر عظیم تھے کہ ذرا سی کمزوری اور آداب کی ذرا سی کمی کو فی الفور تسلیم کر لیتے تھے اور جو آدمی تنبیہ کا باعث ہوتا، اسے بھی آپؐ عزیز رکھتے اور اس کی عزت کرتے تھے۔ پھر تعجب کی کون سی بات ہے کہ وہ تمام لوگ جو آپؐ سے قریب تھے، آپؐ سے اتنی محبت کرتے تھے؟

حُبِّ رسولؐ:

یہ محبت جو آنحضرت (صلعم) کے قریبی پیروؤں کو جو آپؐ سے اچھی طرح واقف تھے، آپ کی ذات سے تھی، دنیا کے مذاہب کی تاریخ میں نہایت رقت انگیز ہے۔ آپؐ کے ماننے والوں پر نہایت خوفناک مظالم روا رکھے جاتے تھے۔ وہ انہیں تپتی ہوئی ریت پر اس طرح لٹا دیتے تھے کہ عرب کے گرم سورج کی کرنیں انہیں اوپر سے جھلساتی رہتی تھیں، وہ ان پر پتھروں کی سلیں رکھ دیتے تھے، وہ انہیں اپنے خشک ہونٹوں کو تر کرنے کے لئے پانی کا ایک قطرہ بھی نہ دیتے تھے، وہ ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتے تھے۔ انہوں نے ایک مرتبہ ایک شخص کے جسم کی بوٹی بوٹی کر ڈالی، اس کی ہڈیوں پر سے اس کے گوشت کو نوچ ڈالا اور پھر اس کے درد و کرب اور نزع کی شدت میں اس سے کہا۔ "تو جو اپنے رسولؐ پر ایمان رکھتا ہے، کیا تو پسند نہیں کرتا کہ محمدؐ تیری جگہ ہوتا اور تو اپنے گھر میں چین کرتا؟" لیکن مرتا ہوا آدمی جواب دیتا ہے۔ "خدا گواہ ہے اگر محمدؐ کے پاؤں میں کانٹا بھی چبھ جائے تو اس وقت میں اپنی بیوی اور بچوں اور سارے ساز و سامان کے ساتھ گھر میں رہنا پسند نہ کروں گا۔" اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ آپؐ کے پیروؤں کو آپؐ سے کتنی محبت تھی۔

ایک لڑائی کے بعد، جو ان ابتدائی لڑائیوں میں سے تھی جس میں آپ کی فوجیں کامیاب ہوئی تھیں، اور مالِ غنیمت ہاتھ آیا تھا، ایک ایسا واقعہ رونما ہوا جس سے زیادہ اور کوئی چیز دلگداز نہیں ہو سکتی۔ حضرتؐ نے مالِ غنیمت کی تقسیم کی تھی اور ان لوگوں کو جو آپؐ سے سب سے زیادہ قریب تھے اور جنہوں نے سب سے زیادہ مدت تک اور نہایت اچھے طریقے سے آپ کی مدد کی تھی اس تقسیم میں کچھ حصہ نہیں ملا وہ بہت ناراض ہوئے اور چپکے چپکے بڑبڑانا شروع کیا مگر اس پر آپؐ نے انہیں اپنے پاس بلایا اور فرمایا:

"مجھے اس بحث کا حال معلوم ہو گیا ہے جو تم لوگ آپس میں کر رہے تھے۔ جب میں تم لوگوں میں آیا تھا، اس وقت تم تاریکی میں بھٹک رہے تھے اور خدا نے تمہیں سیدھا راستہ دکھایا، تم تکلیف میں تھے اور اس نے تمہیں مسرور کیا، تم آپس میں برسرِ جنگ رہتے تھے اور پھر اس نے تمہارے دلوں کو اخوت اور برادرانہ محبت سے بھر دیا اور فتح عنایت فرمائی مجھے بتاؤ کہ کیا یہ واقعہ ہے یا نہیں؟" جواب ملا کہ ایسا ہی ہے جیسا کہ آپ کہتے ہیں اور ساری اچھائی خدا اور اس کے رسولؐ ہی کو زیبا ہے۔ پیغمبر نے اپنی تقریر کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا: "خدا کی قسم، تم جواب میں یوں کہہ سکتے تھے اور تمہارا جواب صحیح ہوتا کیونکہ میں خود اس کی شہادت دیتا کہ تو ہمارے پاس ایسی حالت میں آیا تھا کہ لوگ تیری باتوں کو جھوٹ سمجھ کر رد کر رہے تھے اور ہم تجھ پر ایمان لائے، تو ہمارے پاس بیکس و بے یار و پناہ گزیں کی حیثیت سے آیا تھا اور ہم نے تیری مدد کی، مفلس اور گھر سے نکالا ہوا اور ہم نے تجھے رہنے کو جگہ دی، پریشان، اور ہم نے تجھے تسلی دی، اس زندگی کی چیزوں کی وجہ سے تم کیوں کڑھتے ہو؟ کیا تم اس بات سے مطمئن نہیں ہو کہ دوسرے لوگ تو ریوڑ اور اونٹ لے جائیں اور تم اپنے گھروں کو اس طرح سے لوٹو کہ میں بھی تمہارے ساتھ ہوں؟"

اور تاریخ میں درج ہے کہ جب یہ الفاظ آپؐ کی زبان سے نکل رہے تھے، "اس وقت آنسوؤں سے ان کی داڑھیاں بھیگ گئی تھیں،" اور انہوں نے بالاتفاق کہا، "ہاں! اے خدا کے رسولؐ! ہم اپنے حصہ سے مطمئن ہیں۔"

آپؐ سے اس قدر محبت کی جاتی تھی۔ مگر کیوں؟ اس لئے کہ

---

(۱) ان نابینا کا نام تھا ابن ام مکتوم (عبداللہ بن شریح)۔ جس وقت کا یہ واقعہ ہے اس وقت جناب رسولؐ خدا عتبہ بن ابی ربیعہ، ابوجہل بن ہشام اور عباس بن مطلب سے اسلام کے متعلق بڑی توجہ سے باتوں میں مصروف تھے۔ (مترجم)

آپؐ ان لوگوں کے لئے جو جہل اور تاریکی میں تھے، روشنی لیکر آئے تھے۔ آپؐ کے متبعین کی شہادت کردہ کیا تھے اور رسولؐ کی تعلیمات کی بدولت کیا سے کیا بن گئے تاریخ اس پر شاہد ہے اور ہم سمجھ سکتے ہیں کہ بہ حیثیت رسولؐ کے وہ آپؐ کی نسبت کیا رائے رکھتے تھے جبکہ ان پر نورِ الٰہی جلوہ گر ہوا اس تعلیم کی وجہ سے تھی جو آپؐ نے دی۔ انہوں نے ایک معروضہ کی شکل میں جو آج بھی محفوظ ہے، حسب ذیل باتیں بیان کیں:

"ہم بتوں کی پرستش کرتے تھے۔

ہم ناپاک زندگی بسر کرتے تھے۔

ہم مردے کھاتے تھے۔

ہم گالیاں بکا کرتے تھے۔

ہم انسانیت کے ہر جذبہ کو ٹھکرا دیا کرتے تھے اور مہمان نوازی اور ہمسائگی کے حقوق سے غفلت برتتے تھے۔

ہم طاقت کے قانون کے سوا کسی اور قانون سے واقف نہ تھے۔

اتنے میں خدا نے ہم میں ایک شخص کو پیدا کیا جس کے حسب نسب سچائی، دینداری اور پاکیزہ زندگی سے ہم واقف تھے اور اس نے ہمیں خدا کی وحدانیت کی طرف دعوت دی۔ اور ہمیں سکھایا کہ ہم اس کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کیا کریں۔

اس نے ہمیں بتوں کی پرستش سے روکا اور سچ بولنے، امانتوں میں خیانت نہ کرنے، رحم کرنے اور اپنے ہمسایوں کے حقوق کا خیال رکھنے کا حکم دیا۔

اُسؐ نے عورتوں کی برائی کرنے سے یا یتیموں کا مال کھا جانے سے ہمیں روکا۔

اُسؐ نے ہمیں بدکاریوں سے دور رہنے کا حکم دیا۔

اور برائی سے بچنے، نمازیں پڑھنے، زکوٰۃ دینے اور روزہ رکھنے کی تلقین کی۔ ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں، ہم نے اس کی تعلیمات کو قبول کر لیا ہے۔"

بیعت عقبہ:

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ آپؐ کے ساتھ چند صحابہ تھے جن سے آپؐ نے بیعت کی جو بیعتِ عقبہ کے نام سے مشہور ہے اس بیعت کے بارے میں یاد رکھئے کہ آپ کسی ایسے دور دراز زمانہ سے بحث نہیں کر رہے ہیں جبکہ کوئی مؤرخ بھی موجود نہ تھا، بلکہ آپ ساتویں صدی عیسوی سے بحث کر رہے ہیں جبکہ واقعات باقاعدہ قلمبند کئے جاتے تھے۔ ذرا اس بیعت کو دیکھئے جو رسولؐ خدا نے اپنے متبعین سے لی تھی:

"ہم خدا کے ساتھ کسی اور کو شریک نہیں کریں گے، ہم چوری نہیں کریں گے، کسی شادی شدہ عورت کے ساتھ یا کتخدا لڑکی کے ساتھ زنا نہیں کریں گے، ہم اپنے بچوں کو قتل نہیں کریں گے، ہم فحش کلامی اور گالی گلوچ سے احتراز کریں گے، ہم ہر امرِ حق میں رسولؐ خدا کا کہنا مانیں گے، ہم اچھے اور برے وقتوں میں اس کا ساتھ دیں گے۔"

یہ وہ بیعت ہے جس کے الفاظ ہی سے ان لوگوں کی حالت اچھی طرح سے عیاں ہو جاتی ہے جنہیں آپؐ نے سربلند اور سرفراز کیا۔ ذرا اس کا اندازہ ان چیزوں سے کیجئے جن سے بچنے کا انہوں نے وعدہ کیا ہے۔ انسانی قربانی عام طور پر ہوتی تھی، بدکاری ان کی روزمرہ کی زندگی کا جزو بنی ہوئی تھی۔ یہ تھی وہ بیعت جو آپؐ نے ان سے لی، یہ تھا وہ وعدہ جو آپؐ نے اپنے متبعین سے لیا۔ دیکھئے کہ آپؐ کی اخلاقی تعلیمات زمانہ کی ضروریات سے کس قدر دانشمندانہ مناسبت رکھتی تھیں!

نیکی کا مفہوم:

جیسا کہ میں کہہ چکی ہوں، میں عورتوں کے مسئلہ کو کچھ دیر کے لئے اٹھا رکھتی ہوں، رواداری کے سوال پر بھی میں آگے چل کر بحث کروں گی لیکن میں آپ کو یہاں پر اتنا بتا دینا چاہتی ہوں کہ آپؐ نے اپنی قوم کے جاہل افراد میں ایک شریفانہ اخلاق کی مضبوط بنیاد قائم کر دی۔ نیکی کے مسئلہ پر آپؐ کی تعلیمات کو لیجئے اور دیکھئے کہ آپؐ نے اس کی کیا تعریف فرمائی ہے۔ نیکی سے کیا مراد ہے؟ ہر آدمی کہے گا کہ وہ نام ہے خیرات دینے کا، غریبوں کی روپے پیسے سے مدد کرنے کا، نہیں، بلکہ ہر اچھا کام نیکی میں داخل ہے:-

"تمہارا اپنے بھائی کے ساتھ ہنس کر بات کرنا نیکی ہے۔

اپنے ہم جنسوں کو نیک کام کرنے کی ہدایت کرنا نیکی ہے۔

گمراہ مسافر کو صحیح راستہ پر ڈال دینا نیکی ہے۔

اندھے کی اعانت کرنا نیکی ہے۔

راستہ سے پتھر اور کانٹے اور دوسری رکاوٹیں ہٹا دینا
نیکی ہے۔

پیاسے کو پانی دینا نیکی ہے۔"

کس قدر عملی، کس قدر سادہ، آپؐ کی تعلیم ہے اور کس قدر شاندار الفاظ میں ان فرائض کی تعریف کی گئی ہے جو ایک انسان کے دوسرے انسان پر واجب ہیں! نیکی کے متعلق قرآن کی تعلیم ہے:

"یہ نیکی نہیں کہ تم مشرق یا مغرب کی طرف منہ کرلو بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ اللہ پر اور روزِ آخرت پر اور فرشتوں پر اور خدا کی کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائیں اور مال باوجود عزیز رکھنے کے رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو دیں اور غلامی وغیرہ کی قید سے آزاد کرانے میں خرچ کریں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں اور جب عہد کرلیں تو اسکو پورا کریں اور سختی اور تکلیف میں اور معرکۂ کارزار کے وقت ثابت قدم رہیں۔" (سورۂ بقر رکوع ۲۲ آیت ۱۷۷)

علم کی فضیلت:

محمد (صلعم) جو خدا کے رسولؐ تھے، اس مفہوم میں پڑھے لکھے نہ تھے جو دنیا آج پڑھے لکھے سے مراد لیتی ہے۔ آپؐ اپنے آپ کو "امی" کے لقب سے یاد کرتے ہیں اور آپؐ کے پیرو القرآن کو ایک مستقل معجزہ خیال کرتے ہیں جس سے آپؐ کی نبوت کے دعوے کی تصدیق ہوتی ہے اس لئے کہ وہ نہایت ہی مکمل اور فصیح عربی میں ہے لیکن خود پڑھے لکھے نہ ہونے کے باوجود آپؐ علم کو ان چیزوں میں سب سے پہلا درجہ دیتے ہیں جن کی خواہش کی جاسکتی ہے۔ آپؐ ارشاد فرماتے ہیں:

"علم حاصل کرو اس لئے کہ جو شخص اسے حاصل کرتا ہے وہ خدا کی راہ میں نیکی کا کام کرتا ہے۔ جو علم کا ذکر کرتا ہے وہ خدا کی تعریف کرتا ہے۔

جو اس کے لئے سعی کرتا ہے وہ خدا کی پرستش کرتا ہے۔

جو دوسروں تک اسے پہنچاتا ہے وہ گویا زکوٰۃ دیتا ہے۔

اور جو اس کی اہلیت رکھنے والوں تک پہنچاتا ہے گویا خدا کی عبادت کرتا ہے۔

علم سے حلال اور حرام میں تمیز کرنی آتی ہے۔

وہ صحرا میں ہمارا رفیق ہے۔

خلوت میں ہمارے لئے جلوت کا سامان پیدا کرتا ہے۔

وہ اس وقت ہمارا رفیق ثابت ہوتا ہے جب ہم دوستوں کی رفاقت سے محروم ہوجاتے ہیں۔

وہ مسرت کی طرف ہماری رہنمائی کرتا ہے۔

وہ مصیبت و ابتلا میں ہماری ڈھارس بندھاتا ہے۔

وہ ہمارے دشمنوں کے خلاف سپر کا کام دیتا ہے۔

علم کے ذریعہ خدا کا بندہ نیکی کی بلندیوں اور اعلیٰ مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے۔

اس دنیا میں بادشاہوں کا ہم جلیس بنتا ہے۔

اور آخرت میں ابدی مسرت حاصل کرتا ہے۔"

اس طرح سے پیغمبرؐ جس کے لئے اتنے آدمیوں نے اپنی عزیز جانیں قربان کردیں، قدروں کا باہمی منصفانہ اندازہ کرنے کے بعد اعلان کرتا ہے:

"عالم کی سیاہی شہید کے خون سے زیادہ قیمتی ہے۔"

یہ فقرہ اس قابل ہے کہ اسے ہر اس درسگاہ کی دیوار پر جسے مسلمان قائم کریں، سونے کے روشن حروف میں تحریر کیا جائے۔

رسولؐ کے چہیتے داماد حضرت علیؓ نے بھی علم کی نہایت ارفع تعریف کی ہے۔ فرماتے ہیں:

"علم کا جوہر دل کی صفائی ہے، سچائی اس کا سب سے بڑا منتہائے خیال ہے، الہام اس کا رہنما ہے، عقل اسے قبول کرتی ہے، خدا اس کا ملہم ہے اور انسانی الفاظ اسے ادا کرتے ہیں۔"

عورت کا درجہ:

آئیے، اب ہم عورتوں کے متعلق اسلام کی تعلیمات پر غور کریں۔ مغرب میں اسلام پر جو عام طور سے اعتراضات وارد کئے جاتے ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ عورتیں اپنے اندر روح نہیں رکھتیں۔ یقیناً یہ صریح جھوٹ ہے۔ القرآن کا ارشاد ہے:

"جو شخص برے عمل کرے گا اسے اسی کا بدلہ دیا جائے گا اور وہ خدا کے سوا نہ کسی کو حمایتی پائے گا نہ مددگار۔ اور جو نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور وہ صاحبِ ایمان بھی ہو تو ایسے

لوگ بہشت میں داخل ہوں گے اور ان کے ساتھ تل برابر بھی ظلم نہ ہوگا۔"
(سورۂ نساء رکوع ۱۸ آیت ۱۲۴۔)

"تحقیق مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مومن مرد اور مومن
عورتیں اور فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں اور راستباز مرد اور
راستباز عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں
اور فروتنی کرنے والے مرد اور فروتنی کرنے والی عورتیں اور خیرات
کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزہ دار مرد اور
روزہ دار عورتیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد
اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور خدا کو کثرت سے یاد کرنے والے
مرد اور کثرت سے یاد کرنے والی عورتیں کچھ شک نہیں کہ ان کے لئے
خدا نے بخشش اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔" (سورۂ احزاب رکوع ۵
آیت ۳۵)

ان آیات سے صاف ظاہر و ثابت ہے کہ اسلام نے مرد و زن میں
کس طرح مساوات قائم کی اور انہیں کیا درجہ عطا کیا۔

"رسول عربی (نپولین) بقیہ صفحہ ۱۸۶"

غلاموں کے ساتھ جو سلوک تھا وہ بھی ملازموں سے بھی بدتر تھا۔
وہ مرتبۂ حیات کے بالکل نچلے زینہ پر کھڑے تھے۔ وہ اپنے غلام آزاد
بھی کر دیا کرتے تھے۔ مگر کیا انہیں آزادوں کی برابری میسر آئی۔۔؟
الغرض مشرق اور مغرب میں یہ فرق بڑا بیّن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ مصر
کو سمجھانا مشکل ہو جاتا ہے کہ فوج ساری کی ساری سلطان الکبیر کے
غلاموں پر مشتمل نہیں ہے۔ (مسلمانوں کا معاشرہ ایسا ہے کہ) یہاں باپ
ایک مجسٹریٹ بھی ہے۔ پہلا مجسٹریٹ وہی ہوتا ہے۔ اسے اپنی بیویوں
اور اولادوں اور غلاموں پر کُلی اختیار حاصل ہوتا ہے۔ کسی کنبے کے
اندرونی معاملات کیا ہیں ان میں کسی انتظامیہ نے دخل نہیں دیا اور نہ
باپ کے اقتدار پر ہاتھ ڈالا۔ کنبہ کے سربراہ، باپ، کی جتنی بھی بیویاں
ہوں سب کا احترام یکساں ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ خانہ جنگیوں میں
بھی یہی صورت رہتی ہے۔

میری توقع ہے کہ وہ دن دور نہیں جب میں دنیا کے صاحبان
علم و دانش کو متحد کرکے ایک ایسا دور قائم کر دوں گا جو یکرنگ و
ہم آہنگ ہو اور اصول قرآن اس کی بنیاد ہو ۔۔۔ کیونکہ میں دیکھتا
ہوں کہ قرآن ہی کے اصول سچے ہیں۔ اور انسان کو طمانیت کی منزل
تک اپنے ساتھ لے جا سکتے ہیں۔ (ملخص)

("بونا پارٹ اور اسلام" از "شیفلز" (پیرس، فرانس)
(صفحات (۱۰۵ تا ۱۲۵) ۱۹۱۴ء)

"سیاہ چٹان، سنہرے پھول" بقیہ صفحہ ۱۷۱

غلط تقسیم ختم ہو گئی ہے۔ وہ دور گزر گیا ہے جب ابیض صرف اسود
کی محنت کے پھل پر جیتا تھا۔ کوئی گونج ان کے دلوں میں پیدا ہوئی
جو آنے والے وقت کی گونج تھی۔ کبھی تصور انہیں ایسا دکھاتا
جیسے وادی کے اس تناور درخت کو ابیض و اسود مل کر
سینچ رہے ہیں اور کسی اسود کی پیٹھ کبھی ابیض کا کوڑا نہیں
پڑ رہا ہے۔ پھر کسی نے کہا ایسا وقت آنے والا ہے جب یہ
نور دور دور پھیل جائے گا۔ لوگ اگر ابیض و اسود کی انگلیوں
کو کاٹ کر دیکھیں گے تو ان کے قطرات خون میں ذرہ بھر فرق
نہ ہوگا۔ اگر کوئی کسی گورے بچے کو اپنی گود میں لے کر پیار کرے
گا تو دیکھے گا کہ اس کی آنکھوں میں لرزنے والے آنسو بھی نمکین
ہیں جیسے اس سیاہ بچے کے۔ تو لوگ جان لیں گے کہ وہ کیسے بھٹکے
ہوئے تھے۔ انہیں ایک ہی بنایا گیا ہے ان میں کوئی بھی تو فرق
نہیں۔ جب ایسا وقت آئے گا تو آنکھوں میں محبت اور شفقت
کی کرنیں پیدا ہو جائیں گی۔ اس وقت کالوں کی زنجیریں ٹوٹ
جائیں گی اور وادی کے سفید باشندے بھی ان کے ساتھ مل کر
خوشیاں منائیں گے۔ بوڑھا درخت ان کے سیاہ و سفید پسینے
سے، ان کی محنت کے پسینے سے سیراب ہوگا۔ وہ درخت پھر کونپلوں
سے لد جائے گا اور اس کی گھنی ملن شاخیں پھول برسانے لگیں
گی اور یہ کروڑوں سال پرانی وادی شاداب ہو جائے گی جس
میں ایسے برگ و بار پیدا ہوں گے جو حقیقت میں نہ سفید ہی
ہوں گے نہ کالے بلکہ سنہری سنہری ہوں گے جیسے بوڑھے سردار
کی زلفیں۔ جیسے پرانے درخت کے نارنجی پھول!

"مکمل زندگی، مکمل نمونہ" بقیہ ص ۶۱

طیبہ کو اللہ تعالیٰ نے مکمل اور بہترین نمونۂ حیات بنایا ہے، اس لئے
صرف وہی ہمت کے ساتھ ساری دنیا کے سامنے اپنی سیرت و کردار کو
بطور دلیل صداقت پیش کر سکتے تھے، اور دوسرا کوئی شخص ایسی جرأت
نہیں کر سکتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تریسٹھ سالہ حیات میں سے
نبوت کے تیئیس سال عموماً اور آخری دس سال خصوصاً بہت مشغول
گذرے اور وہ حوادث و واقعات سے پُر ہیں۔ یہ بے انتہا متنوع زندگی
ہے، اس کو بڑی کتابوں میں دیکھئے اور ایک ایک واقعہ پر غور کیجئے،
ہر مرحلہ پر آپ اپنے کو حیرت و استعجاب میں پائیں گے، اور دیکھیں گے کہ:

حُسنِ یوسف، دمِ عیسیٰ، یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

مختصر یہ ہے کہ آپ زندگی کے کسی دور میں ہوں، اور آپ کو
جس کسی مرحلہ میں صحیح اور بہترین عملی نمونۂ حیات کی ضرورت محسوس ہو آپ
پیغمبر اسلام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ
کو اپنے لئے بہترین رہنما اور کامل ترین معلم پائیں گے۔ اگر بچوں کے باپ ہیں
تو زینبؓ، رقیہؓ، کلثومؓ اور فاطمہؓ کے مقدس باپ کو دیکھئے، اگر آپ شوہر
ہیں تو خدیجہؓ اور عائشہؓ کے فرض شناس اور محبت بھرے پاک شوہر کو
دیکھئے اور اگر آپ خود کسی قوم کے سردار اور سربراہِ حکومت ہیں تو مدینہ
منورہ کے پاک سربراہِ حکومت پر نظر ڈالئے، اگر آپ فوجوں کے کمانڈر
ہیں تو بدر و خیبر کے کمانڈر کو دیکھئے، اگر آپ فاتح ہیں تو مکہ کے فاتح کو
دیکھئے اور کہیں شکست ہو جائے تو جنگ احد کے سردار مدینہ کو دیکھئے،
اگر آپ کو منصف اور جج کے فرائض انجام دینے پڑیں تو مسجد نبوی میں
عدالت پروری کے نمونے دیکھئے، اگر آپ پر افلاس و فاقہ کشی کا
دور آجائے تو غزوۂ خندق اور جیش العسرۃ کے حالات پر غور کیجئے
اور اگر آپ کے پاس دولت آجائے تو مسجد نبوی میں بیٹھ کر رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سنہرے سکوں کے ڈھیر پر نظر ڈالئے۔ اگر آپ
بادشاہوں سے کسی معاملہ پر خط و کتابت کریں تو صلح حدیبیہ کے بعد
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو دیکھئے، اور اگر آپ مختلف
طبقات کے وفود سے اہم ترین مسائل اجتماعی میں گفتگو کرنے والے
ہوں تو ۹ھ یعنی عام الوفود میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھئے
اور اپنے لئے راہِ ہدایت حاصل کیجئے۔

غرض یہ کہ آپ کو جس مرحلۂ زندگی میں اور جس وقت ضرورت
پڑے مشکوٰۃ نبوت سے نور ہدایت حاصل کیجئے، یہی اک وہ زندگی ہے
جو سرچشمۂ ہدایت ہے، اور مکمل ہدایت صرف یہیں سے حاصل
کی جا سکتی ہے۔

اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لِاتِّبَاعِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ

"حبِّ رسول" بقیہ ص ۱۳۸

شاذ ملتی ہے:

لو کی آہندے لنّا[1] بھیڑا لو کنّے دے ماندے
جیکر لنّا بھیڑا ہنداتاں دینھوں لنّے کیوں لہندے[2]
جیکر لنّا بھیڑا ہندا دریا لنّے کیوں نہ وہندے
لکھ دنیا توں ساکوں[3] لنّا چنگا ساڈے یار جو لنّے رہندے

غرض پورا پنجابی ادب عقیدت و ارادت کی تصویر ہے اور
حضور انور کی سیرت، اسوۂ حسنہ، اور پیغام کی تشریح جیسے مقامی
رنگ اور زور بیان و خلوص قلب نے ادبی آب و تاب بخشی ہے۔

•

اس موقع پر پنجابی کے تمام دینی ادب
یا اس کے نعتیہ کلام کا احاطہ تو نہیں کیا جا سکا لیکن اس مختصر
مضمون میں ہماری اس اہم علاقائی زبان کے وہ شہ پارے
ضرور جمع کر دئے گئے ہیں جو اپنی جگہ قبول عام اور انفرادی اہمیت
کے باعث سب سے زیادہ توجہ طلب ہیں اور اس قابل ہیں کہ
انہیں محفوظ کر دیا جائے۔

---

[1] یعنی مغرب۔ مراد عرب۔
[2] غروب ہونا
[3] ہمیں۔ اساں (پنجابی)

شارعِ انسانیت : بقیہ صفحہ ۱۶۱

ایک ایک عمل کا جواب دینا ہے۔ دین و دنیا دونوں ایک دوسرے سے الگ نہیں ہیں کہ ایک کے لئے دوسرے کو ترک کرنا پڑے۔

قرآن مجید شروع سے آخر تک ایک خطاب ہے، ساری انسانیت سے، اور رسول اکرمؐ کی سیرت سرتاپا شرح ہے اُس خطاب کی۔ تفسیر ہے، تفصیل ہے اور ایک زندۂ جاوید عملی نمونہ۔

ہزاروں سال کی تاریخ تہذیب و تمدن شاہد ہے کہ اس کرۂ ارض پر انسان نے اپنی سلامتی کے لئے تنظیم انسانی کے تمام نسخے استعمال کرلئے نسل، وطن رنگ اور زبان کی بنیاد پر بھی اور نظام قبائلی اور تہذیب ملوکی کی اساس پر بھی، ایک سے ایک نظام قائم ہوا۔ لیکن عملی دنیا میں وہ سب کے سب ناقص و بے فیض بلکہ مہلک ثابت ہوئے۔ حضور اکرمؐ نے انسانیت کی دستگیری جب کی ہے اور نسخۂ کیمیا اس کے سپرد کیا ہے تو اُس وقت دنیا کی سب سے بڑی اور نامور شہنشاہیاں (روما اور فارس) ایک دوسرے سے بری طرح دست و گریباں تھیں اور خون کی ندیاں بہہ رہی تھیں، شخصی و اجتماعی، اخلاقی و معاشی، سیاسی و تمدنی زندگی پراگندہ تھی، اور اقدار حیات مٹ رہی تھیں، حضور اکرمؐ نے تطہیر فکر و نگاہ کی، اور بحیثیت رسول، بحیثیت مصلح، بحیثیت معلم اخلاق، بحیثیت مقنن، بحیثیت ماہر سیاست و معیشت، بحیثیت قائد و سپہ سالار، بحیثیت فاتح و بانیٔ مملکت اور بحیثیت انسان کامل جن اہم امور کی خاص تعلیم دی اور تربیت کی، اور جو بنیادی اصول مستحکم فرمائے ان میں سے چند اولیات پر ایک سرسری نگاہ ڈالئے۔

تمام انسان خدا کے بندے ہیں اور مساوی ہیں۔
(اور معاشرے کے یکساں ذمہ دار رکن ہیں)۔
—— اٹھارہویں صدی سے پہلے اس کا وجود کہاں تھا؟

تمام عورت مرد برابر ہیں اور حقوق و واجبات کے یکساں حامل
—— حقیقی معنوں میں آج بھی کہاں ہے؟

عورت بھی انسان ہے اور اس کی بھی ایک مستقل ہستی ہے۔
—— کب تسلیم کیا گیا اور کس حد تک؟

تمام عورت مرد پیدائشی آزاد ہیں۔
—— اٹھارہویں صدی سے پہلے کہاں تھا؟

تمام عورتوں اور مردوں پر یکساں طلب علم فرض ہے۔
—— مسلمانوں سے پہلے کہاں کہاں تھا؟

تمام عورتوں اور مردوں کو ملکیت و جائداد رکھنے اور اپنی روزی کمانے کے یکساں حقوق حاصل ہیں،
—— کب تسلیم کیا گیا اور کتنے نقائص کے ساتھ؟

نکاح ایک معاہدہ ہے جس کے وجود میں آنے کے لئے طرفین کی رضامندی ضروری ہے۔
طلاق اور خلع، فسخ نکاح کے اختیارات ہیں۔
—— مسلمانوں سے پہلے کہاں تھا اور اس کے بعد بھی کس حد تک اسے تسلیم کیا گیا؟

تمام انسانوں کو اختیار عقیدہ کی آزادی حاصل ہے۔
—— اٹھارہویں صدی سے پہلے کب تسلیم کیا گیا تھا؟
تمام انسانوں کو حریت فکر کی آزادی حاصل ہے۔
تمام انسانوں کو حریت اظہار کی آزادی حاصل ہے۔
—— اٹھارہویں صدی تک کہاں تھی؟
—— ایضاً

حکومت ایک معاہدہ ہے جس کے وجود میں آنے کے لئے باہمی رضامندی ضروری ہے۔
حکومت کی بنیاد شوریٰ پر ہے، (جس میں فیصلہ اکثریت سے ہوگا اور اقلیت کو فیصلے کا مذاق اڑانے کا حق نہیں)
—— دنیا کے کس نظام میں تھا؟

حاکم کے اختیارات آئین قرآنی کے ذریعے محدود ہیں۔
—— دنیا کے کس نظام میں تھا؟

حاکم جواب دہ ہے خدا کے سامنے بھی اور امت کے سامنے بھی۔
—— خدا کے سامنے جواب دہ ہونے کا تصور تو آج بھی ناپید ہے۔

حاکم (خلیفہ) خلیفۂ رسولؐ ہے اور امت خلیفۃ اللہ۔
—— یہ اسلام سے پہلے کس نظام میں تھا؟

امت اپنے حاکم کو معزول کرنے کا حق رکھتی ہے۔
امت کو معصیت میں حاکم کی اطاعت سے انکار کا حق حاصل ہے۔
حکومت کسی فرد یا خاندان کی ملک نہیں ہے۔
خزانۂ عامرہ حاکم و خلیفہ کی ملک نہیں امت کی ملک ہے۔
قانون خلیفہ و حاکم سمیت ساری امت سے بالا ہے۔
عدلیہ بالکلیہ آزاد اور سب سے برتر ہے۔
قومیت کی اساس صرف ایمان و عقیدہ ہے۔
مالداروں کے اموال پر محتاجوں اور محروموں کا حق ہے۔
غلاموں کو آزاد کرانا حکومت کا فریضہ ہے۔ (اخراجات

جہاد کی طرح استیصال غلامی (فک رقبہ) کے اخراجات
بھی حکومت کے واضح کردہ آٹھ مصارف میں سے ایک اہم مد ہے)۔

— یہ سب باتیں دنیا کے دوسرے نظاموں میں اسلام سے پہلے کہاں تھیں؟

اور یہ سب کچھ حضور اکرمؐ نے نو سال کی مدت میں انجام دیا۔ اور ایک دنیا بدل کے رکھ دی، تقریباً دس لاکھ مربع میل پر پھیلی ہوئی پراگندگی، بداندیشی، جاہلیت اور قتل و غارت کا خاتمہ کیا اور صرف چار سو کے قریب جانیں غزوات میں گئیں۔ ایک لاکھ سے زیادہ آدمیوں کی تربیت کی، اور وفات کے وقت کوئی سوا آٹھ لاکھ آدمی ایسے خدا پرست اور اس قدر منظم و حوصلہ مند چھوڑے کہ ان سے جب قیصر و کسریٰ کی شہنشاہیوں نے ٹکر لینے کی کوشش کی تو دونوں شہنشاہیاں پاش پاش ہو کر رہ گئیں۔

دنیا میں اتنی جامع، اتنی کامیاب اور اتنی واضح اور تاریخی سیرت کوئی موجود نہیں۔ رسول اکرمؐ کا پیغام ساری انسانیت کے لئے ہے یہ کوئی نسلی، لونی یا خطہ واری تنظیم نہیں ہے۔ جیسا کہ مستشرقین بالعموم اپنی کتابوں میں یہ تاثر پیدا کرتے رہتے ہیں۔ وہ کبھی تحسین کا لب و لہجہ اختیار کرتے ہیں کبھی تقابلی مطالعے کا۔ مگر ان کی تحسین اور تقابلی مطالعہ دونوں کی حیثیت ایک مغالطہ سے زیادہ کچھ نہیں۔ — دوسری شخصیت کوئی اور ہے کہاں کہ تقابلی مطالعہ کیا جا سکے؟ ٭

انسانیت کا نجات دہندہ

میں نے جب بھی محمد (صلعم) کے مذہب پر غور کیا ہے اسے بڑی قدر و منزلت سے دیکھا ہے کیونکہ اس دین میں بڑی حیرت انگیز زندگی ہے۔ میرے نزدیک محمدؐ کا دین ہی ایک ایسا دین ہے جس میں ہر زمانہ کی ضرورتوں کو پورا کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔ بلاشبہ دنیا کو چاہئے کہ میرے جیسے بڑے آدمیوں کی پیشنگوئیوں کی پوری طرح قدر و منزلت کرے اور میری پیشینگوئی دین محمدی کی بابت یہ ہے کہ امروز و فردا میں یورپ اس کو قبول کر لے گا۔

میں نے اس حیرت انگیز عظیم انسان کی زندگی کا مطالعہ کیا ہے اور یہ رائے رکھتا ہوں کہ وہ نہ حضرت عیسیٰؑ کے مخالف ہیں نہ عیسائیت کے، بلکہ انہیں تو کل انسانیت کا نجات دہندہ سمجھنا چاہئے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر محمدؐ جیسا آدمی موجودہ دنیا کا ڈکٹیٹر بن جائے تو اسے موجودہ دنیا کی ان تمام الجھنوں کو سلجھا دینے میں ایسی کامیابی ہو گی کہ دنیا کو وہ مسرت و امن و راحت جس کی اسے آج اس قدر ضرورت ہے، میسر آ جائے گی۔

گو دورِ حاضرہ کا یورپ بڑی زبردست ترقی کر گیا ہے مگر انیسویں صدی میں تو یورپ کی اتنی ترقی نہ ہوئی تھی اس وقت بھی یورپ میں کارلائل، گوئٹے اور گبن جیسے دیانت دار مفکرین موجود تھے جنہوں نے محمدؐ کے دین کی حقیقی قدر پہچانی اس لئے اُن کے زمانے ہی اسلام کے ساتھ یورپ کا رویّہ بدلنا شروع ہو گیا تھا، یہ ایک خوش آیند تبدیلی تھی۔ پھر یہ صدی آئی تو یورپ میں دین محمدیؐ کے ساتھ اور بھی قُرب و انس پیدا ہونا شروع ہوا۔ بیسویں صدی تک یورپ کی اقوام کے قدم اس کی طرف زیادہ بڑھ جائیں گے۔ میرا مقصد یہ ہے کہ یورپ اپنی الجھنوں کو حل کرنے کے سلسلے میں محمدؐ کے دین کی افادیت کو اور زیادہ محسوس کرنے لگے گا۔

(جارج برنارڈ شا)

٭

مستحکم عمارتیں
پی۔آئی۔ڈی۔سی سیمنٹ سے ہی تیار ہوتی ہیں
ZEALPAK
زیل پاک
MAPLE LEAF
میپل لیف
مقبرہ قائداعظم
یہ اعلیٰ معیار کے سیمنٹ ہماری قومی اُمنگوں کو
حقیقت کا رُوپ دے رہے ہیں
زیل پاک سیمنٹ ہی کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اسے
قائداعظم کے مقبرہ کی تعمیر میں استعمال کے لئے
موزوں سمجھا گیا۔
بے مثال خوبیوں اور اعلیٰ معیار کی وجہ سے ہی
ہوٹل انٹرکانٹینینٹل اور نیشنل بینک
آف پاکستان کی عظیم تعمیرات
کے لئے زیل پاک سیمنٹ استعمال
کیا جا رہا ہے۔
یہی نہیں بلکہ کے۔ ڈی۔ اے کی
اسکیموں کے تحت بننے والی
عمارتوں میں بھی یہی سیمنٹ
استعمال ہو رہا ہے۔
میپل لیف سیمنٹ بھی یکساں
خوبیوں کا حامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ
فن تعمیر کے ماہروں اور انجینیروں نے
پشاور یونیورسٹی۔
یونیورسٹی کیمپس، لاہور
اور نئے دارالخلافہ اسلام آباد
کی تعمیر نیز واپڈا کے
دوسرے تعمیری منصوبوں
کے لئے
میپل لیف
سیمنٹ کا انتخاب
کیا ہے۔
مغربی پاکستان صنعتی ترقیاتی کارپوریشن
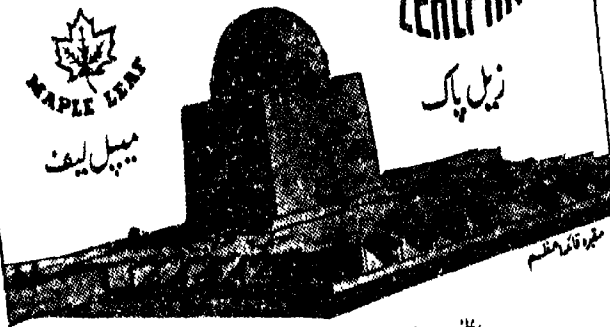
شیر و شکر: بقیہ صفحہ ۱۳۱

ہمارے نخلستان بھی انہیں کے پاس رہنے دیجئے۔ ان نخلستانوں کی وجہ سے مہاجرین نے زراعت میں بھی دلچسپی لینا شروع کر دی۔ اس طرح ان کے لئے ایک ذریعۂ معاش مہیا ہو گیا۔ فتح خیبر کے بعد مہاجرینؓ نے انصار کے وہ عطیات جو نخلستانوں کی صورت میں تھے واپس کر دیئے۔

مدینہ کی تقریباً ساری آبادی یہودی مہاجنوں کے سودی قرضہ میں دبی ہوئی تھی۔ مدینہ میں یہودی بھاری تعداد میں آباد تھے۔ یہ لوگ فلسطین میں رہتے تھے۔ رومیوں کے ہاتھوں جلا وطن ہونے کے بعد یہاں آ کر آباد ہو گئے تھے۔ ان یہودیوں نے پہلے آہستہ آہستہ مدینہ کی تجارت اور زراعت کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور پھر سودی کاروبار بھی شروع کر دیا۔ حضورؐ نے ان قرضوں کی ادائیگی کا یہ انتظام فرمایا کہ ان مہاجرین کو جو اپنے وسائل سے تھوڑا بہت سرمایہ جمع کر چکے تھے انصار کے ساتھ شریک کر دیا۔ مہاجرین نے یہ سرمایہ انصار کے قرض کی ادائیگی میں صرف کر دیا اور انصار سے پیدا وار لے کر اس سے تجارت کی۔ اس طرح انصار کا بوجھ ہلکا ہو گیا اور مہاجرینؓ کی تجارت میں فروغ ہوا۔

مکہ کے علاوہ دوسری جگہوں سے جو لوگ آئے تھے ان میں صنعت کار بھی تھے۔ رسول اللہ صلعم نے مہاجرین اور مہاجرات کو مختلف پیشے اختیار کرنے پر زور دیا جو اس وقت مدینہ میں مروج نہیں تھے۔ مثلاً سوزن کاری اور دوا سازی وغیرہ۔ اس قسم صنعتوں سے بھی کچھ معاشی مسئلہ حل ہو گیا۔ اس کے علاوہ مویشیوں کو پال کر بھی ذریعۂ معاش پیدا کیا گیا۔ مدینہ کے گرد جو زمینیں پڑی ہوئی تھیں ان سے چراگاہوں کا کام لے کر ریوڑ پالے جانے لگے۔ اس طرح بہت سے لوگوں کے لئے کام نکل آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے درمیان بالاشتراک تجارت، زراعت اور صنعت پر زور دیا تاکہ مہاجرین زیادہ سے زیادہ کام میں لگ جائیں اور ان آباد کار ہو جائے۔ غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن تدبر اور انصار و مہاجرین کی باہمی محبت سے بہت جلد مسئلہ مہاجرین حل ہو گیا اور مسلمانوں کی ملی ہیئت مستحکم ہو گئی:

مثنویٔ "راحت جاں": بقیہ صفحہ ۱۲۲

صحبت دنیا سے مجھ کوں دور رکھ
فیض سے اپنے مجھے معمور رکھ
غیر کی صحبت سے دے مجھ کوں نجات
تلخ ہے اس دکھ سے میرے پر حیات
جو مرے دل پر ہے محنت کیوں سہوں
سب تجھے ظاہر ہے یا رب کیا کہوں
کیا کمی تیرے یاں ہے اے پروردگار
کر منگوں ہیں دوسرے سوں ہت لیار
گرچہ ہوں جرم و گنہ میں مبتلا
لطف کر مجھ پر بہ حق مصطفےٰ
مصطفےٰ کے واسطے اے کارساز
مصطفےٰ کے واسطے اے بے نیاز

اس شفیع المذنبیں کے واسطے
رحمۃ للعالمیں کے واسطے
اس پناہ بے گماں کے واسطے
اس دوائے خستگاں کے واسطے
واسطے اس کے کہ جس کا لطف عام
عاصیاں کا زاد ہے روز قیام
کر کرم اور لطف سے اے کارساز
صحبت دنیا سے مجھ کوں بے نیاز
دل کو میرے کر تری انس نصیب
تن کو میرے قوت و صحت نصیب
ہور شہادت پر مرا انجام کر
ہو مدینے بیچ میرا کر مقر
راحت جاں یاں ہوا پورا تمام
از طفیل مصطفےٰ شاہ انام

"عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی"

(رسولِ خداؐ کا نصب العین)

جمیلہ عرفانی

آنحضرتؐ کا نصب العین کیا تھا؟

دراصل یہ سوال صرف آنحضرتؐ کی ذاتِ مبارک سے ہی مخصوص نہیں ہے بلکہ دُنیا کے ہر ہادی اور رہنما کی صداقت کا معیار اسی سوال کے جواب پر منحصر ہے۔ آئیے اس معیار پر ہم حضورِ انورؐ کی ذاتِ گرامی اور اسوۂ مبارک پر غور کریں اور اپنے سوال کا جواب حاصل کریں۔

دنیا میں جتنے بھی انبیاء گذرے ہیں، ان سب میں یہ فضیلت صرف ہمارے نبی کریمؐ ہی کو حاصل ہے کہ آپ کی سیرت اور سوانح کے تمام واقعات اور حالات بالکل محفوظ ہیں اور تاریخی اعتبار سے مستند۔ دوسرے پیغمبروں کے متعلق ہم صرف روایات پر بھروسہ کر سکتے ہیں اور ظاہر ہے کہ وہ اطمینان بخش ماخذ نہیں۔ ان پیشوایانِ دین کا نصب العین بھی دینِ حق کی اشاعت ہی تھا۔ لیکن رسولِ پاک کے متعلق ہم انتہائی یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ آپ کا نصب العین صرف دینِ حق کی اشاعت تھا۔

یہ کوئی اتفاقی امر نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا منشا بھی یہی تھا کہ اگر ہم کسی بھی مقدس ہستی کے حالات کی تفصیل میں جائیں تو تحقیق کا میدان تنگ ہو جاتا ہے۔ مگر نبی کریمؐ کو یہ برتری بھی دی گئی کہ آپؐ کی زندگی کا چھوٹے سے چھوٹا واقعہ بھی محفوظ چلا آتا ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی ذات کو لوگوں کے حملوں اور دشمنوں کی دستبرد سے بچائے رکھا، اسی طرح آپؐ کی پاک سیرت اور سوانح کو بھی دشمنوں کے عناد کی زد سے بچائے رکھا اور آپؐ کی زندگی کا کوئی واقعہ محو نہیں ہونے دیا اور ہوتا بھی کیونکر؟ جبکہ آپؐ اس دنیا میں ایک نمونہ بنا کر بھیجے گئے تھے، ایک اچھا نمونہ۔ آئیے اب اس سوال کو آپؐ کے واقعاتِ زندگی کی روشنی میں دیکھیں کہ فاران کی چوٹیوں سے نمودار ہونے والا وہ معلّم جس کی آمد دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ پیشینگوئیوں کے طور پر

بیان کی گئی تھی، دنیا اور اس کے لوازمات کا مشن اپنے سامنے رکھتا تھا یا آپؐ کی تمام و کمال مساعی کا محرک صرف خدا کا دین تھا؟ آپؐ کی زندگی میں دو زمانے آئے، ایک وہ وقت تھا کہ آپؐ بالکل تہی دست تھے، اور دنیا بھر کی دولت، خوشی اور عیش آپؐ کو صرف ایک بات سے میسر آ سکتے تھے کہ آپؐ اعلائے کلمۃ اللہ کو ترک کر دیں۔ ایک طالبِ دُنیا کے لئے یہ بات کچھ بھی مشکل نہیں تھی مگر آپؐ نے ایسے وقت میں بھی جب دنیا اپنی تمام دلکشیوں کے ساتھ آپؐ کے سامنے آئی اسے حقارت سے ٹھکرا دیا۔

دوسرا وقت آپ کی زندگی میں وہ آیا کہ وہی دنیا اور اس کی شان و شوکت آپؐ کی لونڈی بن کر قدموں میں آ چکی تھی مگر آپ نے اس وقت بھی اسے ٹھکرا دیا۔

غور کیجیے انسان کی زندگی میں ابتلا اور امتحان کے یہی دو وقت ہوتے ہیں۔ آپؐ کے سامنے بھی یہ دونوں آزمائشیں آئیں اور آپؐ نے دونوں حالتوں میں رضائے الٰہی اور تبلیغ و ہدایت کو مقدم سمجھا اور کسی بات سے متأثر نہیں ہوئے۔

پہلا وقت وہ تھا جب خدا تعالیٰ کی طرف سے بعثت کی بشارت پا کر آپؐ نے عرب کے مشرکوں کو لا الٰہ الا اللہ کی دعوت دی اور یہ دعوت کیا تھی؟ ایک باطل سوز بجلی تھی جس نے مشرکین عرب میں ایک آگ سی لگا دی۔ اعلانِ حق کے ساتھ ہی بت پرستی کی مذمت اور وہ بھی نہایت شدّت کے ساتھ اور غیرت دلانے والے الفاظ میں شروع کر دی۔ عرب آپؐ کی جان کے دشمن ہو گئے۔ چنانچہ ابتدائے اسلام میں غریب اور کمزور مسلمانوں پر جو مظالم ڈھائے گئے ان کی تفصیل تاریخ کے خونچکاں ابواب ہیں۔ آنحضرتؐ ان تمام تکالیف اور شدائد کو برداشت کرتے اور تبلیغ اسلام میں پہلے

سے زیادہ جوش اور ہمت سے کام لیتے۔ یہ ایام آپ کی زندگی اور بعثت کے نصب العین کی بلندی اور پاکیزگی کی مبرہن شہادت ہیں۔ اسی حالت میں ایک دور ایسا بھی آیا جب مخالفین اپنی تمام ناپاک کوششوں میں ناکام رہے اور انہیں یقین ہوگیا کہ تکالیف اور مظالم بھی ان کو اشاعتِ حق سے باز نہیں رکھ سکتے تو انہیں سوچنا پڑا کہ آخر وہ کیا اسباب ہوسکتے ہیں جو ایک نوجوان کو اس بت کدہ کی تخریب پر آمادہ کر رہے ہیں حالانکہ وہ بھی اسی خاندان کا ایک فرد ہے جو متولیانِ کعبہ کی حیثیت سے ذی وجاہت اور صاحبِ عزت ہے۔ مگر وہ لوگ دنیا کے پجاری تھے۔ ان کے دل پاک نہیں تھے اس لئے انہوں نے یہی نتیجہ نکالا کہ اس تمام ہنگامہ کا مقصد بھی صرف حصولِ دنیا ہی ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے آپؐ کی خدمت میں ایک وفد بھیجا جس میں ایسے لوگ بھی تھے جو اپنی جادو بیانی کے لئے مشہور تھے۔ چنانچہ انہوں نے آکر آپؐ سے کہا:

"اے محمدؐ! تم صاحبِ اوصاف اور عالی خاندان ہو۔ پھر کیا وجہ ہے کہ تم ہمارے خداؤں کو بُرا کہتے ہو اور ان کی پرستش کی وجہ سے ہمیں احمق بتاتے ہو۔ تم قوم میں تفرقہ ڈال رہے ہو اس سے تمہارا کیا مقصد ہے؟ کیا تم مکّہ کی بادشاہت چاہتے ہو یا کسی خوش جمال لڑکی سے شادی کے خواہاں ہو یا دولت کا لا محدود ذخیرہ چاہتے ہو؟ ہم یہ سب کچھ کرسکتے ہیں۔ ہم تمہیں اپنا سردار مان لیں گے اور تمہارے فرمانبردار رہیں گے لیکن تم اپنے اس مشن سے باز آجاؤ اور ہمارے معبودوں کو بُرا کہنا چھوڑ دو۔"

لیکن ان سب ترغیبات کے جواب میں رسولِ خدا نے جب جلالی شان کے ساتھ خدا کا کلام پڑھ کر سنایا، اور عظیم الشان مقصد کی کامیابی اور دشمنوں کے ناکام رہنے کی پیشینگوئیوں پر مشتمل آیات اللہ کی تلاوت فرمائی تو کفارِ مکّہ کے غصہ کی انتہا نہ رہی۔

جن تکالیف میں سے اس وقت آپ اور آپ کی جماعت گذر رہی تھی، وہ انسان کو ذلیل سے ذلیل شرائط پر صلح کر لینے پر مجبور کرسکتی ہیں، مگر مشرکین نے جب کامیابی کی کوئی صورت نہ دیکھی تو انہوں نے ترغیب سے کام لیا اور وہ اس میں بھی ناکام رہے۔ یہ غور و فکر کا مقام ہے کہ ایک ایسا شخص جو بالکل مفلس تھا اور دنیا بھر کی نعمتیں اسے پیش کی جارہی تھیں مگر اس نے لینے سے انکار کردیا۔ اس کے پاس مال و دولت، طاقت و حکمرانی کچھ بھی تو نہیں تھا تو پھر وہ کونسی چیز تھی جو آپ قریش مکّہ کے خلاف استعمال کرسکتے تھے جس سے بچنے کے لئے عمائدینِ مکّہ کو اس قسم کی حیلہ سازیوں سے کام لینا پڑا۔ یہی وہ مقام ہے جس سے آنحضرتؐ کے کردار کی رفعت اور عظیم مقصد کا اظہار ہوتا ہے کہ وہ شخص جو انتہائی مصائب کا نشانہ بنایا گیا ہے وہ صرف ایک لفظ "نہیں" کہہ دینے سے ان مصائب سے اپنے آپ کو اور اپنی جماعت کو نجات دلا سکتا ہے۔ مگر وہ اس دعوت کو ترک نہیں کرتا۔ وہ ان جاں سوز مظالم اور تکالیف میں سے گذرنا پسند کرتا ہے۔ مگر ان کی بات نہیں مانتا۔ دنیا اپنی تمام دلفریبیوں کے ساتھ اس کے سامنے لائی جاتی ہے، مگر وہ دینِ حق کی اشاعت کو دنیا کے بدلہ میں ترک نہیں کرتا۔ اگر اس کا نصب العین حکومت، دولت اور عیش و عشرت ہوتا تو وہ ایک فاتحانہ شان سے قریش کی درخواست قبول کرلیتا۔ مگر آپ نے جو جواب قریش کے سردار کو دیا وہ مذاہب کی تاریخ میں ایک یادگار واقعہ ہے۔ لیکن ابھی اس واقعہ کی ایک کڑی باقی ہے۔ آپ کے اس جواب سے ظاہر ہے کہ عمائدینِ قریش کس قدر برافروختہ ہوئے ہوں گے۔ چنانچہ وہ آخری فیصلہ کے لئے آپؐ کے چچا حضرت ابوطالب کے پاس آئے۔ اور کہا کہ وہ یا تو محمدؐ کا ساتھ چھوڑ دیں یا انہیں سمجھائیں، ورنہ جنگ کے لئے تیار ہوجائیں۔ حضرت ابوطالب نے اس سلسلے میں حضورؐ سے بات کی اور جو جواب آیا وہ یہ تھا کہ:

"اے چچا! اگر سورج میرے ایک ہاتھ میں اور چاند دوسرے ہاتھ میں بھی دے دئیے جائیں تب بھی میں اسے منظور نہیں کرسکتا۔"

اس واقعہ پر دن، مہینے اور سال گزرتے گئے، آنحضرتؐ تیرہ برس تک تکالیف اٹھاتے رہے بالآخر مدینہ ہجرت کرگئے۔ اور وہاں جاتے ہی حکومت آپ کے قدموں پر نثار ہوتی ہے۔ دُنیا کے مال و زر آپ کے سامنے آتے ہیں اور مسجد نبویؐ میں ڈھیروں کی صورت میں پڑے رہتے ہیں، مگر خدا کا یہ محبوب ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ وہ اس مال کو غربا، مساکین

(باقی صفحہ ۲۲۶ پر)

بچّوں کے لئے:

رسولِ پاک مدینہ میں

عبدالواحد سندھی

مکّہ سے کچھ دور عرب کا ایک دوسرا بڑا شہر ہے جس کا نام مدینہ ہے۔ مدینہ کے رہنے والوں نے جب رسول پاکؐ کا حال سنا تو وہاں سے کچھ لوگ مکّہ آئے اور مسلمان ہوگئے۔ ان لوگوں نے رسول پاکؐ سے مدینے چلنے کی درخواست کی اور آپؐ کو یقین دلایا کہ وہ ہر طرح سے اسلام کی مدد کریں گے۔

مکّہ والوں کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو وہ اور بھی بگڑے اور رسولِؐ پاک کے خون کے پیاسے ہوگئے۔ مگر اللہ میاں کو یہ بات کیسے بھاتی کہ اُس کے آخری رسول پر ذرا سی بھی آنچ آئے۔ رسول پاک نے خدا کے حکم سے اسلام کی خاطر اپنے پیارے وطن کو چھوڑا جہاں وہ بچپن سے لے کر ترپن سال کی عمر تک رہے تھے۔

جب آپؐ مکّہ چھوڑ کر مدینہ تشریف لے گئے تو مدینے کے بہت سے لوگ مسلمان ہوگئے۔ اسلام کی مدد کرنے والے "انصار" کہلائے۔ جن مسلمانوں نے اپنا وطن چھوڑا، رسولؐ پاک کے ساتھ مدینہ جاکر رہے وہ "مہاجر" کہلائے۔ یعنی خدا کی راہ میں اپنا گھر بار چھوڑنے والے۔ رسول پاک نے انصار اور مہاجرین میں بھائی چارہ قائم کیا۔ وہ اس طرح کہ ایک انصار کو لیا اور ایک مہاجر کو۔ آپؐ نے دونوں کو بھائی بنا دیا۔ ان دونوں بھائیوں میں اتنی محبّت تھی کہ سگے بھائیوں میں بھی ایسی محبّت نہیں ہوسکتی۔

مدینہ میں رسولِؐ پاک کا آنا بڑا مبارک ہوا۔ اب اسلام پورے ملک عرب میں جلد جلد پھیلنے لگا۔ بہت سے لوگ مسلمان ہوتے جارہے تھے مگر مکّہ والوں کو اب بھی مسلمانوں سے جلن باقی تھی اور وہ انہیں چین سے بیٹھا نہیں دیکھ سکتے تھے۔ کافروں نے بڑی بڑی فوجیں جمع کیں ــــ اسلام اور مسلمانوں کا نام مٹانے کی کوششیں کیں، مگر مسلمانوں کے سامنے اللہ میاں کا حکم اور حضورِ پُرنور کی اعلیٰ تعلیم اور عمل موجود تھا جس نے ان کے دلوں میں ڈھارس پیدا کی اور وہ اسلام کی خاطر سب تکلیفیں اٹھاتے رہے۔

ایک دفعہ مسلمانوں اور کافروں کی لڑائی ہوئی۔ مکہ کے کافروں کا مشہور لیڈر، ابوجہل اور اس کے بہت سے ساتھی اس لڑائی میں مارے گئے۔ مکّہ کے کافروں نے بہت چاہا کہ کسی طرح اسلام کا نام بالکل ختم ہوجائے اور اس کے لئے بڑے جتن بھی کئے مگر اللہ کے دین کو قائم ہونا تھا اس لئے وہ ہوکر رہا اور شروع میں جو تکلیفیں مسلمانوں کو اٹھانی پڑیں ان کا اجر اللہ نے اس طرح دیا کہ مکّہ فتح ہوگیا اور اسلام کی طاقت بڑھ گئی۔

اس زمانہ میں خانۂ کعبہ بتوں کا مندر تھا۔ حضور انور نے اسے بتوں کی ناپاکی سے صاف کردیا اور لوگوں کو ایک اَن دیکھے خدا کی عبادت کرنے کی

تلقین فرمائی۔ مکہ کے کافران باتوں سے بہت جلتے تھے اور وہ رسولِ خدا کو صرف جسمانی تکلیفیں ہی نہیں دیتے تھے بلکہ انہیں قتل کرنے کی بھی ترکیبیں کرتے رہتے تھے۔ مگر رسولِ خدا کو اللہ نے اعلیٰ اخلاق اور اعلیٰ انسانی محبت کا نمونہ بناکر بھیجا تھا اس لئے انہوں نے اپنے جانی دشمنوں تک کو معاف کر دیا۔ حضور صلعم کے بہی اونچے اخلاق تھے اور انسانیت کی بھلائی کا خیال تھا جس نے پورے عرب ہی میں نہیں اسلام کو ساری دنیا میں پہنچا دیا۔

رسول مقبولؐ نے اپنی زندگی میں جب آخری بار حج کیا تو اس کے بعد قرآن شریف نے یہ خوشی کی خبر سنائی کہ:

"سچائی آگئی۔ جھوٹ بھاگ گیا، بس جھوٹ تو بھاگنے کے لئے ہی ہے"

اس خوش خبری میں بتایا گیا ہے کہ اللہ نے دین اسلام کی تعلیم اور پیغام کو دنیا کے لئے ہمیشہ کے لئے مکمل کر دیا ہے۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضور صلعم نے ۶۳ سال کی عمر میں وفات پائی۔

ہمیں چاہئے کہ اللہ کے اس دین اور حضور صلعم کی تعلیم پر پوری طرح عمل کریں تاکہ ہم سچے مسلمان بن سکیں۔

"ہم اور تم آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ہم کو مِل جُل کر رہنا چاہئے۔ اور ایک دوسرے کے دکھ، درد اور خوشی میں بھائیوں کی طرح محبت سے پیش آنا چاہئے"

*

"رحلت رسولؐ" بقیہ صفحہ ۲۰۱

۲۔ رسول پر رو، جس کی فطرت خالص، طینت نیک، طبیعت عفیف و حلیم تھی

۳۔ سخاوت بہتنے والا، بھوکوں کو کھانا کھلانے والا، مصیبت زدہ کی مدد کرنے والا

۴۔ کمائی میں پاک، بخشش میں فیاض، افضل ترین مخلوق، خوش اخلاق، سخت گیری سے دور

۵۔ آہ! ــ زمانہ مجھے نیکوں کا داغ دیتا جاتا ہے اور میں آرام سے زندہ ہوں۔ ...

حضرتؐ کی وفات پر غم کے آنسو بہانے والے! حضورؐ کی زندگی پر بھی نظر رکھیں جس میں قدم قدم پر ہمارے لئے رہنمائی موجود ہے۔ جس نے آداب زیست سکھائے اور عمل کی سیدھی راہ دکھائی۔

"اللّٰھم صلّ وسلّم علیٰ محمّد خیر خلقك صلٰوۃً وسلامًا الیٰ یوم الدّین ط

رحلتِ رسولؐ

عارف حجازی

سب سے برگزیدہ انسان کی زندگی بھی اس جہانِ آب و گِل کے تقاضوں سے گھری ہوئی تھی اور جب مقصد نبوت پورا ہوگیا تو اللہ نے اپنے پیارے محبوبؐ کو بھی اپنے پاس بلالیا — جس طرح بالآخر ہر مخلوق کو اُسی کی طرف لوٹنا ہے۔

وحی و نبوت کو پورے ۲۳ سال گذر چکے تھے۔ توحید کا پیغام دور و نزدیک پہنچ چکا تھا۔ جامۂ کفر تار تار تھا، توہم پرستی کا کھوکھلا پن اور غیر اللہ کی طاعت سے نفرت اب عام ہو چکی تھی — اللہ کا دین مکمل ہو چکا تھا اور وہ وقت قریب آرہا تھا جب اللہ کا یہ پیارا نبیؐ اپنے خالقِ حقیقی کے پاس پہنچ جائے اور یہ بلاوا بہت جلد آگیا۔ رضائے الٰہی کے سامنے کسی کو مجال گفتار کہاں۔

اُن کی پاک روح ایک آئینۂ مُصفا تھی جس پر ہر بات منعکس ہوتی رہتی تھی۔ مرض الموت ابھی شروع نہ ہوا تھا کہ قربِ خداوندی حاصل ہونے کا اشتیاق بڑھتا جاتا تھا۔ وہ جسم مبارک جس نے دنیائی راحتوں سے قلیل ترین حصہ لیا تھا پچھلے تین سال سے نحیف و نزار تھا۔ یہود کی زہر خورانی نے جو اثر دکھایا تھا اس کی وجہ سے حضورؐ کی جسمانی توانائی آہستہ آہستہ کم ہوتی جارہی تھی مگر ریاضت اور عبادت الٰہی کے شغل مبارک میں کوئی فرق نہ آیا تھا بلکہ یہ ذوق اور بھی بڑھتا جارہا تھا۔ ساتھ ہی اُمت کی محبت بھی بیچین رکھتی تھی اور آپ اس کی فلاح و برکت کے کاموں میں بھی برابر شریک رہتے تھے۔ آمدِ مرگ کوئی ایسی شے نہ تھی جو ایسی پاک روح کو متأثر کرسکتی، اس لئے طبیعت مبارک پر نہ حزن طاری تھا نہ ملال۔

عمر کے آخری سال، وفات سے کل نوّے دن پہلے حج کا دن آیا۔ اُمت کا بہت بڑا اجتماع ہونے والا تھا۔ ضرورت تھی کہ اُمت کو دونوں جہانوں کی فلاح کا سبق ایک بار پھر پڑھایا جائے۔ اس لئے حضرتؐ نے اعلان فرمایا کہ امسال حج کو تشریف لے جائیں گے جسمانی شدائد انہیں ابلاغِ حق کے کام سے نہیں روک سکتے تھے کیونکہ خود فرمایا تھا: اپنی دنیا کے لئے اس طرح کام کرو گویا ہمیشہ زندہ رہوگے مگر آخرت کے لئے ایسا کام کرو جیسے کل ہی مرجاؤگے۔

مسلمانوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ خود سرورِ کائنات اس سال حج کے لئے تشریف لا رہے ہیں تو وہ بھی کمربستہ ہوگئے اور جوق در جوق دیدارِ نبویؐ کے لئے رواں ہونے لگے۔ سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ خود لسانِ نبویؐ سے اللہ کے دین کی ہدایت سنیں اور قربِ رسولؐ کی برکتوں سے مالا مال ہوں۔

اس حج کو حجۃ الوداع بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ اس حج کے بعد حضورؐ اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔ حضورؐ نے اس حج پر جو خطبہ ارشاد فرمایا وہ اصول دین کا عطر ہے، لب لباب ہے اور دونوں جہانوں کی سعادت حاصل کرنے کے لئے ایک مکمل دستور العمل۔ غور کیجئے تو یہ فرد اور ملت دونوں کے لئے قوانین کا مکمل مجموعہ ہے اور شخصی زندگی کے لئے ایک قندیلِ تابندہ۔

جیسا کہ عرض کیا اس خطبہ کی جزیات پر نظر ڈالئے تو مومن کی زندگی کی جیتی جاگتی تصویر سامنے آجاتی ہے۔ "اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر! خدائے یگانہ و تنہا کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے بندے کو فتحیاب کیا اور تن تنہا تمام جتھوں کو پسپا کردیا[1]۔ تمام ستائش اسی خدائے بزرگ کے لئے ہے۔ ہم اس کی تعریف کرتے ہیں، اسی سے مدد چاہتے ہیں، اسی سے مغفرت مانگتے ہیں اور گواہی دیتے ہیں کہ اس وحدہٗ لاشریک لہٗ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمدؐ اس

---

[1] ابوداؤد (کنز العمال)

کا ایک بندہ اور پیغمبر ہے۔ لوگو میں تم کو خوف خدا کی وصیّت کرتا ہوں۔ اور یہ صرف چار چیزیں ہیں۔ خدا کے ساتھ کسی کو کبھی شریک نہ بناؤ، کسی کی ناحق جان نہ لو، زنا نہ کرو، چوری نہ کرو۔ اے لوگو میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمہارے بعد کوئی نئی امّت نہیں۔ سنو اس سال بعد شاید تم مجھے نہ دیکھو، خوب اچھی طرح سن لو شاید اس سال بعد تم مجھے پھر کبھی نہ دیکھو گے۔ علم اٹھ جانے سے پہلے مجھ سے علم سیکھ لو۔ کیا تم سنتے نہیں؟ ___ لوگو سنو ___ اپنے پروردگار کی عبادت کرو۔ اپنی پانچوں نمازیں پڑھو، اپنے رمضان کے روزے رکھو، اپنی زکوٰۃ ادا کرو، اپنے سرداروں کی فرمانبرداری کرو اور اپنے رب کی جنّت میں شاد کام داخل ہو جاؤ۔"[1]

اس خطبہ کے ابتدائی ارشادات سے مرگ رسولؐ کی قربت کے باب میں کوئی شک باقی نہیں رہتا۔ بہرکیف، یہ یادگار خطبہ ارشاد فرمانے اور حج سے فارغ ہونے کے بعد حضورؐ مدینہ واپس ہوئے، لوٹتے وقت بھی موت کا یقین تھا۔ کیونکہ یہ آیت:

"الیوم اکملت لکم دینکم
واتممت علیکم نعمتی ورضیت
لکم الاسلام دینا"

(آج میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا۔ اپنی نعمت تم پر
تمام کردی اور تمہارے لئے اسلام ہی کو دین پسند فرمایا)

عرفہ ہی میں نازل ہو چکی تھی[2]۔ اس میں آپ پر نبوت ختم ہو جانے کی صاف خبر تھی پھر سورۃ "اذا جاء نصر اللہ" آپ کی وفات پر قطعی دلیل تھی چنانچہ راستہ میں خُم کے مقام پر صحابہ کو پھر جمع کیا اور ان سے فرمایا:

"اے لوگو! ___ میں تمہارا جیسا ہی انسان ہوں قریب ہے میرے رب کا قاصد آئے اور میں داعی اجل کو لبیک کہوں۔ میں تم میں دو نفیس چیزیں (ثقلین) چھوڑے جاتا ہوں۔ کتاب اللہ اور اپنی عترت (اہل بیت)۔ کتاب اللہ ایک رسّی ہے جو آسمان سے زمین تک لٹکی ہوئی ہے اور لطیف و خبیر نے مجھے عطا فرمائی ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے کبھی جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض (کوثر) پر میرے پاس آ جائیں۔ اب تم دیکھو کہ میرے بعد ان سے کیا سلوک کرتے ہو۔"[3]

آخر سفر کر کے آپ مدینہ تشریف لے آئے۔ اور حسب معمول ہدایت نبوت اور عبادات میں مصروف ہو گئے۔ بیمار پڑنے سے صرف دو دن قبل مسلمانوں کو بلقاء[4] پر حملے کے لئے حکم دیا۔ اور نئی مہم کے لئے زیدؓ کے بیٹے اسامہ کو فوج کا سپہ سالار مقرر کیا مگر یہ فوج تیار ہو کر مدینہ سے نکلی ہی تھی کہ آپ کی علالت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس لئے فوج آگے بڑھنے سے رک گئی اور مدینہ کے باہر ہی پڑاؤ ڈالے پڑی رہی۔ آپ کی علالت در اصل اس زہر کا نتیجہ تھی جو تین سال پہلے آپ کو یہودیوں نے خیبر میں دیا تھا۔ اس باب میں خود حضرت رسول مقبولؐ بھی دوران علالت حضرت عائشہؓ سے فرمایا کرتے تھے: "خیبر میں جو لقمہ[5] میں نے کھایا تھا، اس کا فساد برابر پاتا رہا ہوں یہاں تک اب رشتۂ حیات کٹ جانے کا وقت آ گیا ہے[6]۔"

۲۸ صفر بروز منگل ۱۱ ھ کو رات تک کوئی خاص شکایت نہ تھی اور اس وقت آپ حضرت عائشہؓ کے گھر میں تشریف رکھتے تھے۔ فرماتی ہیں: "لیٹے لیٹے آدھی رات کو آپ اچانک تیزی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ میں نے کہا: میرے ماں باپ قربان، کہاں؟ فرمایا: "مجھے حکم ملا ہے کہ بقیع[7] کے مُردوں کے لئے مغفرت کی دعا کروں۔" پھر اپنے خادم ابومویہبہ سے فرمایا: "مجھے بقیع کے مُردوں کے لئے دعا کرنے کا حکم ملا ہے سواری تیار کر اور میرے ساتھ چل۔" ابومویہبہ کہتے ہیں: میں نے سواری تیار کر دی اور آنحضرتؐ سوار روانہ ہوا۔ قبرستان پہنچ کر سواری سے اترے۔ میں نے لگام پکڑی اور قبروں کے سامنے کھڑے ہو کر اور دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر فرمانے لگے: "اے قبروں کے بسنے والو، تم پر سلام۔ تمہیں اپنی حالت مبارک! کاش تم جانتے خدا نے تمہیں کن کن

---

[1] مسند ابی امامہ وکنسز
[2] ایک روایت میں ہے حجۃ الوداع کے موقع پر یوم النحر کو منیٰ میں نازل ہوئی تھی۔

[3] مسند ابی سعید الخدری (۔ المواہب)
[4] رومیوں پر حملہ کے لئے یہ فوج تیار کی گئی تھی۔
[5] گوشت کا وہ لقمہ جس میں زہر ملا ہوا تھا۔
[7] قبرستان
[6] ابن سعد بخاری (باب مرض النبیؐ ووفاتہ)

آفتوں سے نجات دی! اندھیری رات کی تاریکیوں جیسے فتنے آپہنچے۔ ایک کے پیچھے ایک چلا آرہا ہے۔ ہر ایک دوسرے سے بدتر ہے۔" پھر میری جانب مڑے اور فرمایا "سن۔ مجھے دنیا کے خزانوں کی کنجیاں دے دی گئی ہیں اور ہمیشہ کی زندگی بخشی گئی۔ پھر جنت لائی گئی، اور اختیار دیا گیا کہ چاہوں دنیا اور اس کی نعمتیں لوں، یا بقاءِ الٰہی اور جنت قبول کروں"۔ ابو مویہبہ کہتے ہیں میں نے عرض کی، میرے ماں باپ نثار! آپ دنیا کے خزانے اور اس کی دائمی زندگی بھی لیں اور جنت بھی نہ چھوڑیں' یہ سن کر فرمانے لگے۔" ابو مویہبہ! نہیں میں نے جوارِ خداوندی اور جنت ہی پسند کر لی ہے"۔ پھر مُردوں کے لئے دعائے مغفرت کی اور واپس تشریف لے آئے۔ اسی کے بعد مرض الموت شروع ہوگیا[1]۔

بقیع سے ام المومنین، حضرت میمونہؓ کے گھر تشریف لائے اور وہیں طبیعت ناساز ہوئی۔ حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں "جس دن بیماری شروع ہوئی آپ میمونہؓ کے گھر میں تھے۔ بیماری سخت دردِ سر سے شروع ہوئی[2]۔ آپ دورانِ علالت برابر سر پر پٹی باندھے رہتے۔ پھر فوراً تیز بخار چڑھا۔ اس کی حدّت کم کرنے کے لئے بار بار غسل کرتے اور پانی میں ہاتھ بھگو کر چہرہ تر کرتے تھے۔" بخار اتنا سخت تھا کہ بقول حضرت عائشہؓ "آپ کی سانس اس قدر تیز چلتی تھی جیسے منقّی کھانے والا بیج پھونک پھونک کر منہ سے پھینکتا ہے[3]"۔

بیماری شروع ہوتے ہی ضعف بہت بڑھ گیا تھا۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے۔ "لوگ آپ کو میمونہ رضؓ کے گھر سے چادر میں لاد کر لائے اور اپنے ازواج سے کہلا بھیجا۔ "اب میں تمہارے گھر آجا نہیں سکتا۔ مجھے اجازت دو کہ عائشہؓ یا صفیہؓ کے ہاں رہوں[4]۔"

یہ واقعہ دوشنبہ کا ہے یعنی وفات سے ایک ہفتہ قبل اور بیماری سے چھ دن بعد[5]۔ مگر مرض کی شدّت اور سخت نقاہت کے

---

[1] :- ابن ہشام و مسند ابی مویہبہ و ابن سعد و دارمی باختلاف الفاظ۔

[2] :- المواہب

[3] :- المواہب

[4] :- مسند عائشہ رضؓ

[5] :- فتح الباری۔

عالم میں بھی آپ اپنی امت اور اس کی بہبود و فلاح کے بارے ہی میں سوچتے رہے۔ ایک دن سر پر رومال کسے اور فضل بن عباسؓ کے ہاتھ پر ٹیک لگائے مسجد میں تشریف لے آئے اور مسلمانوں کو جمع کر کے ایک بے نظیر خطبہ ارشاد فرمایا:

"اب تم سے میری جدائی نزدیک آپہنچی۔ میں بھی ایک آدمی ہوں جس کسی کی آبرو کو مجھ سے کچھ بھی گزند پہنچا ہو تو یہ میری آبرو موجود ہے، آئے اور بدلہ لے لے۔ اگر کسی کے جسم کی چمڑی کو مجھ سے کچھ تکلیف پہنچی ہو تو یہ میرے جسم کی چمڑی موجود ہے، آئے اور قصاص لے لے! — جس کسی کے مال کو مجھ سے کچھ بھی نقصان پہنچا ہو تو میرا مال موجود ہے، آئے اور اس میں سے لے لے! — خوب اچھی طرح سمجھ لو تم میں میرا سب سے زیادہ خیرخواہ وہی ہے جس کا اس قسم کا کوئی حق مجھ پر ہو، اور وہ مجھ سے وصول کر لے، یا معاف کر دے تاکہ تمام مطالبوں سے آزاد ہو کر میں اپنے پروردگار کے حضور میں پہنچوں۔ دیکھو! کوئی یہ خیال نہ کرے کہ "میں رسول اللہ کے بغض و عداوت سے ڈرتا ہوں'۔ یہ دونوں باتیں نہ میری طبیعت میں ہیں نہ میری عادت میں داخل۔ جو شخص کسی بات میں بھی اپنے نفس سے مغلوب ہوگیا ہو، وہ بھی آئے، اور مجھ سے مدد مانگے، تاکہ میں اس کے حق میں دعا کر دوں"۔

یہ سن کر ایک شخص کھڑا ہوگیا اور کہنے لگا: "آپ کے پاس ایک سائل آیا تھا اور آپ نے اس کو کچھ دینے کا مجھے حکم دیا تھا۔ میں نے اسے تین درہم دیئے تھے"۔ فرمایا: "سچ ہے فضل، اسے دیدے"۔ — پھر ایک اور شخص اٹھا۔ "یارسول اللہ میں بخیل ہوں، منافق ہوں، بزدل ہوں، میں بہت سونے والا اور بڑا ہی جھوٹا ہوں۔ دعا کیجئے کہ مجھ سے نفاق، بخل، بزدلی، نیند اور جھوٹ دور ہو جائے"۔ آپ نے اس کے حق میں دعا شروع کی: "اے خدا، اسے ایمان اور سچائی بخش، اس سے نیند اور بخل دور کر دے۔ اس کے دل کو بہادر بنا دے[1]!" — پھر ایک عورت نے پکار کے کہا: "یارسول اللہ مجھ میں بھی یہ عیب ہیں"۔ اور اپنی زبان کی طرف اشارہ کیا۔ "دعا کیجئے

---

[1] : حضرت فضلؓ سے روایت ہے کہ اس کے بعد میں نے اسے جنگ میں دیکھا کہ اس سے زیادہ جری، اس سے زیادہ بہادر اور اس سے کم سونے والا ہماری فوج میں کوئی نہ تھا (کنز العمال)۔

یہ سب عیب دور ہو جائیں"۔ اس سے فرمایا۔ عائشہؓ کے گھر میں جاکر میرا انتظار کرو"۔ چنانچہ جب آپ مسجد سے رخصت ہو کر حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں تشریف لائے تو اپنا عصا اس کے سر پر رکھا اور دعا شروع کی۔ عائشہؓ کہتی ہیں وہ دیر تک سجدے میں رہی۔ آپ نے فرمایا۔ "خوب لمبے سجدے کر کیونکہ بندہ، اللہ سے سب سے قریب سجدہ ہی کی حالت میں ہوتا ہے"۔ عائشہؓ فرماتی ہیں۔ "بخدا وہ میرے پاس سے گئی بھی نہ تھی کہ رسول اللہ کی دعا کا اثر مجھے اس میں نظر آنے لگا۔ پھر تو اس کی یہ حالت ہو گئی کہ خود مجھے نصیحت کیا کرتی تھی: عائشہؓ اپنی نماز اچھی طرح ادا کیا کرو"۔لہ

یہ خطبہ اسلام میں جمہوریت کی روح کا ایک روشن ستارہ ہے اور حضورؐ کی ذات بابرکات اس کی روشن تصویر۔ اور وہ یہ کہ تمام انسان برابر ہیں کسی کو کسی پر ترجیح و امتیاز نہیں۔ خدا کی نظر میں بلا شبہ زیادہ نیک زیادہ افضل ہے۔ لیکن قانونِ شریعت کے سامنے ایک رتبہ پر ہیں۔ نسل، رنگ، جنس، قومیت، صوبائیت، علاقائیت غرض ہر قسم کا امتیاز بے اصل ہے۔ شریعتِ الٰہی سب کو ایک ہی نظر دیکھتی ہے اور سب پر یکساں حاوی و جاری ہے۔ ضرورت ہے کہ دنیا سرورِ کائنات کے ان فرمودات پر عمل کرے۔ آپؐ نے زندگی کے کسی گوشے کو نہیں چھوڑا۔ آپ کی دعوت ابطالِ شرک و تاسیسِ توحید تھی۔ شرک کی ایک قبیح شکل قبر پرستی بھی ہے یعنی ایسی تعظیم جو درجۂ پرستش کے دائرہ میں آجاتی ہے۔ مگر حضورؐ نے مرض الموت میں بھی بار بار اس کی سخت ممانعت فرمائی۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ازواجِ مطہرات میں سے ام سلمہؓ اور حبیبہؓ حبش ہجرت کر چکی تھیں ایک دن انہوں نے آپ کی بیماری کے زمانہ میں حبش کے ایک گرجا کا ذکر کیا جس کا نام "ماریہ" ہے اور اس کی خوبصورتی اور تصویروں کی بہت تعریف کی۔ رسول اللہ صلعم نے ان کی باتیں سن کر فرمایا۔ "اس قوم کی یہی حالت ہے کہ جب اس میں کوئی نیک آدمی ہوتا ہے اور مر جاتا ہے تو یہ اس کی قبر پر عبادت گاہ قائم کر دیتی ہے اور پھر اس میں تصویریں بناتی ہے۔ یہ لوگ اللہ کے نزدیک قیامت کے دن بد ترین خلائق ہیں"۔ اس بات کی طرف اس قدر خیال تھا کہ

لہ :- ابن سعد

۲ه :- بخاری (ہجرت الحبشہ) و ابن سعد۔

مرض الموت میں بھی لعنت کرتے تھے اور فرماتے تھے۔ "یہود و نصاریٰ پر خدا کی لعنت کہ انہوں نے اپنے انبیا کی قبروں کو عبادت گاہ ٹھہرالیا"۔ حضرت عائشہؓ کہا کرتی تھیں: "اگر یہ بات نہ ہوتی تو آپ کی قبر بھی کھلی جگہ پر بنائی جاتی۔ لیکن ڈر پیدا ہوا کہ اسے بھی مسجد نہ ٹھہرا لیا جائے"۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں "میں عیادت کو حاضر ہوا تو آپ بخار سے جل رہے تھے۔ میں نے کپڑے پر ہاتھ رکھا تو حرارت سے فوراً ہاتھ کھینچنے پر مجبور ہو گیا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ آپ کو کتنا تیز بخار ہے"۔ فرمایا۔ "ہاں، مگر اس کے باوجود، بحمد اللہ گذشتہ شب ستر سورتیں تلاوت کیں جن میں سبع الطوال بھی شامل ہیں"۔ حضرت عمرؓ نے عرض کی۔ "اے نبی اللہ، خدا نے آپ کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیے ہیں، پھر کیوں اتنی مشقت اٹھاتے ہیں، کچھ تو اپنے حال پر ترس کھائیے"۔ فرمایا۔ "لیکن کیا میں خدا کا شکر گذار بندہ نہ ہوں؟"۳

جب تکلیف بہت بڑھی تو ام سلمہؓ بہ تقاضائے بشری رونے چلانے لگیں۔ آپ نے فرمایا: "چپ رہو، کافر چلاتے ہیں"۔ جب تکلیف اور بھی زیادہ ہو گئی تو بار بار فرماتے۔ "اے نفس تجھے کیا ہو گیا ہے کہ ہر طرف بھاگتا پھرتا ہے"۔۴ حالانکہ اس سے قبل جب کبھی بیمار ہوتے تو تندرستی کی دعا فرمایا کرتے تھے مگر مرض الموت میں دعا بالکل ترک کر دی تھی۔ مشیتِ الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم و رضا خم کر دینا اسی بات کو کہتے ہیں۔

بارہ۵ دن بیماری کے گزر چکے تھے۔ تیرھواں دن دوشنبہ تھا اور یہی جوارِ الٰہی میں پہنچنے کا دن تھا۔ اس دن صبح کو مسجد میں نمازیوں کا بڑا ہجوم تھا۔ مدینہ میں کوئی مسلمان مرد یا عورت ایسا نہ تھا جو شب کو آپ کی نازک حالت سننے کے بعد بیتابانہ مسجد میں نہ پہنچ گیا ہو۔ ادھر نبی کریمؐ کی یہ حالت تھی کہ آپ کا چہرۂ انور

لہ: بخاری (مرض النبیؐ و وفاتہ و کتاب الجنائز) ۱۳۴ ابن سعد

۵ه: یہ بات خاص طور پر قابلِ ذکر ہے آپ کی ولادت، بعثت، ہجرت، مکہ سے خروج اور مدینہ میں داخلہ، فتح مکہ اور وفات تمام اہم ترین واقعات جنہوں نے دنیا کی تاریخ پلٹ دی، سب کے سب دوشنبہ ہی کے دن واقع ہوئے۔

۶ه۔ ابن سعد

فرطِ مسرت سے نورٌ علیٰ نور ہو رہا تھا۔ آپ صبح اٹھے تو باوجود حد درجہ نقاہت کے نہایت ہشاش بشاش تھے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں۔ "نمازِ فجر ہو رہی تھی۔ صفیں بنی ہوئی تھیں۔ ابوبکرؓ امامت کر رہے تھے کہ اچانک اُم المومنین عائشہؓ کے حجرہ کا دروازہ کھلا۔ پردہ ہٹا اور ہم اپنی صفوں سے کیا دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سامنے کھڑے ہیں اور ہماری صفیں اور نماز کی ترتیب دیکھ کر اطمینان کے آثار ہیں بلکہ تبسم فرما رہے ہیں۔ جمال نبویؐ دیکھ کر مسلمان خوشی سے اس قدر وارفتہ ہو گئے کہ قریب تھا صفیں ٹوٹ جائیں۔ میں نے آنحضرت کو اس گھڑی ایسے حسن و جمال میں دیکھا، جیسا کبھی نہیں دیکھا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے خیال کیا آپ تشریف لا رہے ہیں چنانچہ صف میں مل جانے کے لئے الٹے پاؤں ہٹنے لگے۔ مگر آپ نے اشارہ سے ٹھہرنے کے لئے کہا۔ اور خود سر پر پٹی باندھے تشریف لائے یہاں تک کہ ابوبکرؓ کے دائیں پہلو میں بیٹھ کر نماز پڑھنے لگے۔ اس وقت آپ دھاری دار چادر اوڑھے ہوئے تھے اور اس کے پلّو کاندھوں پر پڑے تھے[1]۔"

مسجد سے حضرت عائشہ کے حجرہ میں واپس آئے اور اسامہؓ سے فرمایا۔ "اپنی فوج لے کر خدا کی برکت کے ساتھ روانہ ہو جا[3]!" اسامہؓ رخصت ہوئے، آپ عائشہؓ کے سینہ سے ٹیک لگا کے بیٹھ گئے۔ اور حالت خراب ہونے لگی۔ اس مرتبہ مرض کا حملہ بڑا ہی سخت تھا۔ حتیٰ کہ ایک پاؤں پھیلاتے تھے اور دوسرا سمیٹتے تھے[4]۔ حضرت فاطمہؓ سینہ سے چمٹ[5] کر پھوٹ پھوٹ کر رونے اور بین کرنے لگیں۔ "آہ! میرے باپ کی تکلیف! آہ، میرے باپ کی تکلیف!"۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ "آج کے بعد تیرے باپ پر کوئی تکلیف باقی نہ رہے گی[6]۔ تیرے باپ کی اب وہ منزل درپیش ہے جس سے خدا کسی کو بھی چھوڑنے والا نہیں[7]۔ قیامت کے دن ملاقات[8] ہوگی۔ بیٹی، رو نہیں، جب میں مر جاؤں تو کہنا۔ " انا للہ وانا الیہ راجعون"۔ کیونکہ اس میں آدمی کے لئے ہر مصیبت کی تسلی موجود ہے!" حضرت فاطمہؓ نے فرمایا۔ "کیا آپ

---

[1] صحاح کی روایتوں میں صرف اس قدر ہے کہ آپ مسکرائے اور اشارہ سے ٹھہرنے کو کہا پھر حجرہ کا پردہ گر گیا۔

[2] مسند انس۔ [3] ابن سعد۔ [4] کنز۔ [5] عقد الفرید جلد ٦

[6] (کنز) [7] ابن ماجہ مسند انس۔

کی بھی؟ یا رسول اللہ!" فرمایا۔ "ہاں میری بھی[1]۔"

آپ کی ساری زندگی دنیاوی مال و منال سے عاری گذری اس لئے گھر میں تنگ دستی رہتی تھی۔ حضورؐ کو مال و دولت جمع کرنے سے نفرت چلی آتی تھی کبھی گھر میں روپیہ پیسہ نہ رکھا تھا لیکن اتفاق سے مرض الموت سے پہلے کچھ دینار حضورؐ کے پاس آ گئے تھے مگر آپ نے سب بانٹ دیئے تھے۔ صرف چھ سات باقی بچے تھے جو آپ نے عائشہؓ کے حوالے کر دیئے تھے کہ خرچ کر ڈالنا مگر آپ کی تیمار داری میں وہ ایسی مصروف ہوئیں کہ دینار یاد نہ رہے۔ آپ کو اچانک خیال آیا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: آپ میرے سینے سے ٹیک لگائے تھے کہ اچانک فرمانے لگے۔ " عائشہ اس سونے کا کیا ہوا؟" میں نے کہا میرے پاس موجود ہیں، فرمایا۔ "خیرات کر ڈال"۔ پھر میرے سینہ ہی پر بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش آیا تو پھر پوچھا۔ " عائشہ! تو نے وہ دینار خرچ کر ڈالے؟" میں نے عرض کیا۔ "یا رسول اللہ ابھی تک نہیں۔ آپ کی اس حالت نے مجھے بالکل مہلت نہ دی"۔ فرمایا "لے آؤ"۔ چنانچہ میں لے آئی۔ آپ نے تمام دینار اپنی ہتھیلی پر ایک ایک کر کے رکھے اور گنے پھر فرمایا۔ "محمدؐ اپنے رب کی بابت کیا سمجھتا اگر ان کی موجودگی میں اس سے جا کر ملتا! یہ محمدؐ میں سے کیا باقی چھوڑتے اگر انھیں لے کر وہ اللہ تعالیٰ کے حضور[2] پہنچتا"

اس واقعہ کے بعد بار بار غش طاری ہو جاتا سر میں سخت درد تھا ایک مرتبہ بے ہوش رہے پھر آنکھیں کھولیں اور فرمایا۔ " اللہ اللہ فیما ملکت ایمانکم اپنے غلاموں کے معاملہ میں خدا سے ڈرتے رہو۔ ان کا جسم کپڑے سے ڈھکو پیٹ کھانے سے بھر دو اور اُن سے نرم زبان بولو"۔ اس کے بعد جو بھی لمحہ گزرتا تھا آخری منزل قریب آتی جاتی تھی۔ اس وقت آپ کی کچھ عجیب حالت تھی، بیماری کی تکلیف، سکرات کی سختی اس پر فلاحِ امّت کی فکر اور رجوا رخداوندی میں طلب۔ ان چند لمحوں میں یہ تمام چیزیں جمع ہو گئی تھیں۔ اور سب کی طرف توجہ مبذول ہوتی رہتی تھی۔ بار بار فرماتے تھے۔ " یہود و نصاریٰ پر خدا کی مار جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبریں سجدہ گاہ بنا دیں[3]!" کبھی فرماتے۔

---

[1] ابن سعد [2] ابن سعد، مسند عائشہؓ [3] مسند ابی عبیدہ۔

"جزیرۃ العرب میں دو دین رہنے نہ پائیں[1]" کبھی کہتے : "حجاز اور نجران کے یہودیوں کو جزیرۃ العرب سے نکال دو[2]" کبھی فرماتے۔ "الصّلوٰۃ الصّلوٰۃ، وما ملکت ایمانکم" (نماز، نماز اور اپنے غلاموں کے حقوق!) حضرت امِ سلمہؓ اور حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ آپ یہ وصیت برابر کرتے رہے۔ یہاں تک کہ لفظ زبان سے ادا بھی نہیں ہو سکتے تھے۔ سینہ کے اندر غرغراتے تھے[3]۔ اور کبھی فرماتے : " اللّھم الرفیق[4] الاعلیٰ مع الذین انعم اللہ علیھم من النبین والصدیقین والشھداء والصالحین وحسن اولئک رفیقا"

آخر اللہ کا آخری رسول دوشنبہ کے دن ۱۲ ربیع الاول[5] کو زوال کے بعد اس دارِ فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف رخصت ہوا۔ " انا للہ وانا الیہ راجعون"!

ابو بردہؓ راوی ہیں کہ حضرت عائشہ نے مجھے وہ کپڑے دکھائے جو وفات کے وقت آپ نے پہنے ہوئے تھے ایک کھردری اونی چادر اور موٹی تہہ بند تھی[6]۔ وفات رسول کا پورا یقین ہونے کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے دفن پر زور دیا۔ مگر لوگوں میں اس مسئلہ پر کہ کس جگہ دفن کئے جائیں اختلاف ہوا۔ آخر میں جب حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ" میں نے نبی صلعم کو ایک بات فرماتے سنا ہے۔ اور اب تک اسے بھولا نہیں ہوں"۔ صحابہؓ نے دریافت کیا۔ " وہ کیا ہے"؟ تو آپ نے فرمایا۔ " نبی کی روح جس جگہ قبض ہوتی ہے وہ وہیں دفن[7] کیا جاتا ہے"۔ صحابہ نے جواب دیا۔ "بخدا آپ کا قول ہر طرح پسند ہے"۔ اس فیصلہ پر آپ کو حضرت عائشہؓ کے حجرے میں ہی دفن کیا گیا۔ اسی حجرے میں قبر کھودی گئی۔

---

[1] : ابن ہشام و مسند عائشہ

[2] : مسند ابی عبیدہ

[3] : ابن سعد

[4] : "الرفیق" کے معنی ہیں وہ جگہ جہاں رفاقت وصحبت حاصل ہے۔ یہاں مراد جنّت سے ہے جیسا کہ جوہری نے تصریح کی ہے (فتح الباری)

[5] : ماثبت بالسنۃ

[6] : ترمذی (شمائل)

اور آپ کے جسدِ اطہر کو سپردِ خاک کر دیا گیا۔

حضورؐ کے وصال پر مسلمانانِ عالم پر جو غم کے پہاڑ ٹوٹے اس کی کیفیت رقم کرنا قلم کا یارا نہیں۔ اور دل فرطِ غم سے تڑپنے لگتا ہے۔ صحابہ، اہلِ بیت نبی کریمؐ کے خاندان کے افراد، اور ملّت کا ایک ایک فرد رنج و ملال اور غم کا مجسّم تھا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے انتہائی ضبط اور صبر سے کام لیا، مگر وہ اس صدمہ کی وجہ سے اندر ہی اندر اس قدر گھلتے رہے کہ آخر تین سال کے بعد آپ نے بھی رحلت فرمائی۔ حضرت عثمانؓ کی حالت یہ تھی کہ غم سے زبان بالکل بند ہو گئی تھی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ میں چلنے کی طاقت باقی نہ رہی تھی۔ حضرت فاطمہؓ کی حالت ناقابلِ بیان تھی۔ غرضیکہ پورے عرب کے ہر مقام پر غم کی بدلیاں چھائی ہوئی تھیں۔ بلکہ حیوان بھی متاثر ہوئے۔ روایت ہے کہ رسول اکرمؐ کی سواری کا گدھا بھی کنوئیں میں گر کر مر گیا اور اونٹنی نے دانہ چارہ چھوڑ دیا یہاں تک کہ مر گئی[1]۔ یہ واقعہ ایسا ہی جاں گسل تھا۔ شمعِ نبوت گل ہوتے ہی پروانوں کے دل ٹوٹ گئے تھے اور آج تقریباً چودہ سو برس گزر جانے کے بعد بھی اس حادثۂ عظیم کی جب یاد تازہ ہوتی ہے شیدائے رسولؐ اور مومنین دلفگار کے آنسو روکے نہیں رکتے۔ لیکن خدائے جلیل و قدیر کی مرضی کے سامنے ہم سب کو سرِ تسلیم خم کرنا چاہئے۔ جیسا کہ خود حضورؐ کی تلقین بلکہ تاکید تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی پر صحابہ رضی اللہ علیہم نے مرثیہ بھی کہے تھے خصوصاً حضرت حسان رضی اللہ عنہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے مشہور شاعر تھے۔ ان کے اشعار اس الم و اندوہ کی بڑی دلگیر تصویر پیش کرتے ہیں :
چند اشعار کا اُردو ترجمہ درج ذیل ہے :-

۱۔ اے آنکھ! دل کھول کر رو، دیکھ رونے
اور آنسو بہانے سے کبھی نہ تھکنا۔

---

[1] : المواہب۔

(باقی صفحہ ۲۰۸ پر)

قدیم آثارِ نبویؐ
(برِّ صغیر میں)

سید یوسف بخاری (دہلوی)

علماءِ تاریخ نے تاریخ نویسی کے تین مآخذ قرار دیئے ہیں۔ اول آثارِ مضبوطہ، دوم آثارِ منقولہ اور سوم آثارِ قدیمہ۔ آثارِ مضبوطہ سے مراد وہ نوشتہ جات ہیں جن میں فرامینِ رسالت، احکامِ شاہی، دستاویزات، عدالتی فیصلے، مکاتیب، دفاتر کا ریکارڈ، بیاضیں اور کتب وغیرہ ہیں۔ آثارِ منقولہ عبارت ہے اُن باتوں سے جو زبان زدِ عوام ہوں مثلاً روایات، اقوال، ضرب الامثال، کہانیاں اور اشعار وغیرہ۔ آثارِ قدیمہ میں شہروں کے خرابے، قلعے، عمارات، مکانات، کتبات، تصاویر، اسلحہ اور ظروف وغیرہ آتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ جب تک یہ ماخذ مؤرخ کی دسترس میں نہ ہوں کسی لکھی ہوئی تاریخ کا وجود میں آنا ممکن نہیں۔ ان کو حاصل کرنے میں ایک مؤرخ کو جن مشکلات اور دقتوں سے سابقہ پڑتا ہے وہ اہلِ علم و نظر سے پوشیدہ نہیں۔ اس کیلئے وقت، صحتِ جسمانی، وسعتِ علم، شعور، مشاہدہ، تجربہ، ذہنی آسودگی بلکہ فارغ البالی بھی درکار ہے جو ایک عام انسان کے لئے اگر عنقا نہیں تو بہت کم یاب ضرور ہے۔ ماخذ جتنا تاریک ہوگا ظاہر ہے کہ اسی قدر معلومات فراہم کرنا بھی دشوار ہے۔ اس اندھیرے ماحول میں تحقیق کے لئے ہاتھ پاؤں مارنا ایک معمولی آدمی کے بس کی بات نہیں۔

ان حقائق کی روشنی میں جب ہم تیرہ سو برس قدیم آثارِ نبویؐ پر ایک نگاہ ڈالتے ہیں تو معاً ہمارے دل میں یہ جستجو پیدا ہوتی ہے کہ کیا یہ آثار جنہیں ہم تبرکاتِ رسولؐ اور اہلِ بیت اور یارانِ نبویؐ کی متبرک نشانیاں سمجھ کر احترام اور عقیدت کی نظر سے دیکھتے ہیں، فی الحقیقت انہی ستودہ صفات، عظیم المرتبت اور بے نظیر ہستیوں کے ہیں یا غلط اور فرسودہ روایات کے تحت محض ان سے منسوب کر دیئے گئے ہیں۔ صرف منسوب ہی نہیں بلکہ ان سے متعلق بعض انوار و برکات اور خوارق بھی مشہور رہیں۔

یہ آثار اگر تمام دنیا کے طول و عرض میں نہیں تو کم از کم بعض بلاد و امصار اسلامیہ، بالخصوص پاک و ہند کے تقریباً ہر بڑے شہر کے کسی نہ کسی عجائب خانے، بڑی تاریخی مسجد، درگاہ، خانقاہ، مقبرہ، بلکہ بعض اوقات خواص و عوام میں سے بھی کسی نہ کسی کے گھر کا سرمایہ اور زینت ہیں۔ یہ تعداد میں کہیں کم ہیں اور کہیں زیادہ۔

یہ آثار جہاں بھی اور جس کے پاس بھی ہیں، ان کو بڑی حفاظت اور احترام کے ساتھ رکھا جاتا ہے۔ نہایت ادب کے ساتھ ان کی زیارت کرائی جاتی ہے۔ بعض جگہ یہ تبرکات بلا وقت اور بلا تخصیصِ وقت دیکھے جا سکتے ہیں اور بعض متولی اپنی مخصوص مذہبی تقاریب اور مجالس میں مثلاً محفل عرس، مجلسِ میلاد، ذکرِ شہادت اور اسی سے ملتی جلتی دیگر رسوم کے مواقع پر ان کو دکھاتے ہیں، اہلِ عقیدت ان کو بڑے ادب اور احترام سے دیکھتے، سروں پر رکھتے، آنکھوں سے لگاتے، سینے سے مَس کرتے جھک کر بوسہ دے کر ان کا احترام کرتے اور اپنے فرطِ عقیدت کا اظہار کرتے ہیں۔ بلکہ اگر ضرورت لاحق ہو تو اس مالکِ آثار کو طلب یا بے طلب رسماً روا جاً بہ نیتِ ثواب نقد و جنس کی صورت میں کچھ ہدیۂ زیارت بھی پیش کرتے ہیں۔

اس اجمالی تعارف کے بعد ہم بنظرِ اختصار برِّصغیر

پاک و ہند کے صرف تین بڑے شہروں کے متعدد آثار کا ذکر کریں گے جن کا تذکرہ بعض تواریخ، تذکروں، سفرناموں یا زبانی روایتوں میں پایا جاتا ہے۔ مگر اس زمانہ میں یہ امر بھی اب کچھ تحقیق طلب ہو گیا ہے کہ ان میں سے کتنے آثار ابھی تک موجود ہیں اور کتنے افتادِ زمانہ کے ہاتھوں گم یا تلف ہو چکے ہیں۔ راقم نے قبل آزادی صرف سوادِ دہلی میں مختلف مقامات پہ جو آثار خود دیکھے تھے ممکن ہے وہ اب بھی وہاں جوں کے توں موجود ہوں۔ بہر نوع اس اجمال کی تفصیل سے پہلے دہلی کے تبرکات ملاحظہ ہوں۔ آثارِ پاکستان کا ذکر بعد میں پیش کروں گا۔

درگاہ آثار شریف، جامع مسجد، دہلی: یہ درگاہ جامع مسجد کے گوشۂ شمال مشرق میں ایک دالان کے دائیں حجرے میں واقع ہے۔ ابتدا میں یہ درگاہ گوشۂ شمال مغرب میں، مغربی دالان کے بائیں حجرے میں تھی۔ اس دالان کے آگے بعہد شاہ عالمگیر، الماس علی خاں، خواجہ سرا نے ایک حجر سنگ سرخ کا جالی دار بنوایا تھا۔ اس حجر پر یہ تاریخ کندہ تھی:

پیش آثارِ مبارک سرورِ آخر زماں
در زمانِ شاہ عالمگیر خاقانِ جہاں
با سیادت ساخت دیوارِ حجر از سنگِ سرخ
بندۂ با اعتقاد از صدقِ دل الماس خاں
سالِ تاریخ بنا چوں میر جست از عقل و ہوش
گفت ہاتف، بہر خود وا کرد ابواب جناں

۱۱۶۴ھ م ۱۷۰۵ء

حجر کی اس تاریخ سے یہ واقعہ سامنے آتا ہے کہ جامع مسجد دہلی میں تبرکات کا داخلہ ۱۷۰۵ء میں ہوا ہوگا۔ ممکن ہے اس سے قبل کسی کے پاس کہیں اور بھی رہے ہوں۔ ۱۸۴۲ء میں ایک زبردست آندھی کے صدمے سے جب یہ حجر گر ٹوٹا تو بہادر شاہ بادشاہ نے اسے از سرِ نو تعمیر کرایا۔ کچھ مدت بعد یہ بھی نہ رہا۔ اس حجر کی عمارت کے آثار مسجد کے دالان اور مینار کی دیواروں میں اب تک نظر آتے ہیں۔ مندرجہ بالا کتبہ بھی تلف ہو چکا ہے۔ بادشاہ کے اپنے روزنامچے میں بھی اس طرح درج ہے:

"۲۵۔ جون ۱۸۴۷ء زردی کے کام کی منقش چادر
جو جامع مسجد کے آثار شریف کے واسطے تیار کرائی
تھی وہ تیار ہو کر آ گئی۔ بادشاہ سلامت نے اسے
بہت پسند فرمایا اور بنانے والے کو انعام دیا۔"

(بہادر شاہ کا روزنامچہ ص۶۲ مؤلفہ خواجہ حسن نظامی مطبوعہ جامعہ پریس دہلی ۱۹۳۹ء)

عہد شاہ جہانی سے شمالاً اور جنوباً ہر دو سمتوں میں مغرب کی جانب دونوں دالانوں کے آگے سنگ سرخ کا ایک چبوترہ بھی چلا آتا تھا چونکہ مسجد کے اصل صحن سے یہ چبوترہ قدرے اونچا تھا اور چڑھتے وقت بعض اوقات لوگ ٹھوکر کھاتے تھے اس لئے بموجب رجسٹر روداد، جلد اول اجلاس منتظمہ مجلس، جامع مسجد، دہلی مورخہ ۱۳ر اکتوبر ۱۹۰۲ء کو یہ تجویز ہوا کہ دونوں چبوترے توڑ کر اصل فرشِ صحن کے برابر کر دیا جائے چنانچہ اس قرارداد کے تحت بعد میں ایسا ہی کیا گیا۔

(۱۸۵۷ء میں عہد آزادی کے بعد جامع مسجد دہلی بحق سرکار ضبط ہو گئی تھی۔ ۲۷۔ نومبر ۱۸۶۲ء میں واگزاشت ہوئی۔ اس کا انتظام ایک مجلس منتظمہ کے سپرد ہوا جس کے باقاعدہ اجلاس ہوتے تھے اور ان کی کارروائی قلمبند ہوتی تھی۔ ۱۹۳۶ء میں راقم الحروف نے بسلسلۂ تصنیف "تاریخ جامع مسجد دہلی" ان رجسٹرہائے روداد کا جو تین ضخیم جلدوں پر مشتمل تھے، باقاعدہ مطالعہ کیا تھا۔ چنانچہ جنوری ۱۸۷۰ء سے ۲۳ جون ۱۹۳۶ء تک کے جلد ضروری اور تاریخی اقتباسات کی نقل اب تک میرے پاس محفوظ ہے کچھ مدت بعد یہ تینوں رجسٹر بعض ارکانِ مجلس کی سازش کے ہاتھوں مسجد سے غائب ہو کر تلف ہو گئے!)

ان تبرکات کو مغرب سے مشرق کی سمت منتقل کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اکثر مسلمان اس پر معترض ہوتے تھے۔ ان لوگوں کی حجت یہ تھی کہ جہاں یہ تبرکات رکھے ہوئے ہیں وہ سمتِ قبلہ ہے

؎ "واقعاتِ دارالحکومت دہلی" مولوی بشیر الدین مرحوم، خلف ڈپٹی نذیر احمد مرحوم (جلد دوم ص۹ مطبوعہ آگرہ ۱۹۱۹ء)

—— لہٰذا ان تبرکات کی موجودگی میں اس طرف سجدہ کرنا نا درست ہے۔ اس شکایت کے علم بردار حضرت مولانا نذیر حسین محدث دہلوی مرحوم بھی تھے جو اپنے زمانے کے ایک مقدس عالم اور برگزیدہ شخصیت تھے۔ (پیدائش ۱۸۰۵ء، وفات ۱۳۔ اکتوبر ۱۹۰۲ء مدفن قبرستان شیدی پورہ، دہلی)۔ چنانچہ اُن کی تحریک یا تائید سے ان تبرکات کو مشرقی دالان کے حجرے میں منتقل کر دیا گیا۔

اس حجرے کی بیرونی محراب میں ایک خوبصورت صندلی قبہ بھی بنا ہوا ہے۔ یہ قبہ حضرت بہادر شاہ بادشاہ دہلی کی یادگار ہے۔ اس لحاظ سے یہ آثار جنگ آزادی ۱۸۵۷ء سے قبل کسی وقت ادھر منتقل کئے گئے تھے۔ (یادگار دہلی مؤلفہ سید ولی اللہی ص ۳۹ مطبوعہ ۱۹۰۲ء)۔

"واقعات دارالحکومت دہلی" میں ان تبرکات کے متعلق یہ درج ہے کہ "یہ درگاہ شریف اور یہاں کے تبرکات بہت قدیم بتلائے جاتے ہیں۔ بعض تبرکات امیر تیمور کو بایزید بادشاہ روم سے پہنچے تھے اور بعض قسطنطنیہ سے لائے گئے ہیں"

تبرکات کی تفصیل یہ ہے:

چند پارے قرآن مجید نوشتہ حضرت علیؓ، چند پارے قرآن مجید نوشتہ حضرت امام حسنؓ، قرآن مجید کامل نوشتہ حضرت امام حسینؓ، چند پارے نوشتہ حضرت امام جعفر صادقؒ، موئے مبارک حضرت صلعم (ایک ڈبیہ میں دو بال ٹین کی نلکی میں)، نعلین شریف حضرت صلعم، قدم شریف حضرت صلعم، غلاف مزار اقدس حضرت صلعم، پنجہ شریف حضرت علیؓ، چادر مبارک حضرت فاطمہؓ، غلاف مبارک کعبہ شریف، جبہ شریف حضرت صلعم۔ ("واقعات دارالحکومت دہلی" جلد دوم، ص ۱۱۱ مطبوعہ آگرہ ۱۹۱۹ء)۔

مختصراً یہ معلوم ہوتا ہے کہ ۱۷۰۵ء سے ۱۸۵۷ء تک تمام شاہان وقت اور ان کے امراء اور وزراء اور خواص و عوام ان تبرکات کی زیارت کرتے چلے آ رہے ہیں۔ عہد سابقہ میں بادشاہ کی جانب سے ان تبرکات کے متولی وقت کو جمعۃ الوداع کے دن بارہ اشرفیاں بطور نذر دی جاتی تھیں۔

زمانۂ سلاطین میں ہر ماہ قمری کی تاریخوں کے حساب سے ان آثار کی زیارت کے لئے ایک مخصوص دن مقرر تھا۔

(۱) محرم: جمعہ اول و آخر اور آخر چہار شنبہ

(۲) صفر: اس ماہ میں شاید کسی دن بھی زیارت نہیں ہوتی تھی۔ ربیع الاول: ۱۰ تا ۱۲ تاریخ۔

ربیع الثانی: ۱۱۔ تاریخ۔ جمادی الاول: ۱۳ تا ۱۶ تاریخ

جمادی الثانی: جمعہ اول۔ رجب: ۲۷۔ تاریخ۔

شعبان ۱۴۔ تاریخ۔ رمضان: جمعۃ الوداع۔

شوال: ۲۰ تاریخ۔ ذیقعدہ ۱۴۔ تاریخ

ذی الحجہ: ۹۔ تاریخ۔

یعنی پورے سال میں ۱۱ یا ۱۲ مرتبہ زیارت کی جاتی تھی۔ ان تاریخوں یا دنوں کے علاوہ ہر جمعہ کو بعد نماز صرف قدم مبارک کی زیارت ہوتی تھی۔ شب معراج میں رجبی شریف کی مجلس اور محفل میلاد کی تقریب بڑے تزک و احتشام سے منائی جاتی تھی۔ اسی طرح عشرہ محرم میں بروز عاشورہ سید الشہداء کی نیاز میں بھی اسی قدر اہتمام او تکلف ہوتا تھا۔ یہ آخر الذکر نیاز سید عبد العزیز شاہ، متولی وقت و سجادہ نشین درگاہ آثار مبارک جامع مسجد قلعہ معلی میں جا کر خاص محل بہادر شاہ میں دیا کرتے تھے۔ طریق مجلس یہ تھا:

سجادہ صاحب ایک مسند خاص پر گاؤ تکئے کے سہارے بیٹھتے۔ اس وقت ان کے عقب میں بہادر شاہ ایک مورچھل لے کر مگس رانی کرتے۔ مسند کے قریب ہی ایک پر تکلف دستر خوان پر طرح طرح کی مٹھائیاں، انواع و اقسام کے پھل اور میوہ جات، شیر برنج کی فقلیاں اور ایک چینی کے پیالے میں صندل مالیدہ ہوتا تھا۔ سجادہ صاحب اول صلوٰۃ و سلام اور چند آیات قرآن مجید زبانی تلاوت کرتے۔ پھر شجرۂ شاہان مغلیہ پڑھ کر دعا کرتے۔ بعد ازاں حضرت بہادر شاہ سجادہ صاحب کے رخساروں پر اپنے ہاتھ سے صندل کی لکیریں بناتے۔ جونہی یہ رسم انجام پاتی، حاضرین مجلس کو

اشیاء نیاز میں سے حصّہ ملتا اور تھلیاں تقسیم ہوتیں۔ سجادہ حصّا کو بارہ خوان خاصہ اور میوہ جات علیحدہ نذر کئے جاتے۔

۱۸۵۱ء میں جب گورنر جنرل انڈیا دہلی آئے تو بعد زیارتِ مسجد و تبرکاتِ درگاہ پانچ سو روپے کی نذر پیش کی۔ اسی طرح کرنیل طامسن نے حکومت ہند سے دو سو روپے سالانہ عیدین کے لئے مقرر کرائے۔ وقتاً فوقتاً یونہی تمام گورنر جنرل ہندوستان اور ہندو، مسلمان والیان ریاست بالخصوص امیر حبیب اللہ خاں والئی کابل، نظام دکن، نواب رام پور، جاورہ، ٹونک، اندور، گوالیار اور میسور کے رئیسانِ وقت نے جامع مسجد اور اس کے تبرکات کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔

۱۸۵۷ء کے پرآشوب زمانے میں جب دہلی میں لوٹ مار بازار گرم تھا تو کسی ستم شعار کے ہاتھوں جامع مسجد کے یہ تبرکات بھی گم ہوگئے تھے۔ مگر ۱۸۶۲ء میں حسنِ اتفاق سے حافظ نصیرالدین مرحوم اور دیگر سوداگرانِ حفت کو کسی طرح یہ علم ہوگیا کہ فلاں جگہ یہ تبرکات موجود ہیں اس اطلاع کا ملنا تھا کہ اُن شیر دل لوگوں کی دھاڑ کی دھاڑ نے اس مکان پر ہلّہ بول دیا آن کی آن میں غاصب سے ان کو واپس لے لیا۔ یہ افواہ غلط ہے کہ ان میں سے کچھ تبرکات ضائع ہوگئے تھے۔

یہ تمام تبرکات جوں کے توں دوبارہ درگاہ جامع مسجد میں داخل ہوگئے لیکن نئے انتظام کے ماتحت مجلس منتظمہ نے عبدالعزیز اور میر محمدی متولیان سابق کو بدستور متولی قرار دینے کے بجائے ان کو جامع مسجد کے ملازمین میں شامل کرلیا۔ اس طرح یہ کمیٹی ان تبرکات کی خود مالک و نگراں بن کر ان دونوں صاحبان کی ماہانہ تنخواہ اور درگاہ کے تمام مصارف، روشنی و شیرنیِ ختم وغیرہ کی خود کفیل ہوگئی۔ اس کے بعد متولیوں میں باہمی مقدمہ بازی ہوئی اور مجلس منتظمہ سے بھی مقدمہ چلا۔

اکتوبر ۱۸۹۶ء میں مجلس منتظمہ نے جامع مسجد کی آمدنی میں اضافہ کرنے کی غرض سے انگریز، اور سیاحانِ عالم کو چھوڑ کر جملہ غیر مسلم زائرین مسجد و درگاہ کے واسطے اول دو پیسے، بعد ازاں ایک آنے کا پاس داخلہ جاری کردیا۔

قدم شریف دہلی

لاہوری دروازے کے جنوب میں تقریباً ۱½ میل کی راہ پر یہ درگاہ واقع ہے۔ فی الاصل یہ شہزادہ فتح خاں کا مقبرہ ہے۔ اس کا انتقال ۱۳۷۴ء میں ہوا تھا۔ یہ شہزادہ، فیروز شاہ تغلق کا بہت ہی محبوب فرزند تھا۔ چنانچہ سلطان موصوف نے اپنے جوشِ محبتِ پدری میں تیمناً و تبرکاً حضرت صلعم کا وہ قدم مبارک جس کو سید جلال الدینؒ بخاری، جہانیاں جہاں گشت، عہد فیروز شاہ میں مکہ معظمہ سے دہلی تک اپنے سر پر رکھ کر لائے تھے بوقتِ تدفین شہزادہ فتح خاں کے سینے پر رکھ دیا۔ گرد و نواح میں ایک مسجد و حوض، مدرسہ اور چند مکانات بھی تعمیر کرادیئے۔ اس مقبرے کے مشرق و مغرب میں پختہ دالانوں کے اندر خاندان فیروز شاہ تغلق کے بعض اور لوگوں کی قبریں بھی ہیں۔

فتح خاں کی قبر پر سنگ مرمر کا ایک تعویذ حوض کی شکل کا ہے۔ اس کے وسط میں سنگِ "قدم شریف" رکھا ہوا ہے۔ یہ قدم جو فتح خاںؒ کے سینے پر ہے، اگر قبر کے پاس کھڑے ہوں تو صاف نظر آتا ہے۔ یوں تو اس حوض میں ہمیشہ پانی بھرا رہتا ہے اور اس پر پھول تیرتے رہتے ہیں لیکن عرس اور بعض مواقع پر دودھ اور شربت سے بھی لبریز ہو جاتا ہے۔ اسے زائرین میں بطور تبرک تقسیم کیا جاتا ہے۔ اہلِ عقیدت اسے شیشیوں میں بھر کر اپنے گھر بھی لے جاتے ہیں۔

یہ مقام، جب تک ہم دلّی میں رہے اور اب بھی زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔ ہر سال ماہ ربیع الاول کی پہلی سے بارہ تاریخ تک یہاں عرس ہوتا ہے، پنکھے چڑھتے ہیں، علماء و مشائخ اور جملہ عوام قدمِ رسولؐ کی زیارت کرتے ہیں، روزانہ مجالسِ سماع بھی ہوتی ہیں۔ اس قدم مبارک کے مستند یا غیر مستند ہونے کے ثبوت میں بہت سی روایات ملتی ہیں۔ ہم چند روایات کا اقتباس جو اثبات اور نفی دونوں میں ہے "واقعات دارالحکومت دہلیؒ" سے لے کر یہاں درج کرتے ہیں:

جن اصحاب نے اس معجزے سے انکار کیا ہے کہ اگر قدمِ رسولؐ پتھر پر پڑتا تھا تو آپ کے دونوں قدم اس میں دھنس جاتے تھے اور جب مٹی پر پڑتا تھا تو کوئی نشان نہ رہتا تھا ان کے

اسمائے گرامی یہ ہیں:

(ا) قاری محمد فریدالدین شہید، مصنف رسالہ سیف المسلول علی من انکر اثر قدم الرسولؐ۔

(ب) حافظ محمد عمر دہلوی الملقب بہ شاہ سراج الحق، مصنف رسالہ اردو، الاستشفاع والتوسل بآثار الصالحین وسید الرسل۔

افسوس ہے کہ مصنف "واقعات دارالحکومت دہلی" نے ان کتب کا کوئی اقتباس اپنی تصنیف میں شامل نہیں کیا۔ جو حضرات اس معجزۂ قدم رسولؐ کو تسلیم کرتے تھے وہ یہ ہیں:

(۱) حضرت شاہ محمد اکرم، مصنف تذکرۃ العلما۔ وہ اس تذکرے میں حضرت خواجہ باقی باللہ کے حالات میں یوں لکھتے ہیں:

"حضرت خواجہ باقی باللہ مدام بوقتِ شب
در درگاہ قدم شریف حاضر می شدند و تمام
شب نزد قدم مبارک آں سرورؐ مراقبہ می
فرمودند تا آں کہ کمالِ ظاہری و معنوی
حاصل شد" (واقعات دارالحکومت دہلی،

ج، ۲، ص ۱۴۵)

(۲) حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ اپنے بھائی سے ایک فارسی نظم میں یوں مخاطب ہوتے ہیں:

"گاہے بسوئے مقام خواجہ
آئی و شوی غلام خواجہ
آرے گذری بہ حوض سلطاں
چوں خضر بنوشی آبِ حیواں
گر کرو زشوق پائے تا سر
آئی سوئے قدمِ پیمبر (کذا)
بوسی قدم شریفِ آں را
مالی رخ خود بخاکِ آں پا"

(۳) مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی جب زیارت کو تشریف لے جاتے تو یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

"ایں قدم گاہے مبارک خادمش رضوان شد
چہ عجب روح الامیں ہم بر درش، دربان شد"

(۴) اور بھی اکابر دین، مثلاً مولانا شاہ عبداللطیف ور، مولانا شاہ رفیع الدین، مولانا شاہ غلام علی وغیرہم بھی بکمال خشوع و خضوع و حسن ادب قدم مبارک کی زیارت سے فیض یاب ہوتے تھے۔

(۵) علامہ شرف الدین بامیری (بہاری) صاحب قصیدہ بردہ اور ابن خطیب محدث صاحب قصیدہ بردہ دیگر کا ایک ایک شعر ہے:

اَوْیلُنْثِمُ التُّرَابُ من قَدَم
لَانَتْ حَیَاءً مِنْ مَشْیِهَا الصَّفْوَاءِ

(جوں ہی آپ کے قدم مبارک کو مٹی چومتی ہے تو پتھر شرم و حیا سے نرم (یا پانی پانی) ہو جاتا ہے)

وَکَذٰلِكَ لَا اَثَرُ مَشْعُكَ فِی الثَّرٰی
وَالصَّخْرُ قَدْ غَاصَتْ بِهٖ قَدَمَاكَ

(آپ کے چلنے سے مٹی پر تو نشان نہ پڑتا اور پتھر میں آپ کے دونوں قدم دھنس جاتے تھے)

(۶) (دیکھئے حضرتؒ کا تولیت نامہ)۔

حوض یا تالاب شمسی، مہرولی، دہلی

اس تالاب کو شمس الدین التمش نے ۱۲۲۹ء میں بنوایا تھا۔ اس کے متعلق دو روایتیں عام ہیں۔ اول یہ کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمۃ اور بادشاہ موصوف نے بیک وقت حضرت علیؓ کی خواب میں زیارت کی۔ یہ بادشاہ خواجہ صاحب کا بہت معتقد تھا۔ بادشاہ نے ان سے اس خواب کی تعبیر دریافت کی۔ خواجہ صاحب نے جواب میں فرمایا کہ وہاں ایک تالاب بنوا دو۔ بادشاہ نے تالاب کے وسط میں ایک خوش نما برج بھی بنایا تھا۔ اس وقت یہ برج تالاب کا پانی خشک ہونے کی وجہ سے جنوب مغربی گوشے میں نظر آتا ہے۔ اس برج کے چبوترے کے وسط میں گھوڑے کے نعل سے مشابہ ایک قدم کا نشان ہے۔ کہا جاتا ہے کہ آنحضرت صلعم کے براق شریف کا نقش قدم ہے جب براق کا ادھر سے گذر ہوا تو اس کا نقش قدم یہاں رہ گیا۔ اسی نقش کی برکت سے یہ چشمہ پھوٹ پڑا گویا بادشاہ التمش کے لئے کہتے ہیں کہ یہ اشارہ غیبی تھا کہ تم اس متبرک مقام پر اس نشان کی یادگار میں ایک تالاب قائم کر دو۔ یہی وہ دوسری روایت ہے جو اس تالاب کے لئے عوام میں مشہور رہی۔ زیارت

تو ممکن ہے اور رفاہ عام کے لئے ہر نیک عمل توشۂ عاقبت ہے لیکن براق کا یہاں سے گزرنا اور نقش قدم سے چشمے کا پھوٹ پڑنا عقل و فہم سے بالاتر ہے اور ایسے عوامی عقیدوں کی اصلاح ہونا بڑا ضروری ہے۔

اب اکبرآباد (آگرہ) کے تبرکات کا حال سنئے:

مسجد یوسف علی شاہ، آگرہ یہ مسجد محلہ چوڑی مار ٹولہ میں واقع ہے۔ اس میں شمال کی جانب یوسف علی شاہ بانیٔ مسجد اور ان کی بیگم کی قبر ہے۔ یوسف علی شاہ کے مزار پر ایک خوشنما محراب کے اندر، پتھر میں نقش قدم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نصب ہے۔ بیگم یوسف علی شاہ کا انتقال ۱۸۶۴ء میں ہوا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ لگ بھگ اسی زمانے میں یہ قدم ان کے شوہر کی قبر پر نصب کیا گیا ہوگا۔ مستند روایت کی عدم موجودگی میں اسکے متعلق کیا کہا جاسکتا ہے (مرقع اکبرآباد ص۹۱ سعید احمد مارہروی ۱۹۳۱ء)

درگاہ قدم رسولؐ۔ سکندرہ، اکبرآباد سکندرے کی پختہ سڑک نبی کریم، مزرعہ، موضع، بودلہ میں واقع ہے گرداگرد ایک خشتی دیوار اور وسط میں درگاہ قدم حضرت صلعم بنی ہوئی ہے۔ اس کو رضا بہادر معروف بہ خدمت پرست خاں میر توزک شاہجہانی نے، ۱۰۳۷ء میں تعمیر کیا تھا۔ "آباد نمود خانۂ یزداں را" تاریخ ہے۔ مسجد کے صحن میں حوض اور حوض کے وسط میں ایک حجرے کے اندر حضرت صلعم کا قدم مبارک نصب ہے۔

اس کے متعلق بھی کوئی تاریخی مستند روایت موجود نہیں۔
(مرقع اکبرآباد ص۱۶۷)

اب ارضِ پاکستان کے مشہور تاریخی شہر لاہور کے تبرکات کا ذکر کرتا ہوں:

جامع مسجد شاہ عالمگیر، لاہور تواریخ میں مذکور ہے کہ جامع مسجد لاہور کی عمارت کا ساز و سامان دراصل عالمگیر کے بھائی داراشکوہ کا جمع کردہ تھا جس سے وہ اپنے مرشد حضرت میاں میر کا مقبرہ تعمیر کرنا چاہتا تھا لیکن انقلاب زمانہ اور اس کی بے وقت موت نے اس کے اس ارادہ کو پورا نہ ہونے دیا۔ شاہ عالمگیر نے تخت نشیں ہونے کے بعد اس سامان کو مسجد کی تعمیر میں صرف کیا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے بوقت تسلط لاہور ۱۷۹۹ء میں اس مسجد کو اپنا اسلحہ اور بارود خانہ بنالیا تھا۔ اسی وجہ سے جامع مسجد عالمگیر کے قرب وجوار کا علاقہ محلّہ بارود خانہ کہلاتا ہے۔ ۱۸۵۶ء سرکار برطانیہ نے اس مسجد کو مسلمانوں کے حوالہ کیا۔ اس مسجد کی بالائی منزل میں حسب ذیل تبرکات ایک شیشے میں محفوظ ہیں:

آثار حضرت صلعم:
سبز صافہ مع کلاہ شریف، جُبّہ شریف، چادر یا پلنگ پوش جس پر سفید اور سرخ دھاریاں ہیں، سفید پاجامہ یا تہ بند شریف، نعلین مبارک، قدم مبارک جو صندلی رنگ کے ایک پتھر پر نقش ہے، علمِ محمدی جو سفید ہے اور اس پر آیات قرآنی درج ہیں۔ غلاف مزار شریف۔

آثار حضرت علیؓ:
پارہ اول قرآن مجید بخط کوفی سفید کاغذ پر، صافہ مع کلاہ شریف۔ تعویذ (طلسم حضرت علیؓ) جو ایک کہنہ کاغذ پر ہے۔

آثار حضرت فاطمہؓ:
کڑھا ہوا رومال مبارک، قالین یا دری گلکار۔

آثار حضرت امام حسینؓ:
سورۂ یٰسین اور سورۂ صافات بخط کوفی، کلاہ و علم و رومال خون آلودہ، غلاف مزارات شریف حضرات امام حسنؓ و حسینؓ۔

آثار حضرت عبدالقادر جیلانیؒ:
صافہ شریف، لحاف شریف، جانماز شریف، غلافِ مزار متفرق۔ دانت مبارک حضرت اویس قرنیؒ۔
("لاہور" (انگریزی) خان بہادر سید محمد لطیف ۱۸۹۲ء ص۱۱۶، ۱۱۵)

یہ تمام تبرکات جامع مسجد شاہ عالمگیر میں منتقل ہونے سے قبل شیش محل قلعہ لاہور میں محفوظ تھے۔ قلعہ لاہور میں داخل ہونے سے قبل یہ مختلف مقامات پر متعدد حضرات کی تحویل میں رہے جس کا مفصل ذکر ہم آئندہ سطور میں

پیش کریں گے۔ فی الحال آپ لاہور کے باقی ماندہ تبرکات کا حال سن لیجئے:

گنبد مقبرہ غلام رسول، لاہور

ریلوے اسٹیشن لاہور کے شمال میں ایک بلند قطعۂ زمین پر ایک گنبد واقع ہے۔ اس گنبد کی عمارت میں ایک چاہ اور حوض بھی ہے۔ اس کو ایک شخص غلام رسول نے ۱۶۲۰ء میں تعمیر کرایا تھا۔ اصل گنبد میں قدم مبارک حضرت صلعم رکھا ہوا ہے۔ گنبد کے باہر حاجی جمعیت، غلام رسول اور ان کے متعلقین کا مقبرہ ہے۔ یہ گنبد ایک چار دیواری میں محصور تھا لیکن مرورِ ایام کے باعث شکستہ ہونے کے بعد ریلوے کی ملکیت میں آ گیا۔ البتہ قدم رسولؐ غلام رسول کے ورثا کو مل گیا۔ (تاریخ لاہور" انگریزی۔ سید محمد لطیف ۱۸۹۲ء ص ۱۱۶")

مصنف "تحقیقاتِ چشتی" نے اس کو خود دیکھا تھا۔ ان کی تحقیق کے مطابق اس قدم مبارک کو لانے والا ایک شخص مسعود تھا جو اسے مکہ معظمہ سے لایا تھا۔ گنبد کی محراب پر چینی مینا کاری کا ایک کتبہ نصب ہے جس میں عربی آیات کے ساتھ مسعود کا شجرۂ نسب بھی درج ہے۔ تعمیر گنبد کے وقت مسعود کے ورثا میں اس کا لڑکا جمال اس قدم کا متولی تھا۔ بعد میں حاجی جمعیت اور غلام رسول وغیرہ اس کے محافظ ہوئے۔ یہ متبرک نشان بھی محض ایک فرسودہ روایت پر ہی مبنی ہے اس لئے صداقت ظاہر ہے۔

تبرکات جامع مسجد عالمگیری کی تاریخی حیثیت:

لاہور کی مسجد شاہ عالمگیر کے قدیم تبرکات نبوی کے متعلق جو تاریخی شواہد سید جمال الدین خلف سید عزیز الدین آنریری اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر لاہور نے مرتب کئے ہیں وہ در اصل نور الدین برادر سید عزیز الدین نے لارڈ لارنس کے ایما پر فارسی میں قلمبند کئے تھے۔ ان کو سید جمال الدین نے ترجمہ کر کے انگریزی میں منتقل کیا تھا جو درج ذیل ہے:

"یہ تمام تبرکات امیر تیمور کو ۱۴۰۰ء میں جب وہ ایشیائی ترکی پر حملہ آور ہوا تھا بطور تحفہ حاصل ہوئے تھے۔ ان کے متعلق شرف الدین —— (TAZDI) "ظفر نامہ تیموری" میں اس طرح رقم طراز ہے: ۲۳ رجمادی الاول ۸۰۳ھ مطابق ۱۴۰۰ عیسوی جب تیمور نے دمشق پر فتح پائی تو شہر کی اکثر مقتدر شخصیتوں کے علاوہ وہاں کے اہلِ سادات اور قاضیوں نے امیر تیمور کی خدمت میں حاضر ہو کر متعدد تحائف اس کی نذر کئے جن میں یہ تبرکات بھی شامل تھے۔ پھر یکم ربیع الاول ۸۰۵ھ مطابق ۱۴۰۲ عیسوی میں سلطان یلدرم بایزید نے اپنے ایک وفد کے ذریعہ چند تبرکات بطور اظہار وفاداری و خیر سگالی امیر تیمور کی خدمت میں ارسال کئے۔ اس وقت سے یہ تمام تبرکات امیر تیمور اور اس کے جانشینوں کی تحویل میں رہے تا آنکہ بابر بادشاہ ان کو ہندوستان لایا۔"

(لاہور: سید محمد لطیف، ص ۱۱۶)

محمد شاہ بادشاہ کی وفات (۱۷۴۸ء) کے بعد احمد شاہ ابدالی نے محمد شاہ کی بیٹی مغلانی بیگم (جو ملکۂ زمانی دختر فرخ سیر کے بطن سے تھی) کا عقد اپنے لڑکے سے کر دیا۔ اسی زمانہ میں ملکہ زمانی نے یہ محسوس کیا کہ اب دہلی کا ماحول اس کے لئے نہ صرف ناسازگار ہے بلکہ وہاں قیام کرنا بھی دشوار ہے۔ بنا بریں اس نے دہلی کو خیر باد کہا اور جو نقد و جنس جس میں یہ تبرکات بھی شامل تھے اور اس وقت اپنے ہمراہ لے جا سکتی تھی، لے کر جموں (کشمیر) چلی گئی وہاں بھی حالات و واقعات نے کچھ ایسی صورت اختیار کی کہ ملکہ زمانی نے تنگ دستی اور دیگر اسباب سے مجبور ہو کر جموں کے ایک سربرآوردہ سوداگر کے پاس ان تبرکات کو رہن رکھ دیا۔ اسی دوران میں اس کی بیٹی مغلانی بیگم نے کابل میں انتقال کیا۔ شہزادی مرحومہ کا تابوت تدفین کے لئے دہلی روانہ کیا گیا۔ یہ تابوت ابھی راہ ہی میں تھا کہ گوجر سنگھ نامی بھنگی ایک لٹیرے ڈاکو نے میت کے ساتھ جو قیمتی لوازمات اور جواہرات تھے لوٹ لئے۔ اسی حالت میں یہ جنازہ جموں پہنچا جہاں ملکہ زمانی اپنی بیٹی کی میت کی منتظر تھی

اور اس کے ہمراہ دہلی جانے والی تھی۔ دہلی روانہ ہونے سے قبل اس نے خواہش کی کہ کسی طرح وہ رہن شدہ تبرکات اس کو واپس مل جائیں۔

حسن اتفاق سے شاہ محمد بانا اور پیر محمد چٹھہ نے جو اس وقت جموں میں مقیم تھے اپنے دونوں لڑکوں، شیخ سوہنڈا اور غلام محمد کو ملکہ زمانی کی خدمت میں بھیجا۔ یہ دونوں لڑکے اپنی کم سنی اور حسن صورت کے باعث ملکہ زمانی کو بہت پیارے لگتے تھے اور اکثر اس کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ ان دونوں لڑکوں نے اپنے اپنے باپ کی جانب سے ملکہ زمانی کی خدمت میں عرضداشت پیش کی۔ ان تبرکات کے عوض ان کی جانب سے اسّی ہزار روپے کی حقیر پیشکش قبول کی جائے۔ انہوں نے کہا کہ فی الوقت وہ اس سے زیادہ کچھ اور دینے کا مقدور نہیں رکھتے۔ ملکہ زمانی نے ان کی اس درخواست کو منظور کر کے رقم وصول کر لی اور تبرکات ان کو دے دیئے۔ یہ رقم لے کر ملکہ زمانی میّت کے ساتھ دہلی روانہ ہو گئیں۔ ادھر ان دونوں نے اپنے اپنے حصے کی رقم کے مطابق ان تبرکات کو آپس میں تقسیم کر کے اپنے اپنے گھر کی راہ لی۔

پیر محمد چٹھہ اپنے حصے کے تبرکات لے کر رسول نگر (جو اب رام نگر کہلاتا ہے) پہنچا اور وہاں قلعے کے ایک برج میں ان کو محفوظ کر دیا۔ ۱۸۰۴ سن بکرماجیتی مطابق ۱۷۹۸ء مہاراجہ رنجیت سنگھ نے چٹھاؤں کو مغلوب کر لیا اور قلعہ رسول نگر اور اس کی جملہ املاک پر جن میں یہ تبرکات بھی شامل تھے قابض ہو گیا۔ ان تبرکات کو اس نے ایک حویلی میں بڑی حفاظت کے ساتھ رکھا، یہاں تک کہ یہ اس کے مرنے کے بعد بھی اس کے ورثاء کے پاس محفوظ رہے۔

اسی سال جب یہ اطلاع ملی کہ شاہ زماں ہندوستان پر یلغار کر رہا ہے تو پورے ملک میں خوف و ہراس کی ایک لہر دوڑ گئی۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے یہ خبر پا کر اپنا تمام قیمتی مال و متاع، اپنی مشہور توپ "چٹھیاں والی" اور یہ تمام تبرکات اپنی بیوی مہتاب کنور کے پاس قلعہ مکران میں محفوظ کر دیئے۔ اس قلعے پر اس وقت اس کی ساس سدا کنور قابض تھی۔

ایک دن، ناگاہ اس قلعے میں آگ بھڑک اٹھی۔ آگ اس غضب کی تھی کہ اس نے پورے قلعے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ آن کی آن میں قلعے کی تمام چیزیں جل کر خاکستر ہو گئیں۔ جب یہ آگ قلعے کی اس خاص عمارت تک پہنچی جس کے تہ خانے میں بارود کا ایک زبردست ذخیرہ تھا، اور بالائی منزل میں، یہ تبرکات محفوظ تھے، تو یکایک یہ آگ خود بخود سرد ہو گئی۔ نہ اس عمارت کو کوئی گزند پہنچا اور نہ اس کی کسی شے پر ذرا سی آنچ آئی۔ اس حیرت انگیز واقعے کو ان تمام سکھ اور مسلمان سرداروں نے جو اس موقع پر موجود تھے، بچشم خود دیکھا تھا۔ وہ سب اس بات پر متفق الرائے تھے کہ اس بے پناہ آگ کا یکایک ایسی مخدوش عمارت کے پاس پہنچ کر سرد ہو جانا یقیناً ان مقدس تبرکات ہی کا فیض اور کرشمہ کہا جا سکتا ہے۔ لاہور کے اکثر سکھ اور مسلمان، جو اس واقعے کے عینی شاہد تھے ایک مدت تک لوگوں سے اس بات کا ذکر کرتے رہے۔

الغرض جب تک سدا کنور زندہ رہی اس نے ان تبرکات کو پہلے سے بھی زیادہ عزیز از جان رکھا۔ تاآنکہ شاہ زماں ہندوستان سے کابل واپس پہنچ گیا۔ اس وقت مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اپنی ساس، سدا کنور سے اپنی تمام اشیاء امانت واپس طلب کیں۔ سدا کنور نے مہاراجہ کو اس کی ایک ایک چیز جوں کی توں واپس کر دی لیکن ان تبرکات کو اپنے سے جدا نہ کیا۔ ۱۸۴۱ء میں سدا کنور کے مرنے کے بعد اس کی ساری املاک مع تبرکات مہاراجہ رنجیت سنگھ کے بیٹے مہاراجہ شیر سنگھ کو حاصل ہوئی۔ اس نے اس تمام سامان کو قلعہ جوونڈا میں محفوظ کیا۔ لیکن ۱۸۴۲ء میں وہ اجیت سنگھ اور لہنا سنگھ جو سندھیا والیاں کے سرداروں میں سے تھے، کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ ۱۸۴۳ء میں سردار ہیرا سنگھ (وزیر مہاراجہ دلیپ سنگھ ولد رنجیت سنگھ) نے ان دونوں سرداروں کو تہ تیغ کر کے خود برسراقتدار ہو گیا۔ اس طرح سردار شیر سنگھ کی تمام مال و دولت مع تبرکات، اس کے قبضے میں آ گئی۔ ۱۸۴۴ء میں سردار جواہر سنگھ کے ہاتھوں سردار ہیرا سنگھ کو بھی تلوار کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

سردار جواہر سنگھ نے جو اس وقت "خالصہ" حکومت کا وزیر تھا ان تبرکات کو اپنے ایک معتمد ماتحت داروغہ "قلی"

نامی کے پاس دو برس تک محفوظ رکھا۔ بعدازاں جے دیوی معروف بہ جنداں کے احکام کے مطابق ان تبرکات کو خوابگاہ کلاں کے توشہ خانے میں رکھا گیا جس کی کلید رسول جو کشمیری (سردار جیون سنگھ کے توشے خانے کا مختار) کے پاس رہتی تھی اور حافظ بدرالدین ان تبرکات پر پھول چڑھانے اور چراغاں کرنے پر مامور تھا۔ یہ عمل ایک مدت تک جاری رہا۔ بالآخر انگریزوں کے دورِ اقتدار میں حکومتِ "خالصہ" ختم ہوگئی۔

ان تبرکات کا وہ حصہ جو شاہ محمد بازا کے حصے میں آیا تھا وہ اس کے انتقال کے بعد اس کے ورثاء کے پاس محفوظ رہا تاآنکہ میرے چچا سید نورالدین نے ان سے ہدیہ دے کر لے لیا۔"

مندرجہ بالا اطلاعات، فقیر سید نورالدین ہی کے ریکارڈ سے حاصل کی گئی ہیں جنہوں نے ۱۸۵۳ء میں لارڈ لارنس کے ایماء پر اپنے زمانے کے زندہ بزرگوں سے پوچھ کر یا مرحوم بزرگوں کی روایات کو تحقیق کرنے کے بعد قلمبند کیا تھا۔

تبرکات کی اس تاریخی تفصیل کے بعد اب ہمیں ان تمام روایات کا تجزیہ کرنا چاہیئے تاکہ اس تجزیئے کی روشنی میں ہم ان تبرکات کی اصل حقیقت سے واقف ہوسکیں۔ ہم نے بخوف طوالت پاک وہند کے صرف تین شہروں، دہلی، آگرہ اور لاہور کے تبرکات کا ہی ذکر کیا ہے۔ ان تینوں شہروں میں، دہلی اور لاہور کے تبرکات اپنی نوعیت وکثرتِ تعداد اور طویل تاریخی واقعات کے باعث بہت اہم اور غور طلب ہیں لیکن تبرکات جامع مسجد و قدم شریف دہلی اور جامع مسجد لاہور کے ماسوا اہم تمام تبرکات پر پہلے ہی تبصرہ کرتے چلے آئے ہیں، لہٰذا اس وقت ہمارے زیر بحث صرف اول الذکر تین مقامات کے تبرکات ہی ہیں۔

تاریخ لاہور اور واقعات دارالحکومت دہلی جیسے مستند مآخذ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تبرکات امیر تیمور کے مہیا کردہ تھے جو اس کو فتح دمشق کے بعد ۱۴۰۲ء میں دمشقی امراء اور سلطان یلدرم بایزید سے بطور تحفہ حاصل ہوئے تھے۔ ۱۴۰۴ء میں امیر تیمور کا انتقال ہوگیا۔ گویا یہ تبرکات صرف دو برس اس کے پاس رہے۔ اس نے بذات خود ان کو کہیں داخل نہیں کیا بلکہ اس کے انتقال کے بعد اس کے ورثاء کی تحویل میں آئے تاآنکہ بابر بادشاہ اپنے عہد (۱۵۲۶ء تا ۱۵۳۱ء) میں ان کو ہندوستان لایا۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بابر کی وفات (۱۵۳۱ء) سے عالمگیر کی وفات (۱۷۰۷ء) تک یا دو برس قبل (۱۷۰۵ء) تک کہ اس سال تبرکات جامع مسجد دہلی، درگاہ جامع مسجد میں داخل ہوئے ۱۷۵ برس کی یہ وہ طویل مدت ہے جس میں پاک وہند کے ہمایوں، اکبر، جہانگیر اور شاہجہاں کی حکومت رہی۔ ان بادشاہوں کے اس طویل عہد حکومت میں ہمیں نہ تو تبرکات جامع مسجد دہلی کا کوئی ذکر اور سراغ ملتا ہے اور نہ تبرکات جامع مسجد لاہور کا۔ بابر کے متعلق صرف اتنا ہی تو کہا گیا ہے کہ وہ ان تبرکات کو ہندوستان لایا تھا۔ لیکن اس نے ان تبرکات کو ہندوستان میں لاکر کہاں رکھا؟ اس کا پتہ نہیں چلتا۔ ظاہر ہے کہ جامع مسجد دہلی اور لاہور دونوں مساجد کا اس وقت کوئی وجود ہی نہ تھا۔

الماس علی، خواجہ سرا نے تو تبرکات جامع مسجد دہلی کے احترام اور زینت کے خیال سے ۱۷۰۵ء میں صرف سنگِ سرخ کا حجرہ بنایا تھا۔ اس کے نصب کردہ کتبے سے یہ بات ظاہر نہیں ہوتی کہ ان تبرکات کو اسی نے وہاں داخل کیا تھا۔ اگر ان تبرکات کو خود عالمگیر داخل کرتا تو اس بات کا تذکرہ تاریخ میں ضرور آتا۔ اگر تاریخ داخلۂ تبرکات، تاریخ بنا حجرہ ہی کو صحیح تصور کیا جائے تو ۱۷۰۵ء سے ۱۸۵۷ء تک اور ۱۸۵۷ء سے اس وقت تک واقعات کی تمام کڑیاں ایک دوسرے سے پیوستہ اور سالم نظر آتی ہیں۔ البتہ یہ سوال اپنی جگہ پھر بھی قائم رہتا ہے کہ جامع مسجد دہلی میں تبرکات کس نے داخل کئے؟

ماخذ کی اس عدم موجودگی میں، اتمام حجت کے لئے یا محض کاربرآری کے لئے ہم محمد شاہ بادشاہ کی محل ملکہ زمانی کے تبرکات جنہیں وہ ۱۷۶۱ء میں دہلی سے جموں لے گئی تھی بلا استثناء جامع مسجد دہلی کے تبرکات ٹھہرا سکتے تھے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ یہ تبرکات اول رہن ہوئے، پھر قید رہن سے نکل کر اول شاہ محمد بازا اور پیر محمد چٹھا کے ہاتھ ہدیہ ہوئے۔ پیر محمد چٹھا کے حصے کے تبرکات سکھ راجاؤں اور سرداروں کے پاس سے منتقل ہوتے ہوئے

انگریزوں کے عہد میں لاہور پہنچے اور شاید انہی کی توجہ سے جامع مسجد لاہور میں داخل ہوئے۔ اسی طرح شاہ محمد آنا کے حصے میں آئے ہوئے تبرکات اس کے انتقال کے بعد اس کے ورثاء میں منتقل ہوتے ہوئے فقیر سید نورالدین کو ہدیہ ہوئے اور شاید اسی بزرگ اور عقیدت مند ہستی نے ان کو جامع مسجد لاہور میں داخل کیا۔ چنانچہ اس وقت سے اب تک وہیں سلامت اور محفوظ ہیں۔ اس لحاظ سے تبرکات ملکیت ملکہ زمانی کے واقعات از ابتدا تا انتہا اپنی جگہ مکمل ہو جاتے ہیں۔ ان میں کہیں کوئی خلا نظر نہیں آتا۔ لہٰذا ان تبرکات متعلقہ جامع مسجد لاہور کو تبرکات مخصوص بہ جامع مسجد دہلی سے ہم کسی طرح منسوب نہیں کر سکتے۔ اگر ہم ایسا کرتے ہیں تو ہمیں یہ بھی ثابت کرنا پڑے گا کہ ۱۷۰۵ء تاریخ داخلہ یعنی داخلہ کے بعد کسی وقت یا ۱۷۶۱ء میں یہ تبرکات درگاہ جامع مسجد دہلی سے برآمد ہو کر محمد شاہ بادشاہ کی محل ملکہ زمانی کو حاصل ہو گئے تھے۔ علاوہ ازیں ہمیں اس بات کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے کہ جامع مسجد لاہور کے تبرکات شمار میں (۲۲) ہیں اور جامع مسجد دہلی کے تبرکات کی تعداد، جہاں تک 'واقعات دارالحکومت دہلی' میں درج ہے اور ہمیں ذاتی طور پر معلوم ہے، صرف بارہ ہے۔ اور پھر بحث یہاں صرف اعداد و شمار ہی کی نہیں بلکہ باعتبار نوعیت و اسم آثار جامع مسجد دہلی اور لاہور کے جملہ (۳۴) تبرکات میں سے حضرت صلعم کا جبہ یا چغہ، نعلین، قدم اور غلاف مزار، پارہ قرآن مجید نوشتہ حضرت علیؓ و حضرت امام حسینؓ صرف یہ چھ چیزیں مشترک اور ہم نام نظر آتی ہیں باقی ۲۸ چیزیں جو جامع مسجد لاہور میں ہیں مذکورہ چھ تبرکات سے قطعاً مختلف ہیں۔

لہٰذا اب بھی ہمارا یہ سوال اپنی جگہ جوں کا توں باقی رہا کہ جامع مسجد دہلی میں تبرکات کس نے داخل کئے اور جامع مسجد لاہور کے تبرکات جو محل محمد شاہ بادشاہ کی ملکیت تھے ۱۷۶۱ء سے قبل اس کی ملکیت میں کب اور کیوں کر آئے؟ زیادہ سے زیادہ آخر الذکر تبرکات جامع مسجد لاہور کے لئے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہ وہی تبرکات ہوں گے جو بابر ہندوستان لایا تھا۔ اس کی وفات کے بعد یہ اس کے جانشین شاہانِ دہلی کے پاس یکے بعد دیگرے منتقل ہوتے ہوئے محل محمد شاہ بادشاہ کو حاصل ہوئے اور بعد ازاں جامع مسجد لاہور میں داخل ہو گئے۔ اور جب معاملہ محض قیاس ہی پر ٹھہرا تو ہم نہایت آسانی کے ساتھ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ بابر کے ورثے میں شاید جامع مسجد دہلی کے تبرکات بھی ملے ہوں گے اور وہ بھی اس کے جانشینوں میں سے کسی بادشاہ کے ذریعہ جامع مسجد دہلی میں داخل ہو گئے ہوں گے۔

جہاں تک قدم شریف دہلی کے نقش قدم حضرت صلعم کا تعلق ہے اس کے متعلق ہم بیان کر چکے ہیں کہ وہ فیروز شاہ تغلق کے بیٹے، شہزادہ فتح خاں کے سینے پر اس کی قبر میں نصب ہے۔ اسکے متعلق روایت ہے کہ اسے فیروز شاہ تغلق نے حضرت سید جلال بخاری، جہانیاں جہاں گشت کے ذریعہ خلیفۂ مصر آں وقت کو ایک کروڑ ۱۳ لاکھ روپے ہدیہ بھیج کر دہلی منگایا تھا۔ اس واقعے کی تصدیق میں بڑی مؤثر اور مستند شہادتیں موجود ہیں جو اپنے مقام پر پوری تفصیل کے ساتھ درج ہو چکی ہیں۔ لہٰذا ان بزرگانِ دین کی تحقیق و تصدیق کے بعد جو اعلائے کلمۃ الحق سے کبھی گریز نہ کرتے تھے کسی کو جرأتِ انکار نہیں ہو سکتی۔

ان تبرکات نبویؐ اور آثار اہلِ بیت و یاران نبیؐ کے بارے میں حرفِ آخر یہ ہے کہ ان کی زیارت و حرمت اور اس سے متعلق جو رسوم ہیں ان کی بنیاد فی الاصل ہر مسلم اور غیر مسلم کے ذاتی عقائد اور نظریات پر ہی مبنی ہے۔ یہ ایک خالص علمی اور تحقیقی مسئلہ ہے۔ اس موضوع پر علمی و عقلی زاویۂ نگاہ سے روایت و درایت کے مسلمہ دستور کی روشنی ہی میں بحث کی جا سکتی ہے جس کی یہاں آمد نفت گنجائش نہیں لیکن ہمارا ایمان تو یہ ہے کہ ہمارے پاس سب سے بڑی امانت قرآن کریم موجود ہے اور اسوۂ حسنہ نبوی ہے جن پر عمل کرنا ہی ہمارا اصل ایمان ہے اور وہی ہمارے لئے سب سے بڑا وسیلۂ شیفتگی و عقیدت ہے۔

●

احمد فوڈ انڈسٹریز لمیٹڈ کراچی
کی خاص پیشکش
تازہ پھلوں اور پھولوں سے تیار کردہ
شربت نورس
اور بہترین آموں سے تیار شدہ
احمد مینگو سکویش
سے موسم گرما کو خوشگوار بنائیے اور
تحفہ
مفت حاصل کیجئے
شربت نورس اور احمد کے مینگو سکویش
کی ہر بوتل پر ایک ایک گفٹ ٹوکن باندھا گیا ہے۔ ان ٹوکنوں
کو اپنے پاس محفوظ کر لیجئے اور ۳۱ جولائی سے پہلے کراچی میں تین
اور مغربی پاکستان کے دوسرے مقامات پر چار ٹوکن دیکر
کسی بھی دوکاندار سے ہماری ایک خوبصورت اسٹیل ٹرے
حاصل کیجئے۔
مشروب وقت نورس
شربت نورس کی خوبیوں سے
کون واقف نہیں
مفرح اور مقوی ہونیکے ساتھ ساتھ
اس شربت کی انوکھی لذّت نے اسے
خواص و عام میں انتہائی مقبول
بنا دیا ہے۔ آپ بھی پیجئے اور
احباب کو بھی پیش کیجئے۔
NAURUS
SYRUP
شربت نورس
AHMED
MANGO
احمد مینگو سکویش
پر تکلف تواضع کی ابتدا
احمد مینگو سکواش ہی
سے کی جاتی ہے
کیونکہ اس کو بہترین
اور تازہ آموں سے
تیار کیا جاتا ہے
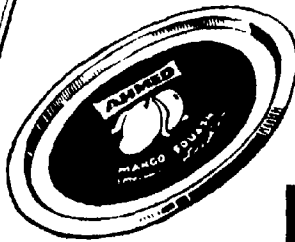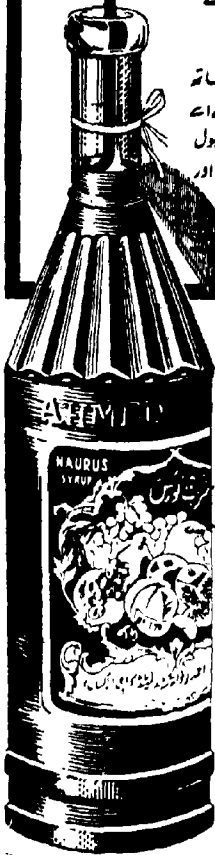
پی، آئی، اے کے پائلٹ

دُنیا کے بہترین پائلٹوں میں کیوں شمار ہوتے ہیں؟

پی، آئی، اے کے پائلٹ دُنیا بھر میں ہر جگہ بہترین پائلٹوں میں شمار ہوتے ہیں۔ آخر کیوں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ خواہ وہ کتنے ہی تجربہ کار یا سینئر کپتان ہی کیوں نہ ہوں، اُن کے لئے طویل اور پُرمشقت تربیتی کورس ہمیشہ لازمی ہوتے ہیں تاکہ وہ پوری طرح چوق و چوبند رہیں اور ان کی فنی صلاحیت ہر لحظہ بڑھتی رہے۔ پی، آئی، اے کی بین الاقوامی جٹ سروس کا ہر پائلٹ دو ملکوں پاکستان اور امریکہ کا لائسنس یافتہ ہوتا ہے اور ان میں ہر ایک اپنے کام سے دِلی لگاؤ رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حال ہی میں ایک امریکی ٹریول ایجنٹ نے جس کا شمار غالباً دنیا کے سب سے زیادہ تجربہ کار سفری نقادوں میں ہوتا ہے پی آئی اے سے سفر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ "پی آئی اے کے طیارے جس نفاست اور سہولت سے زمین پر اترتے ہیں اس کا جواب نہیں"۔ ایک اور سفری نقاد کا کہنا ہے کہ "میں نے پی، آئی، اے جیسے تجربہ کار اور ماہر پائلٹ کہیں نہیں دیکھے"۔

پی، آئی، اے ایک ایسی ایئر لائنز ہے جس پر بجا طور پر فخر کیا جا سکتا ہے کیونکہ پی آئی اے اور خصوصاً اس کے پائلٹ واقعی باکمال لوگ ہیں اور ان کی پرواز واقعی لاجواب ہے۔

PIA

تفصیلات کے لئے براہ کرم اپنے ٹریول ایجنٹ یا پی، آئی، اے کے کسی دفتر سے رجوع کیجئے

پاکستان انٹرنیشنل ایئر لائنز — باکمال لوگ لاجواب پرواز

ڈھاکہ — کراچی — تہران — بیروت — روم — فرینک فرٹ — جنیوا — لندن — نیویارک

جتنی وسعتیں اتنی ہی پابندیاں!

ہمارے اس کام میں اتفاقات کی مطلقاً کوئی گنجائش نہیں، چونکہ ذرا سی چوک سے جان اور مال کا بڑا نقصان ہو سکتا ہے۔ اسی امر کو مدنظر رکھتے ہوئے برما شیل کے شعبہ پرواز کے کارکنوں کو ان تین اہم امور کی تربیت دی جاتی ہے اولاً تحفظ و احتیاط، دوسرے فیول بھرنے میں سُرعت و صفائی، تیسرے صحیح قسم کے فیول اور تیل کی مسلسل رسد۔

یہ شعبہ پرواز کی خدمت برما شیل کی جملہ خدمات کا محض ایک پہلو ہے اس کے علاوہ برما شیل آپ کی ہر خدمت کے لئے حاضر ہے۔

جو فیول، تیل، گریس اور کیمیادی اشیاء، کارخانوں، کھیتوں، ہسپتالوں، گھروں یا گاڑیوں کے لئے برما شیل فراہم کرتی ہے، سب ہی اعلیٰ قسم کی ہوتی ہیں۔

خدمت اپنا افتخار
برما شیل پر اعتبار

B S P-40

"ماہ نو"

کے لئے غیر طلبیدہ مضامین

۱ — غیر طلبیدہ مضامین نظم و نثر صرف اس حالت میں واپس کئے جائیں گے جب کہ ان کے ساتھ ڈاک کے مناسب ٹکٹ روانہ کئے گئے ہوں ۔

۲ — مسترد مضامین کے سلسلے میں غیر ضروری خط و کتابت کرنے سے ادارہ کو معذور سمجھا جائے ۔

۳ — ایک ہفتہ تک اطلاع موصول نہ ہونے پر مرسلہ مضمون کو ناقابل اشاعت تصور کیا جائے ۔

۴ — ادارہ ڈاک میں کسی مسودہ کے گم ہو جانے کا ذمہ دار نہیں ۔

(ادارہ)

خوش آمدید ۔۔۔۔ بقیہ صفحہ ۸۴

یہ کہ جب طائف کا وفد اظہار اطاعت کے لئے مدینہ آیا۔ وہ طائف جس کے لوگوں نے برسوں پہلے آنحضرت کو پتھروں سے لہو لہان کر دیا تھا۔۔ تو آپ نے اسے مسجد میں ٹھہرایا، جو کسی کی زیادہ سے زیادہ عزت و احترام ہو سکتا ہے۔ وفد نے جو شرائط پیش کیں، ان کا خیال تھا انہیں بلاتامل قبول کر لیا جائے گا۔ مثلاً یہ کہ لات کو نہ توڑا جائے۔ نماز، زکوٰۃ اور جہاد کی پابندی نہ ہو۔ زنا، سود اور شراب کو جائز قرار دیا جائے۔ مگر رسولؐ گو ہر طرح مصالحت و رعایت کے قائل تھے لیکن بنیادی اصولوں میں کسی بھی مفاہمت کو گوارا نہ کرتے تھے۔ اگرچہ جہاد اور زکوٰۃ سے معافی دے دی گئی۔ لیکن جب اہلِ طائف بھی اسلام کی روح میں ڈوب گئے تو انہوں نے دیگر اسلامی احکام کی طرح ان کی بھی پابندی شروع کر دی۔ اس سے پھر قوتِ فیصلہ، دوربینی، تدبر اور مصالحت کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔ اگر کوئی اور کم نظر شخص ہوتا تو وہ سلسلۂ گفتگو کو منقطع کر دیتا اور وہ نتائج حاصل نہ ہوتے جو مصالحانہ روش سے حاصل ہوئے۔

جب نجران کے نصاریٰ کا وفد آیا تو آنحضرتؐ نے بڑی متانت اور بردباری کے ساتھ انہیں حضرت مسیحؑ سے متعلق اسلامی نقطۂ نظر ذہن نشین کیا۔ اور عملی باتیں صرف مالی معاملات تک محدود رکھیں۔

برداشت کی ایک بڑی پر لطف مثال بنو سعد کے وفد کے رئیس، ضمام بن ثعلبہ کی ہے۔ جو اونٹ کو کدا کر مسجد میں لے آیا اور آنحضرتؐ سے سوال جواب کرنے لگا۔ آپ اس ناشائستگی کا خیال نہ کرتے ہوئے جواب دینے لگے۔ اور وہ نہ صرف مسلمان ہو گیا بلکہ جاتے ہی اپنے قبیلے میں ہڑبونگ مچا دی کہ لات دعویٰ کیا ہیں۔ نبی برحق تو صرف محمدؐ ہیں۔

بنو طے کے امیر، عدی ۔۔۔۔ کا معاملہ بھی کم دلچسپ نہیں۔ وہ آنحضرتؐ کی آمد کی خبر سنتے ہی فرار ہو گیا۔ حاتم طائی کی بیٹی گرفتار ہو کر حضرتؐ کے سامنے آئی اور انہوں نے اسے اونٹ، نقد اور کپڑے دے کر شام روانہ کر دیا۔ یہ حسنِ اخلاق دیکھ کر وہ آپ کے پاس پہنچے بغیر نہ رہ سکا۔ اور جو کچھ اس نے دیکھا وہ کوئی پرشکوہ رئیس نہ تھا۔ بلکہ ایک انسان تھا جو سب کے ساتھ خوش خلقی سے پیش آتا۔ عدی اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے بلاتامل اسلام قبول کر لیا۔

بنو تمیم کا وفد بڑی بدتمیزی سے آیا اور ایام جاہلیت کے دستور کے مطابق تعلی و تفاخر میں مقابلہ کی دعوت دی۔ ایک طرف اس کا شاعر اور دوسری طرف اسلامی خطیب۔ آنحضرتؐ نے کوئی ناراضی ظاہر نہ کی اور بڑی متانت سے اس کے ساتھ بات چیت کرتے رہے۔ ظاہر ہے کہ ان کی جگہ کوئی اور ہوتا تو لطف و عنایت سے پیش آنا کجا ان سے کلام تک کرنے کا روادار نہ ہوتا۔

انتہا یہ ہے کہ آنحضرتؐ مسیلمہ کذاب کے قاصدوں کے بیہودہ پیغام پر بھی برافروختہ نہیں ہوئے۔ حالانکہ ان کا سر قلم کر دینا بالکل بجا ہوتا، بلکہ اپنی طبعی متانت کے ساتھ اس کا جواب دیا۔

پیغمبر اسلام نے خود جو وفد دوسرے ملکوں میں بھیجے ان کو بھی یہی ہدایت تھی کہ وہ ان ہی کے نقش قدم پر چلیں اور مسلمانوں کا صحیح نمونہ بن کر دکھائیں۔ چنانچہ وہ ان ہدایات پر ہمیشہ عمل پیرا رہے۔ یہی وجہ ہے کہ گو اہلِ مکہ نے نجاشی کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا لیکن اس نے ان کو اپنے سائے میں امن و امان سے رہنے دیا۔

ان تمام واقعات سے ہم جن نتائج پر پہنچتے ہیں وہ بہت واضح ہیں۔ پیغمبر اسلام کی سیاست ان کی فطرت سلیم اور کردار بلند کا عکس تھی۔ اس کا اخلاقیات کے ساتھ گہرا تعلق تھا۔ یہ حقیقی معنوں میں سیاست طیبہ تھی۔ پاک، صاف، سنجیدہ، پرخلوص، حوصلہ مندانہ، ہو بہو حسن باطن کی تصویر۔ اس کی بنیاد اخلاقی اصولوں پر تھی۔ عہد جاہلیت کے واہیات طور طریق سے بہت دور۔ اس میں حسن اخلاق اور انسانی روابط پر زور تھا۔ صداقت پر اعتماد، خلوص، پاس عہد، وفاداری، شرافت، نیکدلی، پاکیزگی اور علو نفس۔ یہ وہ اوصاف حمیدہ تھے جو آنحضرتؐ انسانی چلن میں پیدا کرنا چاہتے تھے۔ ان کے ہر قول و فعل میں انتہا درجہ صبر، تحمل، بردباری بھی تھی اور رواداری بھی۔ ظاہر ہے کہ یہ شعار انسانی روابط میں زمین آسمان کا فرق پیدا کر دیتا ہے۔ جیسا کہ اس نے فی الحقیقت کیا۔ اور حضرت کے اسوۂ حسنہ کی طرح سیاست طیبہ بھی تمام نوع انسان کی تاریخ میں اپنی مثال آپ قرار پائی۔ ایک ایسی مثال جو آج کے پرآشوب زمانے میں بھی ہماری پوری پوری رہنمائی کر سکتی ہے جب کہ اخلاقی قدریں اس قدر خلل پذیر ہو چکی ہیں۔ اور نتیجۃً تمام

نظام عالم درہم برہم ہے اور اگر یہ درست ہے تو پھر یہ سیاست طیّبہ آئندہ بھی ہر زمانے میں نوع انسان کی پوری پوری ہدایت کر سکتی ہے۔

یہ پر لطف سفر ہم نے مسٹر افضل اقبال کے ساتھ طے کیا ہے۔ ایک جواں سال، جہاں دیدہ مرد راہ جس کے شب و روز اسلامیات کے مطالعہ میں گذرے ہیں۔ جس نے "قرآں در زبانِ پہلوی" کے مصنف، رومی کا ایک مستقل تصنیف میں گہرا مطالعہ کیا ہے جس کو اقبالؔ کے افکار و خیالات کے ساتھ شدید شغف ہے، اور جو بین الاقوامی معاملات کا ناظر بھی رہا ہے اور مبصر بھی۔ رہا عالم اسلام تو اس کا ماضی ہو یا حال برابر اس کی حد نظر میں رہا ہے۔

اگر ہم اس کے بسیط مطالعہ سے پھر اپنے سینوں میں وہی آتشِ پاک جلائیں جو بانئ اسلام کی روح رواں تھی اور اس سے پھر دنیا کی محفلوں کو روشن کریں تو یہ ایک بہت بڑی خدمت ہوگی ؛

عرب کی زمین جس نے ساری ہلا دی ؛

بقیہ صفحہ ۲۰۲

مہاجر و انصار میں لٹا دیتا ہے۔ آپ کے گرد و پیش ایسے لوگوں کا مجمع تھا جو آپ پر اپنی جان قربان کرنا فخر سمجھتے تھے۔ اگر آپ تمام مال و زر اٹھا کر رکھ لیتے تو انہیں انتہائی خوشی ہوتی مگر وہ سلطان وہاں سے خالی ہاتھ اٹھتا تھا۔ وہ دوسروں کو لونڈیاں اور غلام تقسیم کر دیتا تھا مگر اپنی پیاری بیٹی کو تقرب الی اللہ کی راہ بتاتا تھا۔

اس دولت و اقتدار کے زمانے میں کبھی آپؐ کے گھر میں چھلنی تک نہ تھی کہ جو کے آٹے کی بھوسی علیحدہ کر لی جاتی۔ زندگی اسی طرح گذری، یہی فقر مومن ہے۔ دنیا کبھی آپ کو اپنی طرف متوجہ نہ کر سکی۔ آپ کے بعد حضرت عائشہ صدیقہؓ اکثر گندم کی روٹی دیکھ کر رو پڑتیں کہ آنحضرتؐ زندہ ہوتے تو ان کو کھلاتیں!

یہ ہے اس شہنشاہ عالم کی زندگی کا ایک مختصر خاکہ جس کا نام اگر لیا جاتا تو بڑے سے بڑا تاجدار تخت سے نیچے اتر آتا ہے اور آپ کی غلامی میں فخر محسوس کرتا۔ اگر اس کا نصب العین دنیا ہوتی اور حصول جاہ و مال ہوتا تو کیا وہ ان مواقع کو کھو دیتا جب دنیا کی دولتیں اس کی ٹھوکروں میں پڑی تھیں۔ اس ذاتِ گرامی کا نصب العین حکومتیں اور فتوحات نہیں تھیں بلکہ خدائے قدوس کا نام ابد تک بلند و بالا رکھنا، ایک خدا کی پرستش، شرک کا استیصال اور قرآنی معاشرہ کا قیام تھا۔ جب رسولؐ کا تقاضا ہے کہ ہم حضور سرور کائنات کے اس نصب العین کو سمجھیں اور ان کے بتائے ہوئے راستہ پر ایمان و ایقان کی روشنی میں آگے بڑھتے چلے جائیں ؛

"کتاب اللہ، رسول اللہ" بقیہ صفحہ ۸۰

(یا تو مجرم نے جرم اللہ کے سامنے کیا ہے یا پھر کوئی معاملہ
ہے دو افراد کے درمیان، سو وہ بھی اللہ کے روبرو ہوا ہے
پس جب تم ان افراد پر گواہی دو تو یہ سمجھ کر دو کہ تم جس
امر کی شہادت دے رہے ہو اس کا علیم و بصیر اللہ ہی ہے
یعنی خود اللہ تعالےٰ اس کا گواہ ہے اور تمہاری گواہی کو
بھی وہی دیکھ رہا ہے، سن رہا ہے۔ لہٰذا گواہی دیتے وقت
یہ باتیں اپنے ذہن میں رکھو تب کوئی شہادت دو۔)
اگرچہ گواہی خود تمہارے ہی خلاف ہو یا تمہارے ماں
باپ کے خلاف ہو یا قرابت مندوں کے خلاف ہو۔ اگر
وہ مالدار ہو یا فقیر ہو۔ (تو تم نہ مالدار کی پاسداری
کرو نہ فقیر پر ترس کھاؤ) اللہ ان دونوں کا سب سے
زیادہ کارساز ہے۔ تم ہوائے نفس کا اتباع نہ کرو کہ
(گواہی سے) روگردانی کرو۔ اور اگر تم نے گول مول
بات کہی (جس سے حقیقت حال چھپی رہے) یا (گواہی
سے) پہلو تہی کی تو یاد رکھو، تم جو کچھ کروگے اللہ اس
سے باخبر رہیگا۔ (سورۃ نساء رکوع ۱۹ کا آغاز)

اس تعلیم کا نام عدل و انصاف اور تکمیل انسانیت کی تعلیم ہے۔ اور
یہ انسانی فرائض ہیں جن کی تعلیم کے لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم مبعوث ہوئے اور جن کی ہدایت کے لئے قرآن مجید اترا جس
کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لاکھ سے زیادہ
صحابہ کرام کو انسان کامل کا نمونہ بنا کر دنیا سے آخرت کی طرف
کوچ فرمایا تاکہ بعد میں آنے والے ان آسمان ہدایت کے چمکتے ستاروں
سے ہدایت حاصل کریں اور انسان بننا سیکھیں۔ چنانچہ کئی لاکھ
تابعین نے آسمان ہدایت کے ان روشن نجوم سے انسانیت کی تعلیم
حاصل کی۔ سچ فرمایا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بُعِثْتُ
لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ میں اس لئے مبعوث ہوا ہوں
کہ اخلاقی بزرگیوں کو انتہا تک پہنچا دوں چنانچہ آپ نے ساری
اخلاقی بزرگیوں کو زبانی تعلیم اور عملی تعلیم کے ذریعے دکھا دیا۔ اور
اسی کا نام تکمیل انسانیت ہے۔

اعتذاریہ

۱۔ مولانا عبدالماجد دریابادی (معذرت)
۲۔ مولانا سید رشید احمد ارشد (شعبۂ اسلامیات کراچی یونیورسٹی)
۳۔ ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی (لاہور)
۴۔ ڈاکٹر محمد شہید اللہ (ڈھاکہ)
۵۔ جناب کمال، اے۔ فاروقی صاحب (کراچی)
۶۔ جناب خواجہ عبدالوحید صاحب (کراچی)
۷۔ جناب ممتاز حسن صاحب (کراچی)
۸۔ مولانا نسیم امروہوی صاحب (کراچی)
۹۔ جناب حسنین کاظمی (کراچی)
۱۰۔ مولانا نور احمد خاں فریدی
۱۱۔ جناب تابش دہلوی (کراچی)
۱۲۔ جناب سلیم خاں گمّی۔ (راولپنڈی)
۱۳۔ محترمہ ممتاز شیریں (کراچی)
۱۴۔ محترمہ خالدہ شوکت
۱۵۔ بیگم سیدہ عثمانی صاحبہ
۱۶۔ سیّد قدرت نقوی۔ (ملتان)
۱۷۔ عشرت رحمانی (لاہور)
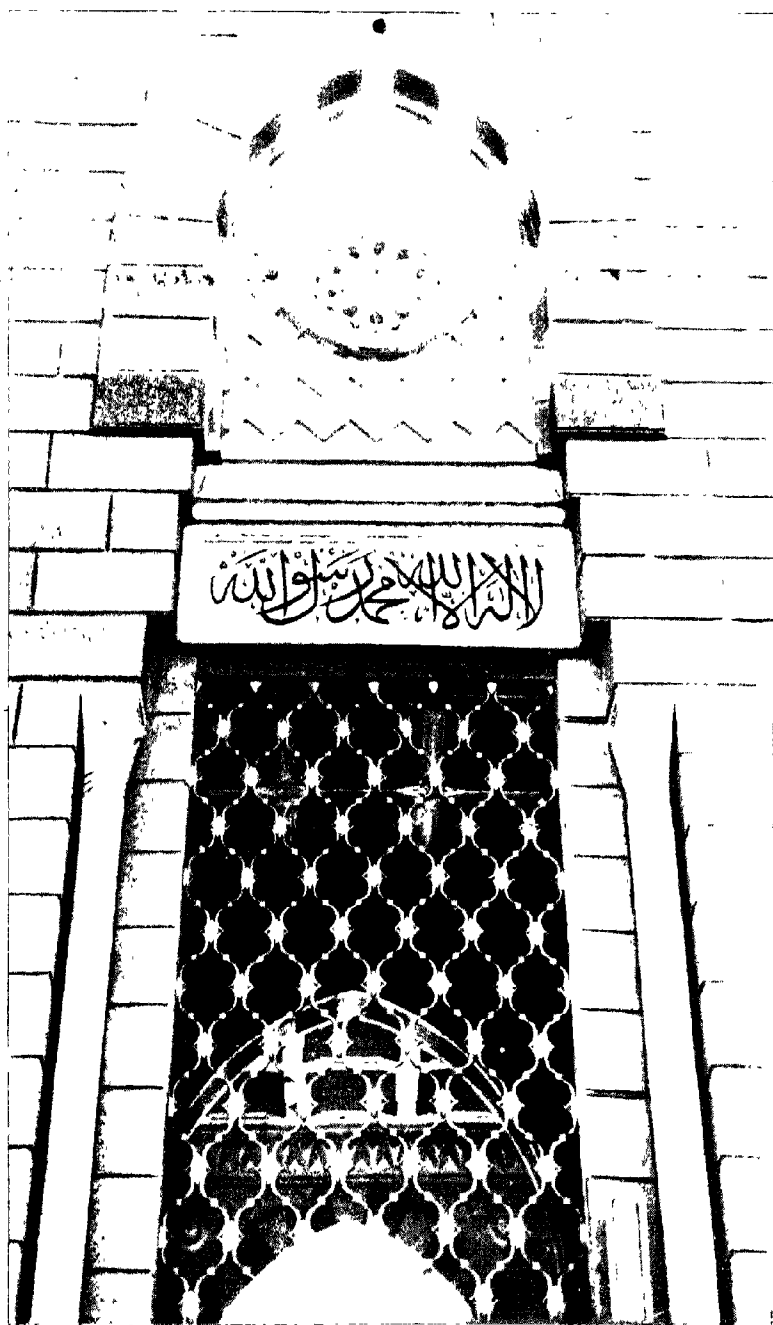
مسجد نبوی : ایک نو تعمیر دروازہ

خلد زار | اے خلد زار | اے خلد زا
وادی ، گل و لالہ | کشمیر جنت نظیر | فردوس بر روئے زمیں

خلد زار نہیں بلکہ طلسم زار

اس وادی مینو سواد کے نشیب و فراز، جنت نگاہ باغات، اس کی عالیشان عمارات، اہل کشمیر اور مسلمانان کشمیر کی عظمت رفتہ کی وہ داستان سنانے ہیں جس کے لئے ہم میں سے کون گوش بر آواز نہیں؟

"کشمیر: ادب و ثقافت"

(زیر طبع)

اس حیرت انگیز داستان کی صدائے باز گشت ہے
جس کے متعلق
جناب قدرت اللہ شہاب فرماتے ہیں :-

"مجھے مسرت ہے کہ اس کتاب میں سلیم خان گمی نے کشمیری ادب و ثقافت کے مختلف پہلوؤں پر معلومات فراہم کرنے کی کوشش کی ہے - میری نظر میں یہ ایک کامیاب کوشش ہے ...... مجھے یقین ہے کہ اس کتاب کے مطالعہ سے ایسے حضرات کو بہت مدد ملے گی جو ریسرچ میں مصروف ہیں یا جنہیں کشمیر سے دلچسپی ہے -

کشمیر پر اس وقت ساری دنیا کی نگاہیں لگی ہوئی ہیں - مسئلۂ کشمیر کی وجہ سے یہ خطۂ زمین سارے عالم کی دلچسپی کا مرکز بنا ہوا ہے......."

بیرون در گریستم ، بر درون خانہ گفتم

درون خانہ کی چند سحر آفریں جھلکیاں :

حرف شیریں : قدرت اللہ شہاب
پس منظر : دور خزاں
خیا باں خیا باں : (ادبیات)
باغ و بہار : شاعری عہد بہ عہد
سرو و چنار : ضرب الامثال اور محاورات
لالۂ خود رو : شمس خان کا رزمیہ
سرو و چمن : فارسی گو شعرا
جوئے شیر : کشمیری زبان
وادیٔ گریز : قدیم باشندے

چشم و چراغ (شخصیات) :
للہ عارفہ ، حبہ خاتون
طاہر غنی ، آذر عسکری
فروغ انجمن : ارباب فکر و نظر
بید و چنار کے سائے میں : (ثقافت)
لالہ و گل : رسم و رسوم اور پہناوے
باد بہار : اقبال اور کشمیری عوام
نواسنجان گلشن : کشمیر کے عکاس
ولر کے کنارے (نظم)

صنعت آزاد مرداں : فن تعمیر
پردۂ ساز : کلاسکی موسیقی
بانگ ہزار : پہاڑی لوک گیت
نوائے سرور : وادیٔ کشمیر کے گیت
ابر رواں : لوک کہانیاں :
۱- گلریز
۲- اکنہ بندن
۳- نگار عشق
۴- گلعذار مہر عاج (نظم)

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

ادارۂ مطبوعات پاکستان پوسٹ بکس نمبر ۱۸۳ - کراچی

ادارۂ مطبوعات پاکستان - پوسٹ بکس نمبر ۱۸۳ کراچی نے شائع کیا -
مطبوعہ مشہور آفسٹ لیتھو پریس ، میکلوڈ روڈ - کراچی - مدیر : ظفر قریشی